UNIVERSAL LIBRARY
OU_188913
UNIVERSAL LIBRARY

OUP 880 5-8-74 10,000

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. 915sc
[illegible]

Accession No. U. 1482

Author منوچی نکولس

Title [illegible] سلطنت مغلیہ

This book should be returned on or before the date last marked below

قصۂ مہر و وفا یم بہ زبانِ اغیار

فسانۂ سلطنتِ مغلیہ

اطالوی سیاح منوکی، کی زبانی

جو خود شاہزادہ دارا شکوہ کی فوج میں شریک رہکر اورنگ زیب کے لشکر
سے نبرد آزما ہوتا۔ وینس سے دہلی تک کے سفر کے حالات اور اورنگ زیب
عالمگیر کی تخت نشینی تک عہد مغلیہ کی تاریخ

مترجمہ

جناب خان بہادر نواب سید مظفر علی خاں صاحب
رئیس جانسٹھ ضلع مظفر نگر

باہتمام خواجہ صدیق حسین

مطبع آگرہ اخبار آگرہ میں طبع ہوا

قصۂ مہر و وفا ہم بہ زبانِ اغیار

فسانۂ سلطنتِ مغلیہ

اطالوی سیّاح منوچی کی زبانی

جو خود شاہزادہ داراشکوہ کی فوج میں شریک رہ کر اورنگ زیب کے لشکر سے نبرد آزما ہوا تھا۔ وہیں سے دہلی تک کے سفر کے حالات اور اورنگ زیب عالمگیر کی تخت نشینی تک عہدِ مغلیہ کی تاریخ

مترجمہ

جناب خان بہادر نواب سیّد مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ

ضلع مظفر نگر

باہتمام خواجہ صدیق حسین

مطبع آگرہ اخبار آگرہ میں طبع ہوا

جناب خان بہادر نواب سید مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ ضلع مظفرنگر

دیباچہ

نکولس مینوکی ۱۴ سال کی عمر میں نومبر سنہ ۱۶۵۳ء میں اپنے وطن وینس سے چل کر جنوری سنہ ۱۸۵۶ء میں ساحل ہند پر پہنچا۔ وینس سے وہ جس طرح سیر و سیاحت کے شوق میں اپنے باپ سے چھپ کر سمرنا کو روانہ ہوا اُس کا احوال آپ خود مینوکی کی زبانی اس کتاب میں ملاحظہ کریں گے سمرنا سے ایشیائے کوچک ہوتا ہوا اگست سنہ ۱۶۵۴ء میں قزوین (ایران) پہنچا۔ پھر اصفہان میں ایک سال مقیم رہا۔ اس کے بعد براہ شیراز بندر عباس پہنچا۔ پھر سمندر کی راہ سے بندرگاہ سورت پہنچا۔ اور اپریل سنہ ۱۶۵۶ء میں برہان پور گوالیار، دہولپور ہوتا ہوا آگرہ آیا۔ پھر دہلی روانہ ہوا اور شاہزادہ داراشکوہ تک رسائی حاصل کی شاہزادہ نے مینوکی کو ۵۰ ر مشاہرہ پر نوکر رکھ لیا اور اپنے توپ خانہ میں بھرتی کر لیا۔ سنہ ۱۶۵۸ء میں جب اورنگ زیب اور مراد بخش کی داراشکوہ سے سموگڑھ (نزد آگرہ) کے مقام پر جنگ ہوئی اُسوقت مینوکی بھی دارا کی طرف سے لڑا تھا۔ دارا کی آخری شکست کے بعد مینوکی نے اورنگ زیب کے لشکر میں ملازمت نہ کی بلکہ طبابت کا پیشہ اختیار کیا۔ اور غالباً سنہ ۱۷۱۷ء میں ۸۰ برس کی عمر میں ہندوستان ہی میں انتقال کیا۔

یہ کتاب جس کا نام (Stonia Do mogor) ہے مینوکی نے تین زبانوں میں لکھی ہے کچھ حصہ اطالوی میں ہے کچھ پرتگالی میں اور کچھ فرانسیسی میں۔

عہد شاہجہاں سے پہلے کے واقعات جو مینوکی نے لکھے ہیں وہ زیادہ تر لغو ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصے مغالطین سلطنت میں اُس وقت عام طور پر مشہور تھے عہد شاہجہاں کے بعد کے

واقعات مورخین کے لئے ضرور قابل لحاظ ہیں اور چونکہ اس کتاب سے اس زمانہ کے عادات و اطوار کا پتہ چلتا ہے اور یہ باتیں اُس زمانہ کی اور کتابوں میں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں اس لئے منوکی اطالوی کی یہ تصنیف بہت دلچسپ اور بکار آمد ہے۔

مشہور فرانسیسی سیاح برنیر بھی جس کا سفرنامہ بہت مشہور ہے منوکی کا ہمعصر تھا لیکن دراصل جو بات دلچسپ ہے وہ یہ ہے کہ برنیر اورنگ زیب کی طرف تھا اور منوکی دارا کی طرف۔ اورنگ زیب کی جنگ تخت نشینی کے جو واقعات منوکی نے لکھے ہیں وہ گویا تصویر کا دوسرا رُخ ہے۔

قدرتی طور پر منوکی کو اورنگ زیب عالمگیر سے سخت عناد تھا اسلئے ظاہر ہے کہ اُس نے اورنگ زیب کے خلاف بہت کچھ تعصب سے کام لیا ہوگا۔ لہٰذا ناظرین اگر

قصۂ مہر و وفا ایم بزبانِ اغیار

کا لطف اٹھانا چاہیں تو اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ اس نقطہ نظر سے یہ اوراق دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

یہ کتاب ۱۶۹۹ء و ۱۷۰۰ء کے درمیان تصنیف ہوئی اور لوئی چہاردہم بادشاہ فرانس کے حضور میں پیش کرنے کے لئے لکھی گئی تھی۔

نيڪو لاؤ منوچي

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ اوّل

فسانہ سلطنت مغلیہ

باب اوّل

ابتدائے عمر سے مجھے دنیا کی سیر کا شوق تھا، میرے والد مجھے شہر وینس[1] سے جو میری (جائے ولادت تھی) باہر جانے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ آخر کار میں نے اپنے دل میں یہہ ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ہو سکے اپنا شوق پورا کروں۔ کچھ عرصہ بعد مجھے معلوم ہوا کہ ایک جہاز وینس سے روانہ ہونے والا ہے۔ یہ سُن کر میں بلا تامل جہاز پر چلا آیا، حالانکہ یہ معلوم نہ تھا کہ جہاز کس ملک کو جا رہا ہے اور نہ میرا قصد کسی خاص جگہ جانے کا تھا۔ افسران جہاز نے مجھے کسی سوداگر کا لڑکا یا ہمراہی خیال کر کے کچھ تعرض نہ کیا۔

[1] وینس ملک اٹلی کا مشہور شہر ہے۔ ۱۲

اور اس طرح سنہ ۱۶۵۱ء[لہ] میں جبکہ میری عمر چودہ سال کی تھی میں نے یہ سفر شروع کیا، جہاز کے روانہ ہوتے ہی چوبیس گھنٹہ تک تیز ہوا چلتی رہی۔ چونکہ میں بحری سفر کا عادی نہ تھا اسلئے مجھے سمندری بیماری سے سخت تکلیف ہوئی۔ چوبیس گھنٹہ کے بعد طوفان کم ہوا اور مجھے شدت سے بھوک معلوم ہوئی لہٰذا میں نے اپنے آپ کو کپتان جہاز کے سامنے پیش کردیا۔ کپتان نے جب میرے ہمراہیوں وغیرہ کا نام دریافت کیا تو میں نے نہایت عاجزی سے کہا کہ روانگی سے تھوڑی دیر قبل میں جہاز پر آیا اور اتفاقاً سو گیا۔ آنکھ کھلنے پر مجھے معلوم ہوا کہ جہاز روانہ ہوگیا۔ چونکہ میں بالکل بے سروسامان ہوں اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر رحم کی درخواست کرتا ہوں۔ کپتان جہاز نے میری نگرانی اور خبرگیری کا حکم دیدیا اور میں آرام سے بسر کرنے لگا۔

جہاز پر میں نے ایک انگریز کو دیکھا جو بہ تبدیل لباس سفر کررہا تھا اور جس کا نام لارڈ بلومنٹ تھا (Lord Bellomont) جو کرام ویل کے ہاتھ سے جان بچا کر انگلستان سے بھاگا تھا۔ یہ انگریز شاہ چارلس دوئم کا طرفدار تھا جو اس وقت فرانس میں پناہ گزیں تھا۔ یہ میرے ساتھ بڑی عنایت و محبت سے پیش آیا اور مجھے اپنے ہمراہ رہنے کے لئے کہا۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے بیان کیا کہ وہ بطور سفیر شاہ مذکور کیطرف سے ایران و ترکی و ہندوستان جارہا ہے۔

چونکہ خلقی طور سے مجھے سفر کا شوق دامنگیر تھا اس لئے میں نے اس کی رفاقت بخوشی منظور کرلی۔ لارڈ بلومنٹ نے مجھ پر اعتبار کرکے اپنے توشہ خانہ کی کنجیاں میرے حوالہ کردیں، لارڈ موصوف مجھے مثل اپنے بیٹے کے سمجھتا تھا، میں بھی دل و جان سے اس کی خدمت کرنے لگا، رگور اپہنچکر بوجہ باد مخالف ہمیں چند روز قیام کرنا پڑا۔ آخر کار وہاں سے روانہ ہوکر اور

لہ مترجم انگریزی نے بیحد محنت کرکے اصل کتاب کے مختلف جگہوں سے کئی مسودے بہم پہونچائے اور ان کا مقابلہ کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک مسودہ میں نومبر سنہ ۱۶۵۳ء لکھا ہے اور غالباً یہی صحیح ہے۔ ناظرین کو آگے معلوم ہوگا کہ ہر جگہ سنہ میں دو سال کی کمی ہے۔ لہٰذا اسی مسودہ مذکور کے موافق تصحیح کردی گئی ہے ۱۲۔

ساحل دلمیشیا اور چند جزیروں کے پاس سے گذرتے ہوئے چار ماہ کے بعد ہم بندرگاہ سمرنا پر پہنچے

باب دوم

سمرنا

سمرنا سلطنت ترکی کا بندرگاہ ہے جہاں ہم سات روز مقیم رہے۔ اس میں فرانسیسی۔ اتالی، انگریز۔ ڈچ۔ ملے جلے آباد ہیں، علاوہ ان کے ارمنی سوداگر بھی ہیں، یہ سب کے سب سمندر کے کنارے بود و باش رکھتے ہیں، ہمارے زمانہ قیام میں ایک انگریزی جہاز کے کپتان کو ایک ترک نے لکڑیوں سے مارا، کپتان مذکور نے ضبط سے کام لیا اور موقع کا منتظر رہا، تھوڑے عرصہ کے بعد جب وہ جہاز روانہ ہوا تو کپتان نے شہر پر گولہ باری کی اور بھاگ گیا۔ یہاں میں نے ایک حکایت سُنی بوجہ ظرافت و نمونہ حاضر جوابی کے اُسکا بیان کرنا بے موقع نہ ہوگا۔

حلب میں جو عرب کا مشہور شہر ہے ایک یہودی سوداگر رہتا تھا جو اُس شہر میں سب سے زیادہ دولتمند تھا، پاشا یعنی وہاں کا گورنر اس تاک میں ہوا کہ کسی طرح اس یہودی کا مال و اسباب چھین لے اور لوگوں کو بھی حاکم کے خلاف زبان ہلانے کا موقع نہ ملے۔

دل میں یہ منصوبہ باندھ کر گورنر نے اُس یہودی سوداگر کو طلب کیا۔ جس وقت وہ حاضر ہوا تو برسبیل تذکرہ یہودی سے کہا کہ یہاں تین مذہب رائج ہیں، ایک حضرت موسیٰ کا مذہب جس کے یہودی پابند ہیں، دوسرا حضرت عیسیٰ کا جسے عیسائی مانتے ہیں، تیسرا طریق حضرت رسالتمآب جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جس کے مُسلمان پیرو ہیں۔ اب یہ بتاؤ کہ ان تینوں مذہبوں میں سے کون سا مذہب حق ہے۔ اوس کا منشا صرف یہ تھا کہ اگر یہودی نے مذہب موسوی یا عیسوی کو حق بتایا تو آسانی سے اوس پر مسلمانوں کے مذہب جھٹلانے کا الزام لگایا جا سکیگا۔ اور اگر مسلمانوں کے مذہب کو درست بتایا تو اُسکو مُسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا ورنہ یا جان سے مار ڈالا جائے گا۔

یہودی سوداگر بھی نہایت ہوشیار اور ذکی تھا وہ فوراً اس بات کی تہہ کو پہونچ گیا اور عرض کیا کہ جواب دینے سے قبل میں آپ کو ایک قصہ سُنانا چاہتا ہوں۔ اور اس طرح بیان کیا

ایک شخص نہایت مالدار تھا اور اُس کے تین بیٹے تھے جو اُس کے بعد تمام دولت کے مالک ہوتے اوس کے پاس علاوہ کثیر مال و دولت کے ایک جواہر اس قدر بڑا تھا کہ انمول شمار ہوتا تھا۔ اُس کے تینوں بیٹوں کو بھی اس کا علم تھا۔ اور ہر لڑکے کی یہ خواہش تھی کہ باپ کے بعد یہ بے بہا جواہر اُسے ملے۔ باپ بھی یہی چاہتا تھا کہ تینوں لڑکے اُس سے رضامند رہیں اور اُس کے مرنے کے بعد اُن میں نزاع نہ ہو، پس اوس نے ایک ہوشیار نگینہ ساز کو بلا کر اصل جواہر دکھا کر فرمایش کی کہ اس کے ہم شکل دو مصنوعی جواہر تیار کر دیے، چنانچہ نگینہ ساز نے دو مصنوعی جواہرات اس صنعت سے بنائے کہ اصل و نقل میں تمیز دشوار تھی۔ جب باپ کا وقت وفات قریب پہنچا تو اوّل اُس نے اپنے اوس پسر کو طلب کیا جس کو سب سے زیادہ پیار کرتا تھا اور اُسے اصل جواہر دے کر تاکید کی کہ اپنے دونوں بھائیوں سے اس کا ذکر نہ کرے۔ اسیطرح اُس نے اپنے باقی دو بیٹوں کو الگ الگ بلا کر ہر ایک کو مصنوعی جواہر دیا اور رازداری کی تاکید کر دی۔ تینوں لڑکے علیٰحدہ علیٰحدہ نہایت خوش تھے اور ہر ایک کو یہی دعویٰ تھا کہ اصل جواہر اُس کے قبضہ میں ہے۔

اسی طرح خدا نے تین مذہب پیدا کیے جن کے موسائی، عیسائی اور مسلمان پابند ہیں، ان میں سے صرف ایک مذہب حق ہے اور باقی جھوٹے ہیں، اور اس بات سے صرف خدا ہی واقف ہے۔ جس طرح حکایت مذکور سے ثابت ہے کہ باپ کے سوا کسی دوسرے شخص کو یہ بات معلوم ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ اصل جواہر اوس کے کس بیٹے کے پاس ہے۔

گورنر یہودی کی حاضر جوابی سے نہایت خوش ہوا اور جو منصوبہ باندھا تھا اوسکو بدل کر اُس نے یہودی کی عزت افزائی کی"

یہاں ہم سات روز مقیم رہے اور اس کے بعد ایک کارواں کے ہمراہ بروسہ کو روانہ

ہوئے۔ اگرچہ برف باری کی وجہ سے راستہ میں ہم کو سردی سے بہت تکلیف ہوئی مگر آٹھویں روز ہم بہ صحت و عافیت بروسہ پہونچ گئے۔

باب سوم

بروسہ

بروسہ یونان کا پُرانا شہر ہے جب ہم وہاں پہونچے تو ایک ارمنی کے یہاں مقیم ہوئے جس کا نام انتھونی چیلی بی تھا (Anthoine Chelebey) اور جو یہاں گورنری کا کام کر رہا تھا۔ یہ معلوم کرکے کہ فارس کے قافلہ کے لئے ہمیں بہت دنوں تک انتظار کرنا پڑے گا ہم شہر کا مکان چھوڑ کر گورنر کے دوسرے مکان میں چلے آئے جو شہر سے باہر تھا۔ جبکہ ہمارا اسباب اس دوسرے مکان کو جا رہا تھا تو ایک فرانسیسی مسمیٰ چارلس جو ہمارے ساتھ اعلیٰ درجہ کا موسیقی داں تھا ایک ٹین کا بکس لیکر غائب ہوگیا۔ اس بکس میں علاوہ زر نقد کے میرے آقا کی بہت بیش قیمت اشیا تھیں، ہر چند اس کی تلاش کیگئی مگر سوائے اس کے کہ خالی ٹوٹا ہوا بکس شہر کے باہر ایک باغ میں سے ملا اور کوئی چیز دستیاب نہیں ہوئی۔ اس مشکل کے وقت انتھونی چیلی بی نے ہماری بہت مدد کی اور جسقدر رقم ہمارے اخراجات سفر کے واسطے درکار تھی وہ مہیا کردی۔

پچاس روز کے زمانہ قیام میں میں نے بہت سی قدیم عمارتیں دیکھیں جو یونانیوں نے قلعوں دیواروں، پلوں، اور گرجوں کی شکل میں تعمیر کی تھیں۔ گرجوں کو ترکوں نے مساجد کی شکل میں تبدیل کرلیا تھا۔ شہر کے باہر تم کو بہت سی سنگی تصاویر زمین پر پڑی ہوئی نظر آئیں گی جن کو ترکوں نے مساجد کو جاتے وقت راستہ میں خراب کردیا ہے اور جو ایک عیسائی پابند مذہب کے لئے تکلیف دہ نظارہ ہے۔

یہ بڑا شہر ہے جسمیں ترک، ارمنی اور یونانی آباد ہیں۔ لیکن یہودیوں کی تعداد زیادہ ہے جنکے ساتھہ نہایت خراب سلوک کیا جاتا ہے۔

شہر کے درمیان میں ایک چشمہ جاری ہے جس سے قریب کے باغات سیراب کئے جاتے ہیں۔ علاوہ اس چشمہ کے اور چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں جن سے مکانات اور محلات میں پانی جاتا ہے۔ ان تمام اسباب سے شہر ایک صحت افزا مقام ہے۔ ترکی اور ایرانی طرز کے گرم حمام بنے ہوئے ہیں، صبح پانچ بجے سے چھ بجے تک مرد اُن میں غسل کرتے ہیں۔ جب مرد غسل کر چکتے ہیں تو بگل بجایا جاتا ہے جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حمام مردوں سے خالی ہو گئے اور اب عورتیں اُنہیں نہا سکتی ہیں۔ حماموں میں مردوں کے نہلانے کے لئے حجام موجود رہتے ہیں۔ اور اس طرح لڑکیاں عورتوں کے غسل کرانے کو حاضر رہتی ہیں۔

جب ہم یہاں مقیم تھے تو یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک مرد بہ تبدیل وضع حمام کی اُن عورتوں میں شامل ہو گیا جو مستورات کو غسل دلایا کرتی تھیں۔ آخر یہ راز کھل گیا اور وہ شخص زد و کوب کے بعد عدالت میں پیش کیا گیا جہاں اُسے سزائے موت کا حکم دیا گیا۔

یہ حکم سُن کر ملزم نے عدالت سے التجا کی کہ وہ قتل نہ کیا جائے بلکہ بجائے اس کے اوس کو خواجہ سرا بنا دیا جائے اور تمام عمر وہ حمام میں مردوں اور عورتوں کو بلا کسی تنخواہ کے غسل دلایا کرے۔ حاکم نے ملزم کی یہ درخواست قبول کر لی اور اوس کو مُخنّث کر دیا گیا۔

یہاں سے روانگی کے بعد ہمنے سُنا کہ انتھونی چیلبی جو ہمارا میزبان تھا حساب فہمی کے لئے دربار شاہی میں طلب کیا گیا۔ اُس نے یہ افواہ سُنکر اپنا تمام مال و اسباب پوشیدہ طور سے لیگ ہارن روانہ کر دیا۔ کچھ روز بعد قسطنطنیہ سے ایک ترک سوار اُس کی طلبی میں آیا اور بلا کسی پس و پیش کے اُس کے مکان میں داخل ہو کر کہا کہ اُسے فوراً بادشاہ کی حضور میں چلنا چاہیے۔ ارمنی گورنر بلا اظہار کسی خوف یا تعجب کے مسکراتا ہوا سوار کے پاس آیا اور چلنے پر آمادگی ظاہر کر کے سوار سے آرام کرنے کی درخواست کی۔ صبح کو جب دونوں مکان سے برآمد ہوئے

تو ارمنی نے سوار کا ہاتھ پکڑ کر مسند پر اپنی برابر بٹھایا، کچھ گفتگو کے بعد اس کے اشارہ سے ریشمی کپڑے کے تھان اور جواہرات کی انگشتریاں سامنے لائی گئیں۔ گورنر نے سوار سے کہا کہ ان میں سے جو چیز پسند ہو وہ بلاتکلف لیلی جائے۔ یہ کہہ کر اس نے خدمتگار سے پاخانہ میں لوٹا رکھنے کو کہا اور اس بہانہ سے وہ مکان میں داخل ہوا۔ بقیہ نقد و جنس اور غلاموں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر فوراً روانہ سمرنا ہوا۔ بروسے سے سمرنا تک معمولاً چھ روز میں پہونچتے ہیں مگر اس نے چوبیس گھنٹہ میں یہ منزل طے کی۔ اتفاقاً بندرگاہ سمرنا میں ایک ڈچ جہاز لنگر انداز تھا۔ اس نے کپتان جہاز سے کہا کہ اگر مجھے اور میرے آدمیوں کو فوراً سوار کر کے لیگ ہارن پہونچا دیا جائے تو میں اس سے دونی رقم ادا کرونگا جس قدر یہاں جہاز کے لنگر انداز رہنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ کپتان نے یہ بات قبول کر لی اور فوراً اسے سوار کر کے لیگ ہارن کی طرف لنگر اٹھا دیا۔ وہاں پہنچکر اسنے حسب وعدہ دونی رقم کپتان کو ادا کر دی۔ لیگ ہارن میں اسنے ایک عالیشان حمام بطور اپنی یادگار کے تعمیر کیا۔

ہم ایک بڑے قافلہ کے ساتھ سفر کر رہے تھے جسمیں چند ارمنی سوداگر بھی تھے جو ہمارے کھانے کا انتظام کرتے تھے اور ہمارے گھوڑوں، خچروں اور اونٹوں کی دیکھ بھال بھی انہی ارمنیوں کے ذمہ تھی۔ کچھ دنوں بعد ہم توکت[ل۵] پہونچے۔

باب چہارم

توکت سے روانگی

یہ شہر پہاڑوں کے درمیان آباد ہے۔ آٹھ روز قیام کرنے کے بعد ہم یہاں سے روانہ ہوئے۔ اس راستہ میں چونکہ چوروں اور قزاقوں کا خوف رہتا ہے اسلئے تمام کاروان

ل۵ توکت بروسہ سے سمت مغرب تقریباً ۴۶۰ میل ہے۔ ۱۲

نہایت ہوشیاری کی حالت میں سفر کر رہا تھا۔ اور اسی وجہ سے مسافر اکثر مسلح رہتے ہیں۔ رات کے وقت کچھ لوگ ہر طرف پہرہ دینے کے واسطے مقرر تھے اور کسی کو قافلہ کی قیام گاہ میں نہ آنے دیتے تھے، ایک روز بڑا شور و غل ہوا اور کچھ سواروں نے ہمیں لوٹنا چاہا، ہماری طرف سے بائیس آدمیوں نے حملہ کر کے قزاقوں کو بھگا دیا۔ ایک چور کا گھوڑا کم زور تھا جو بخوبی نہیں بھاگ سکتا تھا اوس کو پکڑ کر قید کر لیا۔ دوسرے روز قزاقوں کی طرف سے پیام آیا کہ اُن کے آدمی کو چھوڑ دیا جائے اور دس ہزار ٹنگا[۱] (سس ہزار روپیہ) ادا کئے جائیں۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ پھر کارواں پر حملہ کر کے کسی کو پناہ نہ دیں گے۔ اس سے قافلہ میں نہایت تشویش ہوئی مگر میر قافلہ ایک بہادر اور تجربہ کار شخص تھا اُس نے مطلق کسی خوف کا اظہار نہ کیا۔ اور جواب میں کہلا بھیجا کہ اگر تم نے حملہ کیا تو ہم ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔ خوف و بیم کی حالت تین روز تک رہی، جو قزاق گرفتار ہوا تھا دو سوار ہمیشہ اوس کی حفاظت کرتے تھے، تین روز کے بعد جبکہ تمام کارواں سو رہا تھا وہ قزاق فرار ہو گیا اور اس طرح یہ جھگڑا ختم ہوا۔ اس سفر میں اس امر کی احتیاط ضرور ہے کہ کسی وجہ سے بھی کاروان سے علیحدہ ہو کر فاصلہ پر نہ جانا چاہیے جنہوں نے ایسا کیا اونھوں نے اپنے مال و اسباب بلکہ جان سے بھی ہاتھ دہوئے۔ جو شخص یہ سفر کرنا چاہیے اوس کو سمجھ لینا چاہیے کہ اس راستہ میں بہت سختیاں برداشت کرنی پڑیں گی۔ کیونکہ مثل یورپ کے یہاں ایسی قیام گاہیں نہیں ہیں جہاں آرام اور اشیائے ضروری میسر آ سکیں ترکستان میں سفر کرنے وقت تم کو زمین پر قالین بچھا کر یا اسباب کی گٹھریوں پر سونا ہوگا جہاں سردی سے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر نیند بھی بھر نے نہیں پاتی کہ اُٹھا دیے جاتے ہیں تاکہ اونٹوں اور گھوڑوں پر اپنا اسباب لاد کر روانہ ہوں۔ رات کو سردی کی اور دن کو دہوپ کی اذیت اُٹھانی پڑتی ہے۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ترک تم کو دیکھ کر ایسے الفاظ ناشائستہ کہتے ہیں جن کو سُن کر

---

[۱] یہ دو روپیہ کے مساوی ایک سکہ ہے۔ اس وقت اس نام کا کوئی سکہ رائج نہیں۔ ۱۲

خواہ مخواہ شرم اور غصہ آتا ہے۔ ایسے موقع پر یہی مناسب ہے کہ سر جھکا لو اور زبان سے کوئی لفظ نہ نکالو۔ یہ بھی ضرور ہے کہ آیندہ نتیجہ پر نظر کر کے انکساری کے ساتھ طمانچے اور لکڑیوں سے پٹنا بھی برداشت کرو۔ کیونکہ اگر اتفاقاً کسی کا ترک پر ہاتھ اُٹھ گیا تو وہ یا تو جبراً مسلمان کر لیا جاتا ہے اور یا اُس کا سر قلم کر ڈالتے ہیں۔ یہ بڑی عنایت و مہربانی ہو کہ اگر ایسے شخص کو صرف ہاتھ کاٹ کر چھوڑ دیا جائے۔

مُسافروں کو اس بات سے بھی آگاہ کرنا ضرور ہے کہ وہ کوئی لباس سبز رنگ کا نہ پہنیں صرف ترک ہی اس رنگ کا لباس پہن سکتے ہیں۔ ایران اور سلطنت مغلیہ میں عیسائیوں کو ہر رنگ کا لباس استعمال کرنے کی اجازت ہے۔ لیکن ترک اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ یہ رنگ اُن کے نبی کو بہت پسند تھا[۵]۔

مسافر کو یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ اس سفر میں کہیں اُس کو شراب میسر آئیگی بلکہ تمام راہ میں صرف پانی پینا ہوگا۔ چونکہ ہر وقت پانی موجود رہنا ضرور ہے اس لئے بوتلیں یا شربے جو آسانی سے مل سکتے ہیں پانی سے بھر کر سواری میں لٹکا لینے چاہئیں۔ اکثر سوداگر اپنے ہمراہ جال بھی رکھتے ہیں تاکہ تازہ مچھلیاں پکڑ سکیں۔ دہی لے کر چھلنی میں اُس کا پانی ٹپکا دیتے ہیں یہ دہی خشک ہو کر کئی روز تک خراب نہیں ہوتا۔ ہمنے بھی کئی مرتبہ ایسے دہی میں پانی ملا کر بسکٹوں یا خشک روٹی کے ساتھ استعمال کیا اور پلاؤ کے ہمراہ بھی کھایا جو نہایت خوش ذائقہ تھا۔

راستہ میں جہاں کہیں آبادی ملتی ہے وہاں انڈے۔ مرغ۔ بکرے اور چند اقسام کے پھل دستیاب ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ مناسب ہے کہ کچھ خشک پھل اور تلا ہوا گوشت

---

۵ جس زمانہ کا مصنف حال لکھ رہا ہے ممکن ہے کہ اس وقت ایسا ہی ہو مگر زمانہ موجودہ میں ممالک ایران۔ عرب۔ ترکی میں سبز رنگ صرف سادات سے مخصوص ہے۔ اور ہر سیّد سبز یا سیاہ عمامہ سر پر رکھتا ہے۔ اور کوئی غیر سیّد ان دونوں رنگوں کا عمامہ نہیں باندھ سکتا۔ ۱۲

وغیرہ ہمراہ رکھا جائے تاکہ جہاں کوئی چیز نہ مل سکے یہ کام آئے۔ سب سے بہتر نصیحت جو میں کسی مسافر کو کرسکتا ہوں وہ یہ ہے کہ دیہات کے کچے مکانات اور اُن کے رہنے والوں کے دیکھنے کا اگر تمہیں شوق ہو تو ہرگز اُن کی طرف مت جاؤ۔ ایسا کرنے سے تم بیشمار مصیبتوں اور آفتوں کا شکار ہو سکتے ہو۔

باب پنجم

ارض روم

نہایت خطرہ کی حالت میں دلدلوں سے گذر کر اور اس تکلیف دہ راستہ کو تمام کرکے ہم ارض روم میں پہونچے۔ یہ تجارتی جگہ ہے اور بہت سے ارمنی آباد ہیں چھ روز تک یہاں قیام کیا۔ قصبہ میں اگرچہ عمدہ روٹی اور تمام ضروریات بکثرت ملتی ہیں مگر یہاں کے ترک بے ایمان اور گنوار ہیں۔ اسباب کو بہت سختی سے دیکھتے ہیں جس سے مسافروں کو تکلیف ہوتی ہے۔ ہمنے چند بیش قیمت چیزیں اور وہ تحالیف پوشیدہ کرلئے جو ہم شاہ ایران کے واسطے لیجا رہے تھے۔ چھ روز کے بعد ہم ارض روم سے روانہ ہوئے۔ دو روز کے بعد ایک قلعہ کے پاس پہونچے جو پہاڑ کی چوٹی پر بنا ہوا تھا اور زیر کوہ ایک چھوٹا سا قصبہ آباد تھا جس کو حسن قلعہ کہتے تھے۔ جب ہم یہاں پہونچے تو دوبارہ ہمارے اسباب کی اس غرض سے تلاشی لیگئی کہ کوئی تجارتی سامان تو اس میں پوشیدہ نہیں۔ اگرچہ ہمارے ہمراہ صرف چند چیزیں تھیں تاہم ہمکو دوبارہ محصول چنگی دینے پر مجبور کیا گیا۔ اس کے بعد لعنت بھیجکر اونہوں نے ہمیں رخصت کیا۔ ہمنے وہ تلوار جو شاہ ایران کیواسطے لیجا رہے تھے اور صندوق جن میں خطوط وغیرہ تھے ایک ارمنی کے حوالے کر دیئے جو دوسری راہ سے چلا گیا اور آیندہ منزل پر اس نے یہ تمام چیزیں ہمارے سپرد

کردیں جہاں تلاشی وغیرہ کا کچھ خوف نہ تھا۔

آٹھ روز کے بعد ہم دریائے اراس کے کنارے پر پہونچے اور آہستہ آہستہ ایران کی حد میں داخل ہوئے جہاں ہم کو اس امر سے تسلی ہوئی کہ بہ نسبت گذشتہ ملک کے یہاں ہم زیادہ آزاد اور زیادہ ذی عزت ہیں۔ پھر ہم ایروان پہونچے جو کسی وقت میں ارمنوں کے قبضہ میں تھا اور اب بھی بہت سے ارمنی یہاں آباد ہیں۔

ایروان کوہ ارارت (جودی) کے سامنے واقع ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ بعد طوفان حضرت نوح کی کشتی اسی پہاڑ پر ٹھہری تھی۔ شہر سے دس فرسخ کے فاصلہ پر یہ پہاڑ بالکل برف سے ڈھکا ہوا نظر آتا ہے۔ جب آفتاب کی کرنیں اس پر پڑتی ہیں تو نہایت دلکش نظارہ ہوتا ہے۔ اس پہاڑ کے دامن میں بہت سے چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں اور تمام سال زمین خوشبودار پھولوں کے درختوں سے ڈھکی رہتی ہے۔ قصبہ کے چاروں طرف مٹی کی فصیل ہے جس کو بمقابلہ پتھر کی فصیل کے توپ سے کم نقصان پہونچتا ہے۔ کیونکہ توپ کی ضرب سے پتھر تو چٹخ جاتا ہے اور مٹی کی دیواروں میں یہ ناممکن ہے۔ یہ ملک زرخیز ہے اور پھلوں وغیرہ کی کثرت ہے۔ ہم یہاں دس روز تک مقیم رہے۔

باب ششم

جب ہم ایروان سے چلے تو ارمنوں نے جو ہمارے ساتھ تھے وہاں کے گورنر یعنی خان سے اطلاع کی کہ شاہ چارلس دوم بادشاہ انگلستان کا سفیر شاہ ایران کی خدمت میں جارہا ہے۔ جب خان نے یہ سنا تو فوراً اُس نے سفیر کو سلام کہلا بھیجا اور شہر میں آنے کے لئے مدعو کیا۔ دوسرے روز اُس قاعدہ اور دستور کے موافق جو اُن سفیروں کے لئے مقرر ہے جو شاہ ایران کی خدمت میں حاضر ہوں گورنر نے نہایت شان و شوکت کے ساتھ استقبال کرکے دھوم دھام سے ضیافت کی۔ اور سفیر کو چار عمدہ گھوڑے اور چند ریشمی تھان نذر کئے۔

بعدہ گورنر نے اس مضمون کے احکامات جاری کیے کہ ہماری ضروریات ہر روز نہایت توجہ کے ساتھ مہیا کی جایا کریں۔ ہمارے اور ہمارے جانوروں کے لئے با فراط رسد بہم پہنچائی گئی۔ یہاں ہم نے دس روز تک قیام کیا اور متعدد مرتبہ ملاقاتیں ہوئیں۔ تمام وقت آسایش و آرام کے ساتھ بسر ہوا۔ اس بات سے ہم اور بھی خوش تھے کہ اب ہم کو اُن لوگوں سے سابقہ ہے جو گذشتہ ملک کے آدمیوں سے زیادہ خلیق اور ملنسار ہیں۔ جب ہم روانہ ہونے کو تھے تو گورنر نے ایک سوار اور چند مسلح پیدل ہمارے ساتھ رہنے کو روانہ کئے کیونکہ یہاں کا دستور سفرا کے ساتھ یہی ہے۔ یہ آدمی ساتھ رہتے ہیں اور جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اُس کو قریب کے دیہات سے مہیا کرتے ہیں۔ اس طرح ہماری ان تکالیف کا خاتمہ ہوا جو اس سے پہلے ملک میں ہوئیں تھیں۔

باب ہفتم

شہر تبریز میں پہنچنا

پانچ روز کے بعد ہم معہ اپنے ہمراہیوں کے شہر تبریز میں پہونچے۔

یہ شہر وہی ہے جسے زمانہ قدیم میں اکباٹانہ کہتے تھے اور جس کو ارکشاد بادشاہ میڈس نے آباد کیا تھا۔ جیسا کہ بائبل میں کتاب یہودا[۵] باب اول سے ظاہر ہوگا۔

فی الحال اس میں بہت سی قومیں آباد ہیں۔ ارمنی سوداگر بھی بکثرت ہیں۔ قالین۔ ریشمی کپڑے۔ مخمل۔ زربفت عمدہ بنتے ہیں۔

اگرچہ اس وقت شہر کا گورنر موجود نہ تھا اور کسی دوسری جگہ گیا ہوا تھا۔ تاہم مرے آقا

---

[۵] موجودہ بائبل میں نہ کتاب یہودا ہے اور نہ یہ مضمون کسی اور جگہ ملا۔ ممکن ہے کہ رومن کیتھولک عیسائیوں کی انجیل یا بائبل میں ہو۔ ۱۲

کا استقبال اسی طرح کیا گیا جیسا کہ ایک سفیر کا ہونا چاہیے۔ یہاں ہم تیس روز تک مقیم رہے اور شاہ ایران کے دربار میں پہننے کے لئے نئے لباس تیار کرائے۔ شاہ آجکل قزوین مقیم تھے۔ ہم اسلئے بھی نیا لباس بنوانے پر مجبور ہوئے کہ جو کپڑے ہمارے پاس تھے وہ ترکی وضع کے تھے۔

شہر کے باہر ایک میدان میں مینے دو ستون بنے ہوئے دیکھے۔ مشہور ہے کہ سلطان مراد جب تبریز لینے کے وقت یہاں آیا تھا تو اس نے ایک لکڑی پھینکی تھی۔ فاصلہ کے شروع اور آخر پر یہ ستون بنا دیے گئے ہیں۔ لیکن یہ قطعی ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ انسان اس قدر فاصلہ پر لکڑی پھینک سکے۔

یہ بڑا شہر ہے جو باغات سے گھرا ہوا ہے جن میں بکثرت میوہ جات کے درخت ہیں چونکہ یہاں شہتوت بہت ہیں اسی وجہ سے ریشم بھی بہت ہوتا ہے جس سے یہاں قسم قسم کے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں۔

تیس روز کے بعد ہم اسی اعزاز و احترام کے ساتھ روانہ ہوئے جیسے کہ پہلے ہوئے تھے مناسب فاصلہ طے کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ یہاں پانی اور درختوں کی اسقدر افراط نہیں جیسی سرزمین ترکی میں تھی۔ جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہاں پانی زیادہ فاصلہ سے چھوٹی چھوٹی نہریں بطور سرنگوں کے کھود کر لایا جاتا ہے۔

میدانوں میں ایک قسم کی خشک گھاس دیکھی جس کو کھا کر بھیڑیاں خوب تیار ہو جاتی ہیں ان بھیڑیوں کے بہت لمبی اور چوڑی دم ہوتی ہے جس سے بہت چربی نکلتی ہے۔ اور ان کی اون بھی اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔ ان کی کھال ایسی نرم ہوتی ہے کہ اس سے پوستین اور ٹوپیاں بنائی جاتی ہیں۔ ایک یہ بات دیکھنے میں آئی کہ ایران میں جلانے کی لکڑی نہیں اور بجائے اس کے گائے کا گوبر اور اونٹ و بھیڑ بکریوں کی مینگنیاں جلائی جاتی ہیں۔

باب ہشتم

شہر قزوین و داخلہ دربار شاہی

تیرہ روز کے بعد ہم شہر قزوین میں پہونچے جہاں شاہ عباس[۵] فرمانروائے مملکت ایران مقیم تھے۔ ہم ایک مکان میں ٹھرائے گئے جو خاص اسی لئے آراستہ کیا گیا تھا۔ تیسرے روز ایک فوجی کپتان معہ چند سواروں کے وزیر سلطنت کی طرف سے سفیر کی ملاقات کے لئے آیا۔ اس نے اول وزیر کا سلام کہہ کر ہمارا خیر مقدم کیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔

آخر سفیر نے عظمت الدولہ وزیر اعظم سے ملاقات کی جس نے خوش آمدید کہکر خوش خلقی اور خندہ پیشانی کے ساتھ جو ایرانیوں کا حصہ ہے گفتگو کی۔

تمام باتیں ترکی زبان میں ہوئیں۔ اوّل وزیر نے باتوں باتوں میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ سفیر بادشاہ کے واسطے کیا تحایف لایا ہے۔ دوسرے یہ معلوم کرنا چاہا کہ سفیر کا شاہ انگلستان کے یہاں کیا درجہ ہے تاکہ اس کے موافق برتاؤ کیا جائے۔ وزیر کو ارمنو کی زبانی چونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ سفیر کا تعلق ایک اعلیٰ خاندان سے ہے۔ لہٰذا وزیر نے اس امر کی تصدیق کے لئے سمرنا سے خبر منگانے کا انتظام کیا تھا۔

آٹھ روز کے بعد ہم دربار شاہی میں حاضر ہونے کی غرض سے شاہی محل کیطرف روانہ کئے گئے۔ متعدد دروازوں سے گذر کر ہم ایک احاطہ میں پہونچے جس کے درمیان میں دو سایہ دار درخت کھڑے ہوئے تھے۔ ان درختوں کے نیچے دو شیر سونے کی بھاری زنجیروں سے بندھے تھے اور ہر ایک شیر کے سامنے طلائی ظرف پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ نیز ہر ایک درخت کے نیچے ایک ایک شخص زرق برق لباس پہنے ہوئے اور

---

[۵] شاہ عباس سنہ ۱۶۴۲ء میں تخت نشین ہوا اور سنہ ۱۶۶۷ء میں وفات پائی۔ ۱۲۔

ایک سُنہری برچھی لئے شاہی کرسی کی طرف مُنہ کئے کھڑا تھا۔ ان دونوں کی مونچھیں اسقدر لمبی تھیں کہ کاندھوں تک لٹکتی تھیں۔ ہم پھر ایک بڑے کمرے میں آئے جس میں بیس گلٹ کے ستون تھے جو پینے کی گل کاری سے آراستہ تھے یہاں ہم بادشاہ کے برآمد ہونے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ ایک گھنٹہ بعد نہایت تزک واحتشام کے ساتھ شاہ برآمد ہوا۔ حاضرین سروقد کھڑے ہوگئے۔ اور دونوں ہاتھ سینوں پر رکھ کر سر خم کر کے آداب شاہی بجالائے۔ یہ دیکھ کر کہ دربار کا یہی قاعدہ ہے سفیر بھی اسی طرح آداب بجالایا اور شاہ کے نزدیک جاکر نہایت ادب سے شاہ انگلستان کا خط پیش کیا جس کو خود شاہ نے لے کر وزیر اعظم کے حوالہ کیا جو شاہ کے برابر کھڑا تھا۔

جب بادشاہ اپنی جگہ بیٹھ گئے تو قاشق آقاسی باشی نے سفیر کو داہنی طرف پانچویں نمبر پر بٹھا دیا۔ اس کے بعد سفیر نے تلوار معہ زرہ بکتر جو پیرس کی کاریگری کے نمونے تھے پیش کی۔ شاہ نے ان سب کو شرف قبولیت بخشا اور سفیر کو نظر عنایت سے دیکھکر فرمایا کہ میں یہاں تمہارے آنے سے بہت خوش ہوا۔ تمام گفتگو ایک ارمنی مترجم کے ذریعہ سے ہوئی جو ہمارے ساتھ تھا۔ شاہ انگلستان کی خیریت دریافت کرنے کے بعد شاہ نے بہت سے سوالات کئے اور دریافت کیا کہ بادشاہ انگلستان کے کتنے بھائی ہیں؟ اور اُن کی شادی ہوگئی یا نہیں؟ بادشاہ کی کیا عمر ہے؟ رعایا میں ہر دلعزیز ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام سوالات کے سفیر نے مناسب وقت جواب دیئے۔ ایک گھنٹہ گذرنے کے بعد شاہ اٹھا اور سفیر سے فرمایا کہ "اب آپ آرام کریں تا کہ تکان راہ دور ہو"۔

شاہ انگلستان کی طرف سے سفیر جو خط لایا تھا وہ اصفہان پادری فری رفیل (Pere Raphael.) کے پاس ترجمہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا گیا۔

فری رفیل بہ حیثیت ایک پادری کے اصفہان میں رہتا تھا اور ترکی۔ فارسی وغیرہ زبانوں سے بخوبی واقف تھا۔ بادشاہ اور تمام درباری اُسکی بہت عزت کرتے تھے۔

جب خط مذکور کا ترجمہ ہو کر آ گیا تو شاہ ایران نے سفیر کو اپنے ساتھ کھانا کھانے کو مدعو کیا۔ یہ دعوت اُسی بڑے کمرہ میں ہوئی جہاں ملاقات ہوئی تھی۔ یہ کمرہ بیش قیمت قالینوں۔ زربفت کے گدوں اور تکیوں سے آراستہ تھا۔ دس آدمیوں کے درمیان میں شاہ تشریف رکھتے تھے۔ شاہ کے داہنی طرف عظمت الدولہ وزیر اور چار اور اعلےٰ افسر تھے۔ پانچویں درجہ پر سفیر کی جگہ تھی۔ بائیں طرف پانچ فوجی اعلیٰ عہدہ دار تھے۔ انکی ترتیب حسب ذیل تھی۔

سب سے پہلے عظمت الدولہ وزیر اعظم۔ دوسرے سپہ سالار۔ تیسرے قورچی باشی یعنی پیدل فوج کا افسر۔ چوتھے۔ تولرا فارسی یعنی کل غلاموں کا افسر اعلیٰ۔ پانچویں ناظر یعنی شاہ کے خانگی معاملات کا نگران۔ چھٹے دیوان بیگی یعنی اعلیٰ جج (چیف جسٹس) ساتویں توپچی باشی یعنی افسر توپخانہ۔ آٹھویں قاشق آقاشی باشی یعنی شاہی پہرہ داروں کا افسر۔ نویں صدر یعنی جج۔ دسویں واقعہ نویس۔

بادشاہ کی جگہ ایک فٹ اونچی تھی۔ اس کے نیچے ہر طرف تیس تیس آدمی اور بیٹھے ہوئے تھے جو ممتاز اور معزز عہدہ دار تھے۔

بادشاہ کے سامنے بارہ بڑی بڑی طلائی قابیں رکھی گئیں جن میں مختلف اقسام کا پلاؤ تھا۔ چار رکابیوں میں کباب اور چھ چینی کی رکابیوں میں مختلف قسم کا گوشت تھا۔ چند چھوٹے چھوٹے بکس رکھے ہوئے تھے جن کے ڈھکنوں پر بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ جو دس اشخاص بادشاہ کے ادہر اُدہر تھے اُن کے سامنے اُس کھانے میں سے نصف رکھا گیا جو بادشاہ کے آگے رکھا گیا تھا۔ اور اُن ساٹھ آدمیوں کے سامنے جو شاہی جگہ سے نیچے بیٹھے ہوئے تھے ہر ایک کے آگے چار چار پلاؤ کی رکابیاں رکھی گئیں۔ اس دعوت میں شراب بالکل نہ تھی۔ جب پہلا دور ختم ہو چکا تو مختلف قسم کی مٹھائیاں اور میوہ جات لائے گئے۔

ناظرین شاید یہ نہ سمجھ سکیں کہ پلاؤ کسے کہتے ہیں۔ لہذا اس کی تشریح یہاں بے موقع نہ ہوگی۔

پکے ہوئے چاولوں کا نام پلاؤ ہے جو لونگ۔ دارچینی۔ الائچی۔ زعفران۔ ادرک کشمش۔ بادام اور دیگر مصالحہ جات ڈال کر پکائے جاتے ہیں۔ اور پھر اُن میں دُنبہ یا پرند کا گوشت اور روغن ملایا جاتا ہے۔ ایرانی مختلف قسم اور ذائقہ کا پلاؤ تیار کرتے ہیں۔

کھانا ختم ہونے کے بعد شاہ نے سفیر سے ارشاد فرمایا کہ اُس کو اب اصفہان جانا چاہیئے اور کچھ دنوں بعد ما بدولت بھی وہاں پہونچیں گے۔

شاہ کو چونکہ اُس تحریر کے جواب کا انتظار تھا جو سمرنا اس امر کے تحقیق کرنے کے واسطے روانہ کی گئی تھی کہ شاہ چارلس دوم نے درحقیقت کوئی سفیر دربار ایران میں روانہ کیا ہے یا نہیں اور سفیر کا رتبہ اور شخصیت کیا ہے۔ اسلئے صرف وقت گذاری کے لئے ہمکو اصفہان جانیکا حکم دیا گیا۔ حالانکہ چھ ماہ بعد تحریر مذکور کا جواب آیا جیسا کہ میں آیندہ بیان کرونگا۔

اس اثنا میں ہم پچاس روز تک قزوین میں مقیم رہے اور ہر روز ہمارے اور ہمارے جانوروں کے لئے ہر قسم کا سامان خوراک بکثرت معہ شراب کے آتا تھا۔

شہر قزوین پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے۔ باغات بھی بہت ہیں۔ پانی اور میووں کی کثرت ہے اور واقعی ایسی جگہ ہے جہاں شاہ بطور تفریح کے قیام کریں۔ علاوہ عمدہ جگہ ہونے کے یہاں شکار بھی بہت ہے۔

باب ۹

قزوین سے روانگی اور اصفہان پہنچنا

ہم قزوین سے اصفہان جانے کے لئے روانہ ہوئے۔ مگر نہ تو چلتے وقت اور نہ مابین سفر ہم کو سامان خوراک اور رسد بہم پہونچائی گئی جو ہمارے واسطے آیا کرتی تھی۔ اور نہ ہمنے بطور خود کچھ انتظام کیا تھا۔ بہرحال بارہ روز میں ہم اصفہان پہونچے۔ اور ایک بڑے مکان میں مقیم ہوئے جس میں باغیچہ بھی تھا اور ایک جنرل کی ملکیت تھا۔ یہاں اپنے کھانے کا خرچ ہم اپنے پاس سے کرتے تھے۔

تین ماہ بعد جب فصل سرما گذر گئی شاہ وارد اصفہان ہوئے اور ہمکو جنرل کا یہ مکان چھوڑنا پڑا۔ جس کے بدلے میں دوسرا مکان دیا گیا۔ چند روز کے بعد سفیر نے عظمت الدولہ کے پاس پیام بھیجا اور ملنے کی درخواست کی مگر جواب میں وزیر نے کہا کہ چونکہ شاہ کو آئے ہوئے تھوڑا عرصہ گذرا ہے اسلئے بوجہ کثرت کار ایک دم کی بھی مہلت نہیں۔ آپ تھوڑے دنوں صبر فرمائیں جب موقع ملاقات ہوگا میں خود آپ کو اطلاع دونگا۔

ٹالنے کی صرف یہی وجہ تھی کہ ہمرناسے جواب کا انتظار تھا۔ آخر کار وزیر کو تحقیق ہو گیا کہ بیشک لارڈ بیل مونٹ بطور سفیر روانہ کیا گیا ہے اور وہ وہی رتبہ اور شخصیت رکھتا ہے جس کا وہ مدعی ہے۔ شاہ کے اصفہان پہونچنے کے تین ماہ بعد عظمت الدولہ نے سفیر کو ملاقات کے لئے طلب کیا اور بہت دیر تک گفتگو رہی۔

میں اوّل سے آخر تک سفیر کے بالکل قریب موجود رہا۔ کیونکہ سفیر مجھے مثل اپنے لڑکے کے ہر وقت ساتھ رکھتا تھا۔ اس لئے مجھے تمام باتیں سننے کا موقع ملا۔

سفیر نے وہ تمام حال بیان کیا کہ کس طرح رعایا نے شاہ چارلس اوّل کو بیدردی کے

ساتھ قتل کر دیا اور ایک کم حیثیت آدمی کو بادشاہ بنا کر چارلس دوم اور اس کے بھائی جیمس کو سلطنت سے بدر کر دیا۔ سفیر اس لئے حاضر ہوا ہے کہ اس دوستی پر خیال کر کے جو شاہ انگلستان اور سلطنت ایران کے درمیان میں ہے شہنشاہ ایران اس وقت ہماری مدد کرے۔

وزیر نے دریافت کیا کہ ہمارا شاہ کس صورت میں مدد دے سکتا ہے؟ اس پر سفیر نے جواب دیا کہ آپ وہ الفاظ یاد فرمائیں جو عرصہ ہوا کہ خود شہنشاہ ایران نے اپنی زبان مبارک سے ارشاد فرمائے تھے اور وہ یہ تھے کہ "جب کبھی ضرورت ہوگی تو شہنشاہ ایران شاہ انگلستان کی امداد فرمائیں گے"

بادشاہ انگلستان نے قلعہ ہرمز پرتگیزوں سے چھین کر شاہ ایران کو واپس کر دیا اس مہم کا خرچہ سلطنت ایران کو ادا کرنا چاہیے۔ اور یہ ابتک سلطنت کے ذمہ ہے۔ آپ شاہ چارلس دویم کی اس موقع پر اس طرح امداد فرما سکتے ہیں کہ جو انگریز اس فتنہ وفساد میں شریک ہیں اور ایران میں تجارت کرتے ہیں اون کو یہاں سے نکالدیا جائے ایسا کرنے سے شاہ ایران کی نیک دلی کی تمام دنیا میں شہرت ہو جائیگی۔

یہ تمام باتیں عظمت الدولہ نے خاموشی و سکون کیساتھ سنیں اور مسکرا کر جواب دیا کہ میں یہ کل حال بادشاہ کی حضور میں عرض کرونگا اور اس کے بعد مفصل جواب عرض کیا جائے گا۔ اس طرح اس ملاقات کا خاتمہ ہوا۔

باب ۱۰

تیسری مرتبہ دربار شاہی میں حاضری

وزیر اعظم کی ملاقات کے آٹھہ روز بعد سفیر بڑی شاہی دعوت میں مدعو کیا گیا

جو اُس محل میں ہونے والی تھی جس کی تعمیر جلد ختم ہوئی تھی۔ اس محل کے دروازہ پر دو توپ رکھی ہوئی تھی جو ہرمز کی لڑائی میں دشمن سے چھینی گئی تھی۔

اس مرتبہ سفیر کی پہلے سے زیادہ عزت کی گئی عظمت الدولہ نے معہ چند امرا کے دروازہ پر استقبال کیا اور بادشاہ کے حضور میں پہونچنے تک ہمراہ رہے۔ بادشاہ نے بھی اپنے مہمان کو دوسرے نمبر پر جگہ دی۔ یعنی عظمت الدولہ کے بعد ہی سفیر کی جگہ تھی اور اُسکے بعد تین اور امرا تھے۔ بائیں طرف پانچ بڑے بڑے سپہ سالار بیٹھے تھے۔

یہ محل قزوین کے محل سے زیادہ کشادہ اور خوشنما تھا۔ اور موقع بموقع سردار اور افسر کھڑے ہوئے تھے۔

اس موقع پر کچھ زیادہ گفتگو نہیں ہوئی۔ صرف شاہ نے سفیر سے یہ دریافت کیا کہ ایران کی آب وہوا اُس کے مزاج کے موافق ہے یا نہیں؟ جس کا سفیر نے یہ جواب دیا کہ ایران میں چونکہ برف باری بہت ہوتی ہے اس لئے یہ ملک بالکل انگلستان کے مشابہ ہے میں سفیر کے پیچھے کھڑا ہوا تھا۔ شاہ نے سفیر سے میری نسبت دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ سفیر نے عرض کیا کہ "اسے میں اپنا لڑکا سمجھتا ہوں" شاہ نے بہ نظر عنایت فرمایا کہ "اسکو اگر تم ہمارے پاس چھوڑ دو تو اسپر خاص نوازش شاہانہ کیجائیگی۔ علاوہ اس کے آپ کی ایک یادگار ہمارے دربار میں قائم رہے گی" سفیر نے عرض کیا کہ "اگر یہ میرا اصلی لڑکا ہوتا تو مجھے تعمیل ارشاد میں کچھ عذر نہ تھا مگر اس کے والدین نے چونکہ میری سپردگی میں دیا ہے اس لئے بندگان عالی کا حکم نہیں بجا لا سکتا"

یہ گفتگو ہوتی رہی یہانتک کہ ایک گھنٹہ بعد دسترخوان چُنا گیا جو قزوین سے زیادہ آراستہ تھا۔ بادشاہ کے بیٹھنے کی جگہ بھی زیادہ کشادہ تھی۔ قالین بھی وہاں سے زیادہ قیمتی اور خوبصورت تھے۔ تمام رکابیاں اور سرپوش طلائی تھے جن کے دستوں پر جواہرات نصب تھے۔

نیچے کی جگہ پر پچاس امراء اور دوسا اور چند فضلا بیٹھے ہوئے تھے۔ شاہ نے مجھے جائے مقررہ پر بیٹھنے کا حکم دیا۔ جس کی مینے تعمیل کی۔ ہر شخص کے سامنے چار چار رکابیاں پلاؤ کی تھیں اور بھنے ہوئے گوشت و کباب اور چٹنیاں اس کے علاوہ تھیں۔ مینے دیکھا کہ تمام حاضرین دسترخوان نہایت تنومند اور قد آور تھے جن کی بڑی بڑی مونچھیں تھیں۔ بعضوں کی مونچھیں تو اس قدر بڑی تھیں کہ کانوں سے بندھی ہوئی تھیں۔ سب کے سب مکلف لباس پہنے اور عمامے باندھے ہوئے تھے اور اکثر پُرخور تھے۔ کھانا جب ختم ہو چکا تو میوہ جات دسترخوان پر چُن دیے گئے۔ جو اصفہان میں بکثرت ہوتے ہیں۔ دو گھنٹہ تک میوہ خوری کا شغل رہا اس کے بعد شاہ اُٹھ کر حرم سرا میں تشریف لے گئے عظمت الدولہ نے سفیر کا ہاتھ تمام کر احترام کے ساتھ لب فرش تک پہونچایا اور کہا کہ "میں آپ کی ہر خدمت کے لئے موجود ہوں" اور اُس سے خوش خلقی کیساتھ بہت باتیں کیں جیسا کہ اس رتبہ کے لوگوں کا قاعدہ ہے۔

باب ۱۱

اس دعوت کے چند روز بعد عظمت الدولہ نے سفیر کے واسطے پچاس تھان نقرئی و طلائی زربفت و کمخواب اور مختلف ریشمی کپڑوں کے اور چار جوڑے قالین کے مع بیس ہزار ٹاکہ (چالیس ہزار روپیہ) کے بھیجے۔ یہ تحائف عین وقت پر پہونچے کیونکہ سفیر یہاں چند ارمنی سوداگروں کا مقروض ہو گیا تھا۔ سب سے پہلے اس رقم سے قرضہ ادا کیا گیا۔

چند روز کے بعد سفیر عظمت الدولہ کے مکان پر ملاقات کے لئے گیا اور بہت دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔

سفیر نے وزیر سے عرض کیا کہ وہ اب جلد روانہ ہونا چاہتا ہے لہٰذا اُس کو مناسب

جواب دیا جائے عظمت الدولہ نے اگرچہ نہایت دوستانہ گفتگو کی لیکن یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ معاملہ متعلقہ کی نسبت ابھی جواب دینا نہیں چاہتا۔ اُس نے مختلف سوالات کرکے بات ٹالنی چاہی اور دریافت کیا کہ "کیا انگلستان بڑی سلطنت ہے؟" ملک مذکور سے کسقدر سپاہی مہیا ہو سکتے ہیں؟ انگلستان جانے کے لئے کوئی خشکی کا بھی راستہ ہے؟

وزیر نے اس بات پر اظہار تعجب کیا کہ باوجودیکہ یورپ کے تمام بادشاہ عیسائی ہیں لیکن شاہ انگلستان کی مدد نہیں کرتے۔

سفیر نے تمام سوالوں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ اگر شاہ ایران اس وقت وہ رقم عطا فرما دیں جو اُن کے ذمہ ہے تو شاہ انگلستان بلا امداد کسی دوسری سلطنت کے اپنے دشمنوں کو گرفتار کرکے اپنے ملک پر قبضہ کرسکتا ہے عظمت الدولہ نے یہ باتیں سُنکر سفیر کو بہت سے دوستانہ وعدوں کے ساتھ رخصت کر دیا۔

جبکہ ہم اصفہان میں تھے تو شاہ ایران نے اپنی فوجی طاقت معلوم کرنے کے لئے تمام لشکر کا معائنہ کرنا چاہا اور سفیر کو بھی مدعو کیا۔ ہم ایک بڑے مربع کمرہ میں گئے جس میں چالیس ستون تھے۔ اُسمیں بادشاہ صرف اُسی وقت تشریف لاتے ہیں جب کبھی وہ فوج کا معائنہ کرتے ہیں۔ یہ تقریب سال میں دو مرتبہ ہوتی ہے اور ہر مرتبہ تین روز تک رہتی ہے۔

ہم صرف ایک دن اس تقریب میں شریک ہوئے۔ ہمنے دیکھا کہ سواروں کے رسالے ایک طرف سے آکر دوسری طرف کو چلے جاتے تھے۔ چالیس ہزار سپاہیوں میں اکثر زرہ بکتر و جوشن وغیرہ پہنے ہوئے تھے۔ کچھ برچھوں۔ تیر و کمان اور توڑے دار بندوقوں سے مسلح تھے۔ سب کے سب عمدہ اور تیز رفتار گھوڑوں پر سوار تھے اور اُن کے ہاتھوں میں جھنڈیاں تھیں جن پر سلطنت کا تمغہ بنا ہوا تھا۔

سب سے آخر میں دو ایرانی ایک اونٹ پر بندھے ہوئے لائے گئے جن کی اتڑیاں

باہر نکلی ہوئیں تھیں۔ اُنہوں نے شراب پی کر جھگڑا کیا تھا۔ یہ اسی طرح تمام شہر میں تشہیر کرائے گئے یہانتک کہ دونوں کی جان نکل گئی۔

باب ۱۲

اگرچہ سفیر کو جواب ملنے سے مایوسی تھی تاہم وہ بار بار وزیر کو یاددہانی کرتا رہا۔ اور آخر عظمت الدولہ کو لکھا کہ اصفہان میں آئے ہوئے مجھے ایک برس ہوگیا۔ اور جس غرض سے یہ دور و دراز سفر کیا گیا ہے وہ معاملہ ابھی تک کچھ طے نہیں ہوا۔ وزیر برابر ٹالتا رہا۔ آخرکار سفیر کے آئے دن کے تقاضوں سے عقب گذاری کرنے کے لئے اُس نے سفیر کو اپنے مکان پر طلب کیا۔

جب ہم وزیر کے مکان پر پہونچے تو وہ حسب معمول نہایت خلق کے ساتھ پیش آیا۔ عظمت الدولہ نے ایک طولانی تقریر کے ذریعہ سے اس امر کا اظہار کیا کہ شہنشاہ ایران ہمیشہ سے سلطنت انگلستان کا خاص دوست ہے۔ بادشاہ حال سے اُسے ایسی ہی محبت ہے جیسی کہ پہلے شاہان انگلستان سے تھی۔ اور اس ضرورت کے وقت شاہ ایران ہر امکانی امداد دینے کے خواہشمند تھے۔ اور جواب دینے میں جو دیر ہوئی اوس کی وجہ صرف یہی تھی کہ وہ اس امر پر غور کر رہے تھے کہ کس طریقہ سے مدد دیجائے۔ مگر امداد دینے کا کوئی طریقہ ہنوز ذہن میں نہیں آیا۔ کیونکہ ایرانی فوجیں خشکی کی راہ سے اسقدر دور و دراز فاصلہ پر کسی طرح نہیں جاسکتیں۔ اگر ایسا کیا جائے تو فوج کو کئی سلطنتوں میں سے گذرنا ہوگا اور قطعی ناممکن ہے کہ مسلح فوج آسانی سے وہاں تک پہونچ سکے۔ دوسرا طریقہ بحری راستہ سے فوج روانہ کرنیکا ہے وہ اس لئے اختیار نہیں کیا جاسکتا کہ سلطنت ایران کے پاس جہاز نہیں ہیں۔ اور اگر نئے جہازات اب تیار کئے جائیں تو اُن کے لئے سامان موجود نہیں۔ جواب دیر میں ملنے کا ایک یہ سبب بھی ہے کہ ہمنے یورپ کی دیگر اقوام مثل ڈچ۔ پرتگال۔

انگریزوں سے دریافت کیا تھا کہ اگر وہ کچھ جہاز بہم پہونچا سکیں تو اون کو خرید لیا جائے اور اُن کے ذریعہ سے لشکر روانہ کیا جائے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس طرح بھی ہم کو جہاز نہ مل سکے۔

اگرچہ سفیر کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب بہانہ بازی ہے مگر اس لچھے دار گفتگو سے اُس نے کچھ ملال نہ کیا۔ اور وزیر کی طولانی تقریر ختم ہونے کے بعد سفیر نے اوّل شاہ ایران اور عظمت الدولہ کا گرم جوشی سے شکریہ ادا کیا کہ اونہوں نے شاہ انگلستان کو امداد دینے کے مسئلہ پر غور و خوض فرمایا۔ اس کے بعد سفیر نے کہا کہ میں امداد دینے کا ایسا سہل طریقہ عرض کر سکتا ہوں جس سے نہ تو شہنشاہ ایران کو دقت ہوگی اور نہ ایرانی سپاہیوں کو تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ اور وہ یہ ہے کہ اس وقت شہنشاہ ایران وہ رقم ادا فرما دیں جو شاہ انگلستان کی اُن کے ذمہ ہے۔ میں اس لئے حاضر نہیں ہوا کہ یہاں سے فوجیں یا رسالے یا جہاز لیجاؤں بلکہ اپنے قرضہ کی رقم طلب کرنے کی غرض سے حاضر دربار ہوا ہوں۔ اگر آپ مجھے معاف فرمائیں تو دو کلمے آزادی سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

عظمت الدولہ نے اجازت دی اور کہا کہ آپ بلا تکلف جو چاہیں فرمائیں۔ اسپر سفیر نے کہا کہ جناب کی گفتگو سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہنشاہ ایران رقم قرضہ ادا فرمانا نہیں چاہتے۔ یہ سُنکر وزیر نے مسکرا کر جواب دیا کہ ہمارا بادشاہ رقم مذکور ادا کرنے پر آمادہ ہے مگر قابل غور یہ بات ہے کہ اس رقم کثیر کی باربرداری کے لئے کتنے جانور درکار ہوں گے۔ اور جب یہ دوسری سلطنتوں میں سے گذریں گے تو یقیناً یہ کل خزانہ لوٹ لیا جائیگا اور اگر سمندر کے راستہ سے بھیجا جائے تو بھی خطروں سے خالی نہیں۔ اور اُن خطروں سے تمام دنیا واقف ہے۔ ایسی صورت میں کل رقم ضائع ہونے کا احتمال ہے۔

اس کے جواب میں سفیر نے کہا کہ یہ رقم مجھے دیدی جائے اور میں اُس کی حفاظت وغیرہ کا ذمہ دار ہوں۔ اگر راستہ میں کوئی دوسری صورت پیش آئی تو بھی شاہ انگلستان آپ سے

دوبارہ یہ رقم طلب نہ کریگا - اس کا اطمینان آپ اُن احکامات کے ملاحظہ سے کر سکتے ہیں جو میرے نام آئے ہیں - اور اُن خطوط سے جو میں نے شاہ ایران کے حضور میں پیش کئے ہیں جناب کی کافی دلجمعی ہو سکتی ہے - سفیر نے ایک خاص جوش کے ساتھ یہ تقریر کی اور اُسے معلوم ہو گیا کہ سوائے زبانی جمع خرچ کے روپیہ ادا کرنیکا منشا نہیں ہے -

وزیر نے گردن جھکا کر عنایت آمیز لہجہ میں کہا کہ ضرورت کے وقت نتیجہ پر نظر نہیں ہوا کرتی -

پھر وزیر نے کہا کہ سلطنت ایران سے انگریزی تاجر بھی بدر نہیں کئے جا سکتے - کیونکہ شاہ ایران نے ادن کو بخوشی داخل ہونے کی اجازت دی ہے - سرزمین ایران میں ہر شخص کو داخل ہونے کی اجازت ہے اور اس وقت تک بدر نہیں کیا جا سکتا تاوقتیکہ وہ کسی جرم کا مجرم نہ قرار پائے - اگر آپ اپنی قوت سے اُن کو یہاں سے نکالیں تو سلطنت کسی کی طرفداری نہ کرے گی -

آخر کار سفیر نے تنگ آکر پرجوش لہجہ میں کہا کہ اُسے ایسے عالیجاہ بادشاہ کیطرف سے ہرگز ایسے جواب کی امید نہ تھی، خصوصاً جبکہ شاہ انگلستان نے کافی رقم خرچ کر کے ایک اہم موقع پر سلطنت ایران کی مدد بھی کی ہو - عظمت الدولہ کے عنایت آمیز لہجہ میں کچھ بھی فرق نہ آیا اور اُس نے یہ کہہ کر سفیر کو تسکین دینی چاہی کہ یہ خدائی اور غیر اختیاری معاملات ہیں - ہم کو خدا سے دعا کرنی چاہئے کہ وہ بادشاہ کے دل کو ہماری طرف مائل کردے - عظمت الدولہ نے خلق و مہربانی کے ساتھ نہایت نرم الفاظ میں گفتگو کی اور آخر میں اُس نے سفیر سے کہا کہ "اگر خرچ وغیرہ کی آپ کو تکلیف ہو تو بلا تکلف آپ مطلع فرمائیں تاکہ میں اُسکا انتظام کر دوں"

یہ سُنکر سفیر نے ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہا اور فوراً اُٹھ کر جائے قیام پر واپس آیا - یہاں پہونچکر اُس نے کچھ ریشمی کپڑوں کے تھان اور قالینوں کے فروخت کرنے کا

حکم دیا تاکہ زادِ راہ کے واسطے کام آئیں۔ مذکورہ بالا تمام گفتگو ترکی زبان میں ہوئی جس کو میں بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ اور اوّل سے آخر تک میں بغور سنتا رہا۔

میں عظمت الدولہ کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سفیر کے سخت جواب پر اُس نے کچھ اظہارِ ملال نہ کیا اور نہایت نرمی اور خوبصورتی کے ساتھ ٹال دیا۔

باب ۱۳

سفیر نے جو سختی کے ساتھ گفتگو کی تھی وہی اس کا باعث ہوئی کہ ہمیں جلد روانہ ہونیکی اجازت مل گئی۔

چنانچہ اس گفتگو کے آٹھ روز بعد مثل سابق پھر ہماری دعوت کی گئی۔ کھانا ختم ہونے کے بعد وزیر سفیر کا ہاتھ تھام کر بادشاہ کے سامنے لے گیا۔ اور شاہی کرسی سے تین چار قدم کے فاصلہ پر کھڑا کیا۔ عظمت الدولہ نے اپنی جیب سے زرین کمخواب کا خریطہ نکالا جس کے اندر شاہی خط رکھا ہوا تھا۔ اول خریطہ کو دونوں ہاتھوں سے سر پر رکھا اور سر جھکا کر آداب شاہی بجالایا۔ سفیر سے کہا کہ شہنشاہ ایران کا یہ خط شاہ انگلستان کے نام ہے۔ سفیر کو یہ بھی ہدایت کی گئی کہ وہ بھی اسی طرح آداب شاہی بجالائے جس طرح ابھی وزیر نے یہ رسم ادا کی۔ اس مختصر گفتگو کے اختتام تک خریطہ کا نصف حصہ وزیر کے اور نصف حصہ سفیر کے ہاتھ میں رہا۔ جب گفتگو ختم ہو گئی تو سفیر فوراً خریطہ لیکر بغیر آداب شاہی بجالائے دربار سے باہر آیا اور خریطہ مترجم کے حوالہ کر دیا۔ اس شخص نے عجلت کے ساتھ اٹھ کر دونوں ہاتھوں سے خریطہ لے لیا۔ کیونکہ اس نے سفیر کی حرکات دیکھکر قیاس کر لیا کہ اگر عجلت کے ساتھ نہ لیا گیا تو ممکن ہے کہ سفیر خریطہ کو اُس کے اوپر پھینک دے اور شاہی خط کی توہین ہو۔ سفیر نے وزیر کی طرف بھی توجہ نہ کی اور نہ اُسے سلام کیا جو دربار میں اپنی جگہ کھڑا تھا بادشاہ نے بھی اپنی نظر پھرا لی گویا اس نے ان تمام باتوں کو دیکھا ہی نہیں۔ تمام

حاضرین دربار سفیر کی جرات و گستاخی پر متعجب معلوم ہوتے تھے۔ میں سفیر کے نزدیک تھا اور اُس کے ساتھ ہی دربار سے باہر آیا۔ لیکن مجھے خوف تھا کہ ایسا نہ ہو کہ بادشاہ سفیر کی گستاخی سے ناراض ہو کر ہم سب کے قتل کا حکم دیدے۔ لیکن خدا کا شکر ہے ایسا نہیں ہوا۔ جائے قیام پر پہونچتے ہی ہم نے سامان سفر درست کرنا شروع کردیا اور نوروز میں کل سامان فراہم کرلیا۔ چونکہ سفیر کے پاس خرچ کے لئے کافی روپیہ نہ تھا لہذا اوس نے اصفہان کے انگریزی کارخانہ کے مہتمم مسٹر نیگ سے مدد کی درخواست کی۔ یہ شخص نہایت شریف تھا۔ زمانہ قیام اصفہان میں اس نے کئی مرتبہ ہماری عزت کی تھی اور جب کبھی سفیر کو ضرورت ہوئی اس نے امداد دینے سے دریغ نہ کیا۔

باب ۱۴

شہر اصفہان اور بعض واقعات

اصفہان بڑا شہر ہے جو ایک چھوٹے سے پہاڑ کے دامن میں واقع ہے۔ شہر میں چار نہریں جاری ہیں جو باغات کی آبپاشی کرتی ہیں۔ یہ نہریں دریائے زندہ رود سے نکلی ہیں جو اصفہان اور زلفہ کے درمیان میں بہتا ہے۔ اس دریا پر چار پل بنے ہوئے ہیں منجملہ ان کے دو پل جو اُس سڑک پر ہیں جو اصفہان سے زلفہ کو جاتی ہے نہایت خوبصورت ہیں۔ شہر کے نزدیک ایک بلند اور چوڑی سڑک ہے۔ جس کے دونوں طرف نہایت خوبی کے ساتھ چنار کے درخت نصب ہیں۔ سڑک کے پاس پاس شاہی باغات واقع ہیں۔ بیچ میں نہر ندکوا جاری ہے۔ مختلف جگہ پانی کے خزانے بنے ہوئے ہیں جو باغوں کی آبپاشی کے لئے اسی نہر سے بھر لئے جاتے ہیں۔ نہر ندکور اسی دریا میں مل جاتی ہے جس سے وہ نکلی ہے۔

یہاں عموماً گھوڑے کی سواری کا رواج ہے۔ ایسی بہت سی جگہیں ہیں جہاں بیٹھ کر ایرانی بلوری قلیا نوشی تمباکو پیتے اور داستانیں سنتے ہیں۔ بلا مبالغہ ایسے موقعوں پر کبھی کبھی پانچ پانچ چھ چھ ہزار کا مجمع ہو جاتا ہے۔

دوسرا پل جو سب سے زیادہ خوبصورت ہے شیرازی پل کہلاتا ہے۔ کیونکہ یہ اس سڑک پر واقع ہے جو صفہان سے شیراز کو جاتی ہے۔ یہ سہ منزلہ پل ہے۔ کبھی کبھی شہنشاہ ایران مع بیگمات بغرض تفریح یہاں تشریف لاتے ہیں اور بلا کسی کی نظر پڑے وہ پانی میں اتر سکتے ہیں۔ یہ پل اس طریق سے بنایا گیا ہے کہ ہر منزل سے دریا کے اس طرف سے دوسری طرف جا سکتے ہیں۔ مصنوعی طور سے پتھر ڈال کر شیب فراز کر دیا گیا ہے۔ جب پانی ان سے ٹکراتا ہے تو خوشنما معلوم ہوتا ہے۔

میں نے دیکھا کہ صرف صفہان ہی میں نہیں بلکہ کل ایران میں تمام مکان مٹی کے ہوتے ہیں اور باہر سے دیکھنے میں کچھ خوشنما معلوم نہیں ہوتے مگر اندر سے مکانات خوبصورت اور سلیقہ سے نہایت آراستہ ہوتے ہیں۔ قریب قریب ہر مکان کے متعلق چھوٹا یا بڑا باغ ہوتا ہے جس میں پھل دار درخت اور خوشبودار پھولوں کے پودے نصب ہوتے ہیں۔ عموماً ناسپاتی۔ سیب۔ شفتالو۔ خوبانی۔ شہتوت شیریں و ترش۔ انگور۔ کشمش کے درخت لگائے جاتے ہیں۔ جو پھول یورپ میں ہوتے ہیں وہ سب یہاں بھی بوئے جاتے ہیں۔ کیونکہ ارمنی ایسے پھولوں کے بونے کے بہت شایق ہیں اور ایرانیوں کو بطور تحفہ نذر کرتے ہیں۔ ایرانی بھی مثل مغلوں کے پھولوں اور خوشبو کے شوقین ہوتے ہیں۔

شاہی محل کے سامنے بڑا میدان ہے جس میں ہمیشہ میوہ فروشوں کی دوکانات رہتی ہیں اور بکثرت خربزے فروخت ہوتے ہیں۔ یہاں بیٹھ کر ایرانی کافی اور حقہ پیتے ہیں اور ہر وقت یہاں آنے جانے والوں کی کثرت رہتی ہے۔ یہاں ناچنے والے پہلوان

اور مختلف کھیل تماشہ والے بھی موجود رہتے ہیں۔ اس چوک کے کنارہ پر ایک مکان ہے جس میں مختلف باجے بجائے جاتے ہیں اور یہیں وہ گھنٹہ رکھا ہے جو قلعہ ہرمز سے ملا تھا۔ اور اس فتح کی یادگار میں جو ایرانیوں کو پرتگیزوں پر ہوئی تھی یہاں رکھا ہوا ہے۔ باغوں کی کثرت کی وجہ سے تمام شہر خوب صاف رہتا ہے۔ کیونکہ سڑکوں اور راستہ سے جو کوڑا جمع ہوتا ہے وہ باغوں میں بطور کھاد کے کام آتا ہے۔ اور اسی غرض کے لئے مکانوں سے تمام غلاظت وغیرہ لیجاتے ہیں۔ اس بہانہ سے شہر میں گندگی کا نام نہیں اور ہوا صاف رہتی ہے۔ شہر میں بکثرت حمام ہیں جہاں غسل کرکے روحانی فائدہ بھی حاصل کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد ہے کہ غسل کرنے کے بعد وہ بالکل گناہوں سے پاک ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں وضو اور غسل ادب سے بجا لایا جاتا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا ہم رومن کیتھولک اقرار گناہ کے ساتھ توبہ کرتے ہیں۔

جب ہم اصفہان میں تھے تو یہ شہرت ہوئی کہ مغل (بادشاہ ہندوستان) قلعہ قندہار پر جو ایران کے قبضہ میں ہے حملہ کرنے والا ہے۔ اور یہاں بھی مقابلہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔ لیکن بعد میں سپاہیوں کی معرفت یہ خبر پہنچی کہ اس سال ایسا نہ ہوگا۔

اسی زمانہ میں ایک افسر اعلیٰ کا لڑکا جس کی عمر بائیس برس کی تھی محل شاہی کی کسی عورت پر عاشق ہوگیا۔ اور چند مرتبہ اُسے تحائف بھیجے۔ جب بادشاہ کو خبر ہوئی تو اُس کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ یہ جوان چونکہ حاضر دربار رہتا تھا اسلئے پہلے سے اس کو اس حکم کا علم ہوگیا وہ نہایت عجلت کے ساتھ اپنے مکان پر آیا اور اپنے ہاتھ سے عضو تناسل قطع کرکے اپنے آپ کو مخنث بنالیا۔ اور قطع شدہ عضو ایک طلائی ظرف میں بند کرکے بادشاہ کی حضور میں روانہ کردیا اور کہلا بھیجا کہ جس کی وجہ سے تابعدار سے قصور سرزد ہوا تھا اوسکو غلام نے خود سزا دیدی۔ شہنشاہ نے اوس کی یہ بہادری ملاحظہ فرماکر اُس کی جان بخشی کرکے بہادر خواجہ سرا کا خطاب عنایت فرمایا۔

شہر میں ایک انگریزوں کا اور دوسرا ڈچوں کا کارخانہ ہے۔ چار گرجے ہیں جن میں سے پرتگیزوں کے گرجہ پر شہنشاہ حال نے اپنے خرچ سے سونا چڑھوا دیا ہے۔ اور کئی مرتبہ شاہ بذات خاص ہمارا طریقہ عبادت ملاحظہ کرنے گرجا میں تشریف لائے۔

شہر میں مساجد بہت ہیں۔ علاوہ مسجدوں کے ایک مقبرہ کی بہت عزت کیجاتی ہے جس میں دو قبریں اور دو گنبد ہیں۔ سال میں صرف ایک خاص زمانہ میں اس کا دروازہ کھولا جاتا ہے۔ اس مقررہ روز پر دور دور از فاصلہ سے آدمی زیارت کے لئے آتے ہیں انہیں ایک قبر حضرت علیؑ[ل] کی اور دوسری اُن کے بیٹوں حسنؑ اور حسینؑ کی بیان کیجاتی ہے بعض بیان کرتے ہیں کہ یہ رسولؐ کے دو اصحابوں کی قبریں ہیں۔

ایک رات جبکہ شاہ عباس آرام کر رہا تھا ہیبت ناک خواب دیکھ کر بیدار ہوا۔ اور کپتان فوج کو بلا کر حکم دیا کہ فوراً جا کر ان مقبروں کا دروازہ کھولے اور جو کچھ وہاں نظر آئے اسی وقت آکر اوس کا مفصل حال بیان کرے۔ حسب الحکم کپتان نے جا کر جب دونوں مقبروں کو کھولا تو دیکھا کہ وہاں دو پادریوں کی لاشیں پڑی ہوئی ہیں جن کے بدن یا کپڑوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ کپتان نے بادشاہ کی حضور میں حاضر ہو کر تمام حال عرض کیا تو اُس نے توجہ کے ساتھ سن کر کہا کہ خدا کے بھید سوائے اُس کے کوئی نہیں جان سکتا۔

اس واقعہ کا راز کبھی ظاہر نہیں ہوا اور مقبرے مثل سابق مقدس مانے جاتے رہے۔

اصفہان سے ایک فرسخ یا کچھ کم و بیش فاصلہ پر ایک آباد جگہ ہے جن کو زلفہ کہتے ہیں۔ یہاں ارمنی سوداگر رہتے ہیں اور یہیں ان کے گرجے ہیں۔ زمانہ قدیم میں یہ لوگ پرانے

[ل] یہ بالکل غلط ہے کیونکہ شیعہ ہونے کی وجہ سے ایرانیوں کا بچہ بچہ واقف ہے کہ حضرت علیؑ کا مقبرہ نجف اشرف میں اور امام حسینؑ کا کربلائے معلےٰ میں اور امام حسنؑ کا مدینہ منورہ میں ہے۔ دوسرے حسنؑ و حسینؑ کی ایک قبر ہونی بھی کسی طرح ممکن نہیں۔ یہ بہت ممکن ہے کہ یہاں دو امام زادے دفن ہوں۔ یا آنحضرتؐ کے اصحابوں میں سے کسی کی یہ قبریں ہوں جیسا کہ مصنف نے خود لکھا ہے۔ ۱۲

زلفہ میں رہتے تھے جو دریائے اراس کے کنارے تبریز سے تین روز کی راہ ہے۔ اور یہیں مینے دوپہر کے وقت سورج گرہن دیکھا تھا اور ایسا اندھیرا ہو گیا تھا کہ مثل رات کے ستارے نظر آتے تھے۔

ان ارمنوں نے شاہ عباس کی اجازت سے اپنے اہل وعیال سمیت دریائے زندہ رود کے کنارے آکر یہ نیا زلفہ آباد کیا۔ اور یہاں یہ لوگ آزادی سے رہتے ہیں۔ باغات اور مکانات کی شکلوں میں یہیں ان کی جائداد ہے۔ پانی اور میوہ جات کی کثرت ہے۔ سڑک کے درمیان میں نہر جاری ہے اور دونوں طرف خوشنما درخت لگے ہوئے ہیں۔

باب ۱۵

سلطنت ایران کا طریقہ حکومت نہایت پسندیدہ ہے۔ نہ وہاں باغی ہیں۔ نہ قزاق اور نہ چور ہیں۔ نہ سڑکوں پر رہزنی ہوتی ہے جیسے اور سلطنتوں میں خصوصاً عملداری ترک میں ہوتی ہے۔ شاہ عباس کو ہر وقت یہ امر ملحوظ رہتا ہے کہ کوئی بے اعتدالی ہونے پائے۔ یہ بادشاہ رعایا میں بھی ہر دلعزیز اور ولی مانا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ حضرت علیؑ داماد رسولؐ کی اولاد میں ہے۔ ایرانیوں کا یہ اعتقاد ہے (اگرچہ ترک اور مغل اسکے خلاف ہیں) کہ بعد آنحضرتؐ کے حضرت علیؑ اون کے خلیفہ اور نبی[1] ہوئے۔

رعایا شاہ عباس سے صرف اسی وجہ سے محبت نہیں کرتی بلکہ اُس کے عادات وخصائل بھی اسی قابل ہیں۔

یہ بادشاہ نہایت قوی۔ تنومند۔ کشادہ بازو۔ فراخ سینہ۔ خوبصورت اور

---

[1] ایرانیوں کا یا دوسرے الفاظ میں شیعوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں کہ وہ حضرت علیؑ کو بعد آنحضرتؐ کے نبی مانیں۔ اگرچہ اون کا یہ عقیدہ ضرور ہے کہ بعد آنحضرتؐ کے حضرت علی افضل الناس اور بلافصل خلیفہ رسول ہیں۔ مصنف نے یہ غلطی کی ہے۔ ۱۲

اعلےٰ درجہ کا شہسوار ہے۔ شراب سے بھی شوق رکھتا ہے۔ اُس نے ایک ظرف کا نام ہزار پیشہ رکھا تھا جس میں تقریبًا ساڑھے[۵] سات پائنٹ شراب آتی تھی۔ جس سے بادشاہ مذاق کرنا، یا تھوڑی سزا دینا چاہتا تھا تو اوسکو حکم دیا جاتا تھا کہ شاہ کے سامنے یہ کل شراب پی لے جو ہزار پیشہ میں موجود ہے۔

فرانسیسی سُناروں کے ساتھ جو شاہ کے ملازم تھے اکثر ایسا موقع پیش آیا کہ اگر حسب منشا اُنھوں نے کام نہیں کیا تو بطور سزا کے اونہیں اس طور سے شراب پلائی گئی۔ اسی وجہ سے ان فرانسیسی سناروں نے اب یہ طریق اختیار کر لیا ہے کہ اس سزا کے بچنے کے لئے تمام زیورات مکمل کرنے سے پہلے شاہ کو دکھا دیتے ہیں کیونکہ شراب کی اسقدر مقدار پینا کوئی دل لگی نہیں ہے۔

میرے زمانہ قیام میں چھ فرانسیسی سنار ملازم تھے۔ جن پر شاہ بہت مہربان تھا اور ہر ایک کو علاوہ خوراک کے ۱۵۰ پتاکہ (۳۰ پونڈ یا تین سو روپیہ) ماہوار تنخواہ ملتی تھی۔ جب کبھی شاہ اون کے کسی کام سے خوش ہوتا تو کافی انعام عطا کرتا۔ ان کو سامان خوراک بھی بافراط دیا جاتا تھا۔ شاہ کبھی ان فرانسیسیوں کو اپنی تخلیہ کی صحبت میں بلا کر اپنے پاس بٹھاتا اور خود بھی شراب پیتا اور انہیں بھی پلاتا۔ اور اکثر شاہ ان یورپ کے حالات ان سے دریافت کرتا۔ وہ ان سے شاہ فرانس کے حالات اور مختلف دل خوش کن باتیں سُنکر خوش ہوتا اور اقوام یورپ کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا۔

مجھے یقین ہے کہ اسی وجہ سے ایران میں مذہبی گفتگو کرنے کی آزادی ہے اور ایک عیسائی بلاخوف کسی ایرانی سے مذہبی سوال کر سکتا ہے یا اُس کے سوال کا جواب دے سکتا ہے۔ اگرچہ مسلمانوں کا مذہبی قانون ایک یہ بھی ہے کہ اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان

[۵] تقریبًا گیارہ سیر ۱۲

سے مذہبی سوال کرے تو اُس کا جواب تلوار[۱] سے دینا چاہیے۔ ترکی۔ عرب۔ سلطنت مغلیہ بلخ۔ بخارا۔ اور ازبک پٹھانوں میں اس قانون کی سختی سے پابندی کیجاتی ہے۔ اور وہاں مذہب اسلام کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالنا گویا اپنی جان سے ہاتھ دھونا ہے لیکن ایران میں ایسا نہیں۔ یہاں بلاخوف مذہبی مباحثہ کر سکتے ہیں۔ سوالوں کا جواب دے سکتے ہیں۔

ایرانی قد آور مضبوط۔ خوبصورت اور تیز فہم ہوتے ہیں۔ موسیقی۔ خوشبو۔ اور پھولوں کے بہت شایق ہوتے ہیں۔ وہ نیک دل اور ہوشیار ہونے کے علاوہ بہادر سپاہی بھی ہیں۔ باوجود اس کے وہ اپنے بادشاہ کی ایسی عزت اور قدر کرتے ہیں کہ اُس کے حکم کے خلاف زبان ہلانی محال ہے۔

اگر بادشاہ کسی امیر یا درباری کے قتل کا حکم دیتا ہے تو کوئی مخالفت نہیں کرتا اور حکم شاہ حکم خدا خیال کیا جاتا ہے۔ جب یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ شاہ نے فلاں درباری یا امیر کے قتل کا حکم دیا ہے تو مجرم خود جلاد کے پاس آکر کہتا ہے کہ وہ شاہی حکم کی تعمیل کرے اور شاہ کے قدموں پر وہ اپنا سر فدا کرنے کو موجود ہے۔

چنانچہ جب میں صفہان میں مقیم تھا تو یہ واقعہ پیش آیا کہ شاہ عباس نے شاباش خاں گورنر تبریز کی کچھ شکایات سُنیں۔ یہ گورنر ایک قوی ہیکل جوان اور بارہ ہزار سواروں کا سردار تھا۔ شاہ نے حکم دیا کہ ایک سپاہی اُس کا سر قلم کرنے کے لئے روانہ کیا جائے۔ جب یہ سپاہی تبریز پُہنچا تو گورنر دربار میں بیٹھا ہوا تھا۔ سپاہی نے تلوار میان سے نکال کر کہا کہ شاہ نے آپ کا سر طلب فرمایا ہے۔ یہ سُنتے ہی بلا تامل شاباش خاں نے اپنا سر جُھکا کر سپاہی سے سر قلم کرنے کی درخواست کی۔ جب سپاہی نے تلوار لگائی تو چونکہ شاباش خاں فربہ اور جسیم تھا

[۱] مصنف نے یہ اپنے مذہبی تعصب کا اظہار کیا ہے۔ ورنہ مذہب اسلام کے کسی قانون کا ہرگز یہ حکم نہیں ہے۔ ۱۲

اس لئے ایک وار میں گردن قلم نہ ہو سکی صرف زخم ہو گیا۔ شاباش خاں نے سر اُٹھا کر سپاہی کے ایسا طمانچہ مارا کہ اُس کے کئی دانت ٹوٹ گئے اور چلا کر کہا کہ شہنشاہ نے میرے قتل کا حکم دیا ہے، یا تکلیف پہونچانے کا۔ پھر اُس نے سر جھکا کر سپاہی سے کہا کہ بھرپور ہاتھ لگائے چنانچہ دو ضربوں سے اوس کا سر علیحدہ کیا گیا۔ جب سر بادشاہ کی حضور میں لایا گیا، تو حسب دستور حکم ہوا کہ تین روز تک یہ سر بازار میں لٹکایا جائے تاکہ دوسروں کو عبرت ہو۔

اب میں چند واقعات ایسے بیان کرنا چاہتا ہوں جن سے ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ شاہ عباس کیسے انصاف کرتا تھا اور کس تیز فہمی کے ساتھ وہ معاملات کی تہ کو پہونچ جاتا تھا۔

یہ بھی میرے قیام اصفہان کے وقت کا معاملہ ہے کہ دو دولتمند آدمیوں کے درمیان لین دین کا کچھ حساب تھا اور تصفیہ نہ ہوتا تھا۔ ان میں سے ایک کا نام محمد رضا تھا اور اس کے ذمہ دوسرے شخص مرزا اسمٰعیل کا بہت روپیہ برآمد ہوتا تھا۔ لیکن ایسی پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں تھیں وہ آپس میں اس حساب کو فیصل نہ کر سکتے تھے۔ آخر ان دونوں نے آپس میں یہ معاہدہ کیا کہ ہر شخص اپنا حساب علیحدہ علیحدہ لکھ کر دستخط کر دے۔ دونوں حسابات ایک کپڑے کی تھیلی میں بند کئے جائیں اور فریقین اور دو گواہ اپنی اپنی مہریں اس تھیلی پر ثبت کر دیں۔ جس وقت بادشاہ شکار سے واپس آئیں تو یہ تھیلی اُن کی حضور میں پیش کر کے درخواست کیجائے کہ بادشاہ کسی شخص کو مقرر فرمائیں کہ وہ حساب کی جانچ کر کے آخری فیصلہ کر دے جس کو فریقین تسلیم کریں گے۔ دونوں نے ایسا ہی کیا اور نیک دل مرزا اسمٰعیل نے بلا کسی شبہہ کے تھیلی محمد رضا کے پاس چھوڑ دی تاکہ بادشاہ کے تشریف لانے کے وقت اُسکے پاس رہے۔ محمد رضا ایک چالاک شخص تھا۔ اور بادشاہ کی غیر موجودگی کی وجہ سے اُسے وقت اور موقع ملا۔ لہٰذا اُس نے تھیلی کو چاک کر کے کاغذات نوشتہ مرزا اسمٰعیل نکال لئے جن کی

روسے محمد رضا کے ذمہ کافی رقم برآمد ہوتی تھی۔ بجائے اس فرد حساب کے محمد رضا نے دوسری فرد اپنی منشا کے مطابق مرتب کی اور اپنا روپیہ مرزا اسمٰعیل کے ذمہ برآمد کیا۔ یہ مصنوعی فرد تھیلی میں رکھ کر ایک کاریگر سے تھیلی کو اس صفائی سے سلوایا کہ مطلق معلوم نہ ہوتا تھا کہ تھیلی چاک کی گئی تھی۔

شاہ جب دارالسلطنت میں تشریف لائے تو حسب قرارداد دونوں اشخاص حاضر دربار ہوئے۔ اور تھیلی بادشاہ کے سامنے پیش کر کے فیصلہ کے طالب ہوئے۔ شاہ کو چونکہ خود انصاف کرنے کا شوق تھا اسلئے اوسی وقت وزرا میں سے فضل بیگ کو طلب کیا جس کی دیانت و ایمانداری پر شاہ کو اعتماد تھا اور تھیلی فیصلہ کے واسطے اُس کے حوالہ کی۔

فضل بیگ مع فریقین کے اپنے مکان پر آیا اور دونوں گواہوں اور فریقین کو تھیلی دکھا کر دریافت کیا کہ وہ اپنی اپنی مہروں کو دیکھ لیں اور بیان کریں کہ آیا یہ وہی تھیلی ہے اور کچھ تغیر و تبدل تو نہیں ہوا۔ سب نے بیان کیا کہ یہ وہی تھیلی ہے یہ سُن کر فضل بیگ نے سب کو رخصت کر دیا۔

مرزا اسمٰعیل کو قوی امید تھی کہ فضل بیگ اُس کے موافق فیصلہ کرے گا اس لئے آیندہ اوسنے زیادہ پروا نہ کی۔ برخلاف اس کے محمد رضا ہر روز فضل بیگ کے پاس جا کر مقدمہ کے حالات سُناتا اور بیان کرتا کہ مرزا اسمٰعیل کے ذمہ اُسی کی مُرتبہ فرد کے بموجب ایک کافی رقم برآمد ہوتی ہے۔ فضل بیگ نے کاغذات کا معائنہ کیا تو معلوم ہوا کہ واقعی مرزا اسمٰعیل کے ذمہ روپیہ برآمد ہوتا ہے لہٰذا اوس نے مرزا اسمٰعیل کو طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو فضل بیگ نے اپنا فیصلہ سُنایا۔ مرزا اسمٰعیل کے تعجب کی کوئی انتہا نہ تھی جب اُسے معلوم ہوا کہ ایک رقم کثیر اُسے محمد رضا کو ادا کرنی چاہیئے۔ اُس نے کھڑے ہو کر فضل بیگ سے عرض کیا کہ میرے کاغذات بغور ملاحظہ فرمائے جائیں اور اُن سے ثابت ہو جائے گا کہ میری رقم محمد رضا کے ذمہ برآمد ہوتی ہے نہ کہ محمد رضا کی میرے ذمہ۔ مرزا اسمٰعیل کے

اطمینان کے واسطے فضل بیگ نے تمام کاغذات اُسے دکھائے جنہیں دیکھکر وہ بیحد متعجب ہوا اور کہا کہ یہ ہرگز مرے لکھے ہوئے کاغذات نہیں ہیں بلکہ جعل سازی کی گئی ہے۔ لہذا آخری حکم ملتوی کیا جائے اور مجھے مہلت دیجائے۔ فضل بیگ نے جواب دیا کہ بادشاہ کا یہ ارشاد ہے کہ جو کاغذات تھیلی کے اندر ہیں اون کو دیکھکر فیصلہ کیا جائے۔ لہٰذا میں مہلت نہیں دے سکتا اور محمد رضا کے موافق فیصلہ دیتا ہوں۔

بیچارہ مرزا اسمٰعیل یہ دیکھکر کہ اُس کے ساتھ ناانصافی کیگئی خفیہ طور سے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہوا اور اُس کے قدموں پر سر رکھکر عرض کیا کہ یا تو فضل بیگ نے انصاف نہیں کیا یا محمد رضا نے چالاکی سے تھیلی میں سے کاغذات تبدیل کر دئیے۔

بادشاہ فضل بیگ کو صاحب اعتماد خیال کرتا تھا اور اکثر موقعوں پر اُس کی آزمایش ہو چکی تھی اس لئے اوسپر شبہہ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ دوسرے بادشاہ نے خیال کیا کہ فضل بیگ جانتا ہے کہ اگر عمداً وہ ایسا کریگا تو اُس کا سر قلم کر دیا جائیگا۔ لہٰذا یہ فضل بیگ کا کام نہیں ہے۔ مرزا اسمٰعیل کی نسبت بھی بادشاہ کا گمان اچھا تھا اور اوس کو راست باز جانتا تھا اور اوس کے خلاف کوئی شکایت سُنی نہیں گئی تھی۔ ان تمام باتوں پر غور کرنے کے بعد شاہ نے مرزا اسمٰعیل کو کچھ عرصہ تک خاموش رہنے اور صبر کرنے کی ہدایت کی۔

بادشاہ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ تھیلی ایک عرصہ تک محمد رضا کے قبضہ میں رہی اور بہت ممکن ہے کہ اُس نے تھیلی کو چاک کرکے کاغذات تبدیل کر لئے ہوں اور پھر اُسے درست کرا دیا ہو۔ اس شبہہ کے تصدیق کرنے کے لئے شاہ نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک بیش قیمت خوشنما قالین تھا جس پر اکثر شاہ بیٹھا کرتا تھا اور جو اُسے بہت پسند تھا۔ شاہ نے خفیہ طور سے اُس قالین کو ایک جگہ سے جلاکر سوراخ کر دیا اور مطلق کسی سے ذکر نہ کیا۔ فراش جس کی سپردگی میں قالین تھا یہ دیکھکر نہایت خائف ہوا اور اُسے گمان ہوا کہ اگر بادشاہ کو یہ معلوم ہو گیا تو ممکن ہے کہ اس بے احتیاطی کے قصور میں اُسکا

ہاتھہ کاٹنے کا حکم دے۔ پس وہ قالین کو اپنے گھر لے آیا اور ایسے کاریگر کی تلاش میں معروف ہوا جو ایسا رفو کردے کہ یہ معلوم نہو کہ یہاں کبھی سوراخ تھا۔

اتفاق سے فراش کی اُس کاریگر سے ملاقات ہوئی جس نے متنازعہ تھیلی کو رفو کیا تھا۔ اور اُس نے قالین کو درست کردیا۔ چند روز کے بعد بادشاہ نے قالین مذکور طلب کیا اور نظر بچا کر ہر چند دیکھا مگر وہ جگہ شناخت نہ ہوسکی جہاں رفو کیا گیا تھا۔ بادشاہ نے فراش کو طلب کرکے اُس رفوگر کو حاضر کرنے کا حکم دیا فراش اگرچہ خوف زدہ ہوا مگر انکار نہ کرسکا اور اُس کاریگر کو بادشاہ کے سامنے حاضر کردیا جب وہ سامنے آیا تو بادشاہ نے تھیلی دکھا کر کاریگر سے دریافت کیا کہ اسکے رفو کرنیکی اُسے کیا اجرت ملی تھی۔ شاہ نے یہ بات اسطرح کہی کہ رفوگر سمجھا کہ بادشاہ تمام حال سے واقف ہے۔ عرض کیا کہ مجھے معقول اُجرت دی گئی تھی۔ اس تھیلی میں ایک سوراخ تھا جس کی نسبت مجھہ سے کہا گیا تھا کہ چوہے نے ایسا کیا ہے۔ اور اگر درست نہو گا تو سخت بدنامی ہوگی۔ شاہ نے دریافت کیا کہ وہ اُس شخص کو شناخت کرسکتا ہے جب کاریگر نے اقرار کیا تو چند درباریوں کو طلب کیا جن میں مرزا اسمعیل اور محمد رضا بھی شامل تھے اور کاریگر سے شناخت کرنے کا حکم دیا۔ رفوگر نے محمد رضا کو بتا کر عرض کیا کہ میں نے یہ کام اس کے مکان پر اس کی موجودگی میں فلاں روز اور فلاں وقت انجام دیا ہے۔

یہ سُنکر شاہ نے حکم دیا کہ محمد رضا کے چار ٹکڑے کئے جائیں اور ہر ٹکڑا ایک اونٹ کی دُم سے باندھ کر شہر میں گشت کرایا جائے اور اُس کے ساتھہ منادی ندا کرے کہ یہ بادشاہ کا انصاف ہے۔ محمد رضا کا مکان معہ سامان ضبط کرکے مرزا اسمٰعیل کو عطا کیا گیا۔ اس طرح ایک دغاباز کے مقابلہ میں انصاف کیا گیا۔

ہر بادشاہ کو ایسا ہی انصاف کرنا چاہئے بشرطیکہ وہ اپنے آپ کو ظلم وستم کا آلہ نہ بنائے اور اوس کی یہ خواہش ہو کہ دغاباز اور جھوٹے آدمی کیفر کردار کو پہونچیں۔

اسی قسم کا ایک اور قصہ تحریر کرتا ہوں۔ جس شخص نے مجھ سے یہ قصہ بیان کیا اوسکا خیال تھا کہ ہرگز شاہ کا یہ منشا نہیں کہ عیسائیوں کے ساتھ خراب سلوک کیا جائے۔ لیکن ارمنی عیسائیوں کی ایران میں کچھ عزت نہیں کیجاتی۔ اسی شاہ نے چند مرتبہ ان کی بی بیاں بیٹیاں یا اور خوبصورت عورتیں بہ جبر چھین لیں۔ مگر شاہ یہ نہیں چاہتا کہ کوئی دوسرا ان کو تکلیف پہنچائے۔

ایک بہادر ایرانی سپاہی جو نہایت قد آور و مغرور تھا اور جس کی مونچھیں لمبی لمبی تھیں ہر روز ایک ارمنی دوا فروش کی دوکان پر جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ اس سوداگر کے ایک جوان ہژدہ سالہ خوبصورت لڑکی تھی۔ جو دوکان کا کاروبار کیا کرتی تھی۔ یہ سپاہی دن بھر دوکان پر بیٹھا ہوا اس لڑکی سے باتیں کیا کرتا تھا۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس سپاہی کی وحشتناک صورت سے خریدار خوف کھا کر اس دوکان کی طرف رخ نہ کرتے تھے اور کچھ مال نہ بکتا۔

یہ دیکھکر چند روز کے بعد غریب سوداگر نے نہایت عاجزی سے سپاہی سے درخواست کی کہ براہ عنایت وہ اس کی دوکان پر نہ بیٹھا کرے کیونکہ اوس کے بیٹھنے سے دوکان کا کاروبار بالکل بند ہو گیا۔ اخیر میں سوداگر نے بہ لجاجت ایسی درخواست کرنے کی معافی چاہی اور کہا کہ اگر یہی حالت رہی تو وہ ہرگز اپنی اور اپنے خاندان کی خورد و نوش کا انتظام نکر سکیگا۔ یہ سنتے ہی سپاہی نے اپنی تلوار نکال کر ایسا ہاتھ لگایا کہ ارمنی کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ سپاہی گھوڑے پر سوار ہو کر ایک عبادت خانہ میں جا چھپا جہاں وہ قانوناً گرفتار نہیں ہو سکتا تھا۔ اور جسے بادشاہ نے دارالامان قرار دیدیا تھا۔ جس وقت ارمنوں کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے مرزا کوچک اعلیٰ جج کے سامنے اپنا دعویٰ پیش کیا۔ یہ افسر عیسائیوں کے ساتھ نہایت تعصب رکھتا تھا۔ اور یہ اس سے ظاہر ہے کہ جب قاتل گرفتار ہو کر اس کے سامنے پیش ہوا تو اس نے حکم دیا کہ قاتل کے بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر ایسا زخم لگایا جائے جس سے تین قطرے خون نکلے اور دس تپاکہ (بیس روپیہ) جرمانہ وصول کیا جائے۔ اس سزا

سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس افسر کی رائے میں ارمنی کے خون کی کچھ قیمت ہی نہ تھی - تمام ارمنی یہ حکم سُنکر سخت مضطرب ہوئے اور بادشاہ سے فریاد کرنے کے لئے محل کے دروازہ پر جمع ہوئے - بادشاہ نے اُن سب کو بلاکر تمام حال سُنا اور بہت تسکین و تشفی کر کے انصاف کرنے کا وعدہ کیا -

چند روز بعد مرزا کوچک نے حاضر ہوکر بادشاہ سے مختلف معاملات کی اطلاع کی مگر ارمنی سوداگر کے مقتول ہونیکا کچھ ذکر نہ کیا - تھوڑے عرصہ کے بعد بادشاہ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی عیسائی کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اوس کو کیا سزا دینی چاہیئے مرزا کوچک نے جواب دیا کہ اوّل اُس سے تین ہزار تپاکہ (چھ ہزار روپیہ) بطور تاوان لئے جائیں بعدہٗ تکلیف دے دیکر اُسکا سر تسلیم کیا جائے - جس نے ایک مسلمان یعنی خدا کے دوست پر ہاتھ اُٹھایا اُس کے لئے یہی سزا مناسب ہے - مرزا کوچک نے اس مطلب کو بلند آواز سے اس طرح بیان کیا کہ گویا وہ ایک قابل تعریف کام کا ذکر کر رہا ہے بادشاہ نے بھی ایسا طریقہ اختیار کیا کہ وہ سمجھا کہ یہہ گفتگو بادشاہ کو پسند آئی - اس کے بعد بادشاہ نے دریافت کیا کہ اگر کوئی مسلمان غلطی سے کسی عیسائی کو قتل کر دے تو اُس کو کیا سزا دیجائے - مرزا کوچک نے یہہ سمجھہ کر کہ پہلا جواب بادشاہ کو پسند آیا اور اسے بھی عیسائیوں کے ساتھہ تعصب ہے ، جواب دیا کہ بائیں ہاتھہ کی چھوٹی انگلی میں ایسا زخم لگانا چاہیئے کہ تین قطرے خون نکلجائے اور مقتول کے ورثا کو دس تپاکہ (بیس روپیہ) قاتل کو دینا چاہئیں - یہ سُن کر بادشاہ نے فرمایا کہ مسلمان اور عیسائیوں میں اتنا فرق کیوں کیا جاتا ہے - یہ بات اچھی معلوم نہیں ہوتی کہ مُسلمانوں کے ساتھہ تو اسقدر رعایت کرنی اور عیسائیوں سے ایسی سختی کا برتاؤ کرنا -

مرزا کوچک نے مسلمانوں کی طرف داری میں اور عیسائیوں کے خلاف تقریر جاری رکھی اور کہا کہ ایران کے مُسلمان تابع حکم خدا اور حضرت علیؑ کے دوست ہیں - دنیا و آخرت میں مُسلمانوں اور عیسائیوں میں بہت فرق ہے - عیسائی بوجہ کافر ہونے کے

کبھی بہشت میں نہیں جاسکتے۔ مذہب حق کی تبلیغ کرنے اور اس دنیا میں عمدہ مثال قایم کرنے کے لئے یہی مناسب ہے کہ مقدمات اسی طرح فیصل کئے جائیں جیسا کہ عرض کیا گیا۔

فرط غضب سے شاہ عباس کا رنگ متغیر ہوگیا اور برہم ہو کر اس نے مرزا کو چک کو خاموش رہنے کا حکم دیا۔ اور کہا کہ میں ایسی بیہودہ بات سننا نہیں چاہتا۔ مری پیش نظر کتاب حضرت موسیٰ کا یہ حکم ہے کہ "جو شخص کسی کو قتل کریگا وہ خود بھی قتل کیا جائیگا" مجھے معلوم ہے کہ ارمنی کے قاتل کو تو نے غیر منصفانہ سزا دی ہے۔ اگر تو سید نہ ہوتا تو تجھہ کو شیروں کے سامنے ڈلوا کر ٹکڑے ٹکڑے کروا ڈالتا۔ اس کے بعد مرزا کوچک کو دربار سے نکلوا دیا۔ اور اپنے اردلی کے سواروں کو حکم دیا کہ وہ اسی وقت جاکر جہاں کہیں بھی قاتل پوشیدہ ہو وہاں اُسے قتل کریں،

سواروں نے عرض کیا کہ قاتل فلاں عبادت خانہ میں پناہ گزیں ہے اور شاہ نے اُسے دارالامان قرار دیدیا ہے۔

شاہ نے جواب دیا کہ جس نے وہ حکم دیا تھا وہی اپنے اُس حکم کو منسوخ کرتا ہے۔ الغرض وہ قاتل سپاہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا اور تمام شہر میں وہ ٹکڑے تشہیر کئے گئے۔ مرزا کوچک ڈر کر ایران سے بھاگ گیا۔

مرزا کوچک سے پھر میری ملاقات سلطنت مغلیہ کے شہر لاہور میں ہوئی جس کا ذکر میں موقع مناسب پر کرونگا۔

ایسی ہی باتوں سے جیسی مینے بیان کیں تمام رعایا شاہ عباس کی تعریف کرتی تھی اور ہر جگہ اُس کے انصاف اور نیکیوں کا ذکر ہوتا تھا۔ ایک نووارد انگریز یہ تعریفیں سن سُنکر ایسے نیک دل بادشاہ کا دیدار کا شایق ہو کر دارد صفہان ہوا۔ اور اُس کی شاہی فرانسیسی سناروں سے رسم ہوگئی۔ خصوصًا ایک فرانسیسی سنار جسکا نام کلوڈیو (صنلمسلمکت) تھا اس کا دوست ہوگیا۔ اس سنار کے مزاج میں چونکہ

مسخراپن تھا اس لئے بادشاہ اسپر زیادہ مہربان تھا اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتا۔ اس انگریز کو جب شاہ کی عنایت خاص کا حال معلوم ہوا تو اس نے کلوڈیو سے عاجزی کے ساتھ درخواست کی کہ وہ ایسا بندوبست کردے کہ دربار شاہی میں حاضر ہو کر شاہ سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کرے۔ انگریز نے یہ بھی کہا کہ مینے یہ سفر دور محض اسی لئے اختیار کیا ہے اور مری تمنا ہے کہ جب میں یورپ واپس جاؤں تو اپنے ہمچشموں کے سامنے فخریہ بیان کروں کہ مجھ کو شہنشاہ فارس سے ہم کلامی کا فخر حاصل ہے کلوڈیو نے دریافت کیا کہ اسے شاہ سے کوئی خاص کام ہے جس کی نسبت وہ گفتگو کرنا چاہتا ہے تو انگریز نے قطعی انکار کیا۔ اور کہا کہ مجھے صرف شاہ سے باتیں کرنے کا شوق ہے۔ کلوڈیو نے کہا کہ شاہ کا دیکھنا تو کچھ مشکل نہیں مگر گفتگو کرنی نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ بغیر کسی کام کے شاہ سے گفتگو کرنا خلاف قاعدہ ہے۔ نوواردانگریز نے کلوڈیو کی منت و سماجت کرکے کہا کہ میری تو یہی تمنا تھی اور خواہش ہے۔ اگر آپ کی عنایت سے ایسا موقع مل جائے تو تمام عمر اس احسان کو فراموش نہ کرونگا۔ کلوڈیو نے کہا کہ کچھ عرصہ تک انتظار کرنا چاہئے، میں کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرونگا۔ اور امید ہے کہ تمہاری دربار شاہی تک رسائی کرانے میں کامیاب ہوں۔

چند روز کے بعد جب کلوڈیو حسب الطلب بادشاہ کی حضور میں حاضر ہوا تو معمولی گفتگو کے بعد اس نے عرض کیا کہ ایک اعلیٰ خاندان کا انگریز جو عمدہ سپاہی بھی ہے بہت سے سفارشی خطوط لیکر یہاں آیا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے شاہی دربار میں حاضر ہونے کی عزت بخشی جائے۔ اوس کو حاضر دربار ہونے کا اس قدر شوق ہے کہ اس نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ جب تک یہ آرزو پوری نہ ہوگی وہ ایران سے یورپ واپس نہ جائے۔ بادشاہ نے دریافت کیا کہ آیا اس کو ہم سے کچھ کام ہے؟

کلوڈیو نے انکار کیا اور عرض کیا کہ وہ دنیا کے سب سے بڑے شہنشاہ سے صرف

گفتگو کا فخر حاصل کرنا چاہتا ہے ۔ اگرچہ حضور عالی کے الطاف عام ہیں مگر خصوصیت کیساتھہ اہل یورپ ہمیشہ مورد الطاف خسروانہ رہتے ہیں اور انہیں وجوہ سے اس انگریز کو ایسا اشتیاق ظاہر کرنے کی جرات ہوئی ۔ شاہ نے دریافت کیا کہ یہ ایسا ہی ذی رتبہ ہے جیسا کہ تھوڑا عرصہ ہوا سفیر انگلستان (لارڈ بلومنٹ) آیا تھا ؟ ۔ کلوڈیو نے جواب دیا کہ اوسمیں اور اسمیں کچھ فرق ہے ۔ آخر کار شاہ نے اجازت دی کہ دوسرے روز اوسکو اپنے ہمراہ لانا ۔ کلوڈیو دربار سے رخصت ہو کر سیدھا اُس انگریز کے پاس گیا جو اوس کا منتظر تھا اور تمام حال سے اُسے مطلع کر کے کہا کہ کل اُسے دربار شاہی میں چلنا ہوگا ۔ انگریز یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور جوش مسرت سے کلوڈیو کو گلے لگا کر کہنے لگا کہ تمام عمر آپ کا یہہ احسان نہ بھولوں گا ۔

انگریز اپنی قیام گاہ پر آیا اور تمام رات تیاری دربار میں مصروف رہا ۔ کبھی وہ اپنے بالوں کو بناتا ۔ کبھی اپنے کپڑوں کو قسم قسم کے فیتوں سے آراستہ کرتا ۔ کبھی اپنی ٹوپی پر پَر لگاتا ۔ کبھی لباس کو مختلف خوشبوؤں سے معطر کرتا ۔ جب یہ تیاری کر چکا تو شاہ سے گفتگو کرنے کے لئے ترکی الفاظ تلاش کرنے لگا ۔ اس کے بعد اُس نے خیالی پلاؤ پکانا شروع کیا کہ میں اسطرح دربار میں حاضر ہونگا ۔ اس طرح آداب بجا لاؤنگا ۔ اگر شاہ مجھ سے یہ سوال کریگا تو میں یہ جواب دونگا ۔ یہ منصوبے باندھتے وقت بار بار جھک جھک کر کھڑکی سے بھی جھانکتا کہ صبح ہوئی یا نہیں ۔ خدا خدا کر کے شب آخر ہوئی ۔ اور طلوع آفتاب سے پہلے ہی یہ بن سنور کر کلوڈیو کے مکان پر پہنچ گیا ۔ جس نے اُسے سمجھایا کہ ابھی دربار چلنے کا موقع نہیں ہے ۔ جس وقت وہ دربار چلے گا تو اُسے ضرور طلب کر لیگا ۔

چنانچہ وقت مقررہ پر کلوڈیو مسٹر پٹ کو ہمراہ لیکر اُس انگریز کے مکان پر گیا ۔ یہ مسٹر پٹ (Mr Pitt) بھی سیاحت دنیا کے لئے یورپ سے روانہ ہو کر ایران میں وارد ہوا تھا ۔ اور اس کو بھی انگریز کا ملازم قرار دے کر کلوڈیو دربار شاہی میں

لیجانا چاہتا تھا۔

جب یہ سب محل شاہی میں پہونچے تو انگریز بہت خوش تھا کہ اوس کی دلی تمنا پوری ہونے کی ساعت قریب آتی جاتی ہے۔ اس کی مثال اُس تھکے ہوئے اور پیاسے مسافر کی تھی جو دور دراز سفر کے بعد کسی چشمہ کے کنارہ پر پہونچے۔

اُس وقت شاہ باغ میں چہل قدمی کر رہا تھا۔ اطلاع ہونے پر یہ وہیں طلب کئے گئے۔ بادشاہ کے سامنے پہونچکر انگریز نے ٹوپی اُتار کر یورپ کے طرز پر سلام کیا اور قریب پہونچکر حسب ہدایت کلوڈیواس نے اپنے گھٹنے ٹیک کر یہ کہنا شروع کیا کہ "بندگان حضور کا نام نامی تمام دنیا میں مشہور ہے۔ حضور کی ذات والاصفات کو جو مرتبہ حاصل ہے وہ دنیا میں کسی بادشاہ کو حاصل نہیں۔ تمام یورپ اس بات کو سُن کر بہت خوش ہے کہ سلطنت ایران میں ایسا آفتاب طلوع ہے جس کی شعاعوں سے تمام سلطنتیں روشن ہو رہی ہیں۔ یہ شہرت سُن کر دور و دراز فاصلہ طے کر کے یہ غلام اس غرض سے حاضر ہوا ہے کہ ایسے جلیل القدر شہنشاہ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن کر کے ہم کلامی کا فخر حاصل کرے" انگریز نے یہ ترکی زبان میں کہا۔ شاہ عباس نے اپنے ہاتھ کے اشارہ سے اُسے اُٹھنے کو کہا اور مسکراتے ہوئے اپنے نزدیک طلب کیا۔ اوّل اس کا نام اور جائے سکونت دریافت کی اور بعد ازاں استفسار فرمایا کہ وہ اپنے ملک میں کس طرح اوقات بسر کرتا تھا۔ انگریز نے جواب دیا کہ اُس کے پاس زمین ہے جس سے گذر اوقات کے موافق کافی رقم ملجاتی ہے۔ دوسرے وہ شاہ انگلستان کی فوج میں کپتان تھا۔

شاہ عباس نے دریافت کیا کہ "تم مجھے یہ بتلا سکتے ہو کہ شاہ انگلستان کو اُسی کی رعایا نے کیوں قتل کر دیا؟۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ یہ تو کھلی ہوئی بغاوت اور گستاخی ہے۔ مجھے امید ہے کہ سچ سچ کل واقعہ بیان کر دگے اور کوئی بات نہ چھپاؤ گے"

انگریز نے جواب دیا کہ حضور عالی کے سامنے میں بالکل راست راست حال عرض کروں گا۔ یہ وحشیانہ ظلم مجمع عام میں کیا گیا اور اس ظالمانہ فعل کا تماشہ دیکھنے کے لئے ایک مجمع کثیر جمع تھا۔

میں خود اس مجمع میں شاہ کے بالکل قریب تھا۔ اُس خلوص کی وجہ سے جو مجھے اپنے بادشاہ سے تھا اُس کی یاد تازہ رکھنے کے لئے میں نے یہ انتظام کیا کہ ایک رومال شاہ مقتول کے خون میں تر کر کے بطور یادگار رکھ لیا۔ یہ الفاظ سُنکر شاہ عباس کا رنگ بدل گیا اور غصہ سے آواز بلند کر کے کہا کہ "اے بدبخت! تو بادشاہ کا ملازم اور رعایا تھا اور ایسی بزدلی کہ بادشاہ تیری موجودگی میں قتل کیا جائے اور تو اپنی جان اپنے بادشاہ پر قربان نہ کرے" بادشاہ نے ایسی بلند آواز سے یہ بات کہی کہ جیسے شیر ڈکارتا ہے۔ اور انگریز خوف سے مثل مردہ کے ہو گیا۔ شاہ نے پھر اسی بلند آواز کے ساتھ مصاحبین سے کہا کہ اس نامرد۔ دغاباز۔ مکار آدمی کی دُنیا میں رہنے کی ضرورت نہیں۔ اسے لیجا کر زندان میں قید کر دو تاکہ تمام دُنیا کو معلوم ہو جائے کہ شاہ عباس ہرگز ایسے شخص کی صورت دیکھنے کا روادار نہیں جو شریف و بہادر اور کپتان فوج ہونے کا مدعی ہو۔ اور بادشاہ کے قتل ہوتے وقت بذات خود موجود بھی ہو اور پھر اپنے آقا کے بچانے کے لئے کچھ بھی کوشش نہ کرے۔

بادشاہ سے یہ حکم سنتے ہی اردلی کے سپاہیوں نے فوراً انگریز کو گرفتار کر لیا اور پابجولاں اور اُس ساری آرایش وزینت کو درہم برہم کر کے جس میں غریب انگریز کی تمام رات صرف ہوئی تھی ایک تاریک قیدخانہ میں مقید کر دیا۔ جہاں ہر وقت اُسے اپنی موت کا یقین تھا۔ باربار افسوس کرتا تھا کہ اُسی کے شوق نے اس مصیبت میں مبتلا کیا۔

شعر

گل و گلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر — تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

کلوڈیو اور مسٹر سٹپ غمگین صورت بنائے اور شرم سے گردن جھکائے اپنے اپنے مکانات کو واپس ہوئے۔

شاہ عباس کا مقصد اس سے اپنے امرا و افسران کو سبق دینا تھا کہ ایسا موقع ہو تو انہیں کس طرح اپنے بادشاہ کی حفاظت میں اپنی جان سے بھی دریغ نہ کرنا چاہیئے۔ چند دنوں کے بعد کلوڈیو نے بادشاہ سے انگریز کی رہائی کی درخواست کی جو نامنظور ہوئی۔ مگر کلوڈیو بیدل نہ ہوا اور تھوڑی دیر بعد اوس نے کچھ ظرافت کی باتیں کیں جن پر بادشاہ کو ہنسی آگئی۔ کلوڈیو نے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا اور پھر انگریز پر رحم کرنے کی درخواست کی۔

شاہ نے مسکرا کر کہا کہ اگر تم اپنا کُتا ہماری نذر کرو تو انگریز اسی وقت رہا ہو سکتا ہے۔ کلوڈیو کے پاس ایک کُتا تھا جس کو یہ بہت عزیز رکھتا تھا اور چند مرتبہ شاہ نے اُس سے یہ کتا طلب کیا مگر ہر دفعہ کلوڈیو کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیتا تھا۔

اس وقت سوائے اس کے کچھ چارہ نہ تھا کہ اپنا عزیز کتا انگریز کو رہا کرانے کے لئے شاہ کی نذر کر دے۔ چنانچہ اُس نے بخوشی وہ کتا شاہ کے حضور میں حاضر کر دیا۔

انگریز رہا کر دیا گیا اور وہ اسی روز یہ سمجھ کر صفہان سے روانہ ہو گیا کہ ایسا نہو کہ کسی اور نئی مصیبت کا سامنا ہو۔

جب کلوڈیو نے اُسے جاتے ہوئے دیکھا تو کہا کہ یورپ پہونچنے پر اپنے دوستوں سے ضرور اس عزت و احترام کا ذکر کرنا جو اُسے ایران میں حاصل ہوئے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ ایشیا کے بادشاہ بے عقل نہیں ہوتے۔

باب ۱۶

ہمارا اصفہان سے بندر عباس پہونچنا

ہماری روانگی کا زمانہ قریب تھا۔ ہم مسٹر جان ہنری ینگ (Henry young) سے اپنے سفر کے متعلق طالب امداد ہوئے۔ اور اس نے سفیر کو ہر طرح کی مدد دی۔ ہماری خواہش تو یہ تھی کہ ہم اور وہ ساتھ ساتھ سفر کریں۔ مگر ہمیں کچھ کام پیش آگیا اور ہم سے چند روز قبل مسٹر جان ہنری ینگ روانہ ہوگیا۔

ہم آخر ستمبر ۱۶۵۲ء (صحیح ۱۶۵۵ء) کو روانہ ہوئے۔ اگرچہ مابین راہ شیراز میں ہمکو سامان رسد بکثرت دستیاب ہوا مگر بوجہ کوہستان ہونے کے راستہ نہایت خراب تھا اور مشکل سے گھوڑے اُسے طے کرتے تھے۔ راہ میں میدان بھی ملے مگر چند جگہ ایسی دلدلیں ہیں جن کو طے کرنا آسان نہیں۔ تمام پہاڑ درختوں سے خالی ہیں۔ بھیڑی اور بکریوں کے چارہ کی ضرورت نہیں اور اکثر جگہ بھیڑیوں اور بکروں کے معدوں سے ایک قسم کا پتھر نکلتا ہے جس کو فادزہر کہتے ہیں۔ اس پتھر کا حال، میں سلطنت گولکنڈہ کے حالات کے ساتھ لکھوں گا۔

ایران کی بھیڑیاں سال میں دو دفعہ بچے دیتی ہیں اور خاص کر خاص خاص مہینوں میں اُن کو نخود کھلایا جاتا ہے۔ انکی اُون نہایت نرم ہوتی ہے۔

پندرہ روز سفر کرنے کے بعد ہم شیراز پہنچے۔ چونکہ سفیر علیل ہوگیا تھا اس لئے ہمیں ایک ماہ یہاں قیام کرنا پڑا۔ ارمنوں کا پادری جو یہاں مقیم تھا ہم سے ملنے کے لئے کئی مرتبہ آیا۔ یہاں کی آب وہوا نہایت صحت بخش ہے۔

باغات اور میووں کی بھی کثرت ہے۔ پاس کے علاقہ میں انگور بہ کثرت پیدا ہوتا ہے

اور اسی سے شراب تیار کر کے ہندوستان روانہ کی جاتی ہے - اگرچہ بروئے مذہب اسلام شراب پینے کی ممانعت ہے - مگر شاہ ایران نے انگریزوں کو اپنے خرچ کے لئے شراب تیار کرنے کی اجازت دیدی ہے - مگر فروخت کرنے کی قطعی ممانعت ہے -

اس خطہ میں سامان خوراک کے علاوہ نارنگی اور لیمو افراط سے ہوتے ہیں - سب سے زیادہ گلاب کی پیداوار ہے اور عرق کشید کر کے تمام جگہ بھیجا جاتا ہے - شیراز سے تقریباً دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک عمارت ہے جس کو دارا شاہ ایران کا محل کہتے ہیں جسے سکندر اعظم نے شکست دی تھی -

پہاڑ میں ایک غار ہے جس سے ایک رقیق مادہ نکلتا ہے جسے ایرانی مومیائی کہتے ہیں یہ خاص بادشاہ کی ملکیت ہے اور غار میں دروازہ لگا ہوا ہے اور ہر وقت پہرہ رہتا ہے - ان سپاہیوں کا یہ کام ہے کہ ہر روز مومیائی (جو بہت تھوڑی تھوڑی نکلتی ہے) جمع کر کے بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دیا کریں - بادشاہ جس پر مہربان ہوتا ہے اوس کو تھوڑی سی مومیائی عنایت کیجاتی ہے - یہ کہا جاتا ہے کہ اگر ہڈی پر ضرب آجائے یا ٹوٹ جائے تو اس کے کھلانے سے حیرت انگیز فائدہ ہوتا ہے - اگرچہ مجھے یقین نہیں مگر مشہور ہے کہ اگر مرغ یا بکرہ کا کوئی عضو توڑ کر دس سے پندرہ قطرے تک اُسے مومیائی کے دیئے جائیں اور شکستہ عضو پر مل دی جائے تو چوبیس گھنٹہ میں وہ اچھا ہو جائے گا - میرے پاس تھوڑی سی مومیائی ہے جو مجھے ایک شاہی خواجہ سرا نے دی تھی - اور جس کی نسبت وہ بیان کرتا تھا کہ کئی موقعوں پر یہ مجرب ثابت ہوئی - ایک سنگ تراش بلندی سے گرا اور اوس کے منہ - ناک - اور کانوں سے خون جاری تھا کوئی امید جاں بری کی نہ تھی اسکو یہ مومیائی دی گئی اور دو روز میں وہ بالکل اچھا ہو گیا -

یہاں ایک تالاب بھی ہے جس کے پانی کے سطح پر مثل گوند کے ایک چیز تیرتی ہو اوس کو جمع کرکے یہاں کے باشندے شاہی عرق[۵۱] کے نام سے فروخت کرکے لوگونکو دہوکا دیتے ہیں۔ لیکن اس میں وہ خاصیتیں نہیں ہوتیں جو اصلی شاہی عرق میں ہوتی ہیں۔

جب سفیر کو صحت ہو گئی تو ہم شیراز سے روانہ ہو کر نوروز میں لار[۵۲] پہنچے جو زمانہ سابق میں بڑا شہر اور فصیل سے محصور تھا۔ مگر اب یہ چھوٹا سا قصبہ ہے اور بہت ہندو آباد ہیں۔ صفہان سے جو مال آتا ہے اوس کو یہ خرید کر کانگو و بندر عباس سے دیگر ممالک کو روانہ کرتے ہیں۔

شیراز سے لار تک اگرچہ ہماری صحت اچھی رہی مگر پینے کے واسطے پانی نہ ملنے کا اندیشہ رہا۔ کیونکہ پینے کے لئے پانی برسات میں جمع کرکے رکھہ لیا جاتا ہے اور وہ ایسا میلا اور غلیظ ہوتا ہے کہ پیتے ہوئے نفرت آتی ہے۔

اگرچہ پانی میں یہ خرابی تھی مگر کل قطعہ مرطوب ہے اور نارنگی و کھجور کے باغات بہت ہیں۔ لار میں سامان خوراک تو خوب ملا مگر پانی ایسا ہی تھا جیساکہ بیان کیا گیا۔ قلعہ لار ایک چھوٹی سی پہاڑی پر واقع ہے جو اسی قسم کی چار پہاڑیوں کے درمیان میں ہے۔ اگر لڑائی ہو تو اس قلعہ کی حفاظت بہت ضرور ہے۔ کیونکہ اگر پاس کی پہاڑیوں پر دشمن کا قبضہ ہو جائے تو وہ آسانی سے قلعہ مذکور پر حملہ آور ہو سکتا ہے۔

ایک روز قیام کرنے کے بعد ہم لار سے روانہ ہوئے۔ راہ میں مختلف سرائیں ملیں جہاں انگور اور خربزے وغیرہ دستیاب ہوتے تھے۔ پہاڑوں کے درمیان سے راستہ ہو کر گیا تھا۔ کئی چشمے ملے جن کا صاف و شفاف پانی دیکھہ کر بیساختہ پینے

---

[۵۱] میں اس بات کے سمجھنے سے قاصر رہا کہ شاہی عرق سے مصنف کی کیا مراد ہے۔ ۱۲

[۵۲] لار کسی زمانہ میں مشہور بندرگاہ تہا۔ یہ بندر عباس سے سو میل کے فاصلہ پر بجانب شرق واقع ہے۔ ۱۲

کو دل چاہتا تھا مگر اونکا پانی اس قدر شور تھا کہ کوئی شخص زبان پر بھی نہیں رکھہ سکتا - انہیں چشموں میں ایک چشمہ اس قدر بڑا تھا کہ اوس پر تیس دروں کا پل بنا تھا - نوروز تکلیف اُٹھانے کے بعد ہم گامبرون یعنی بندر عباس پُہنچے -

اس کو اور جزیرہ ہرمز کو انگریزوں کی امداد سے پرتگیزوں سے چھین کر شاہ عباس[۵۱] نے یہ بندر قایم کیا تھا اسلیئے اِس کو بندر عباس کہتے ہیں -

جزیرہ ہرمز

یہ جزیرہ پہلے مشہور اور بڑا بندرگاہ تھا - جہاں ہندوستان کے ہر حصّہ کے دولتمند تاجر رہتے تھے - چنانچہ جس سوداگر کے پاس دس لاکھ روپیہ ہوتے تھے وہاں اُس کا شمار دولتمندوں میں نہ ہوتا تھا بلکہ معمولی سوداگر خیال کیا جاتا تھا - شاہ عباس نے خیال کیا کہ اگر بجائے جزیرہ ہرمز کے دوسری جگہ قریب ہی بندرگاہ تبدیل کردی جایگی تو یہ تمام دولت ایران میں منتقل ہوجائے گی - لیکن وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہوا اور تمام سوداگر جو اس چال سے واقف ہوگئے تھے دوسری جگہ چلے گئے -

اس جزیرہ میں نمک کی پہاڑیاں بہت ہیں اور اسی لئے یہاں کی آب و ہوا صحت بخش نہیں - لیکن ایرانی اسے ایسا عزیز رکھتے ہیں کہ وہ نہیں چاہتے کہ کوئی یورپین یہاں قدم رکھے -

بندر عباس پُہنچنے کے تیسرے روز سفیر نے مجھے حکم دیا کہ انگریزی کارخانہ کے مہتمم کے پاس جاکر کہوں کہ وہ ایک دیانت دار شخص کو روانہ کردے تاکہ چند ضروری امورات میں مشورہ کیا جاوے - مہتمم کارخانہ نے اسی مسٹر پٹ کو روانہ کیا جو انگریز کے ساتھ خدمتگار بنکر شاہ عباس کے دربار میں گیا تھا اور جس سے ہمارے ناظرین واقف ہیں -

[۵۱] شاہ عباس اوّل نے ۱۵۸۶ء سے ۱۶۲۹ء تک سلطنت کی - ۱۲

دوسرے روز خود مہتمم کارخانہ سفیر کی ملاقات کے لئے آیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔
اسی زمانہ میں ایک انگریزی جہاز جو ایک انگریز کی ملکیت تھا بندر سورت کو روانہ ہونے والا تھا۔ سفیر کو یہ صلاح دی گئی کہ اسی جہاز میں سوار ہو جائے کیونکہ اس کے بعد اس موسم میں اور کوئی جہاز روانہ نہ ہوگا۔

بندر عباس میں یا تو بارش کا پانی ملتا ہے اور یا کھاری۔ یہاں کا پانی اخلاط بدن کو فاسد کر دیتا ہے۔ اور موروث مرض رشتہ (نہارو) ہے جو ایک مرض ہوتا ہے۔ جس میں ہاتھوں یا پاؤں میں ایک قسم کا کیڑا ہاتھ بھر لمبا مثل دھاگے کے پیدا ہو جاتا ہے۔ جب یہ نکلنا شروع ہو تو نہایت احتیاط اور آہستگی سے اس کو ہر روز کھینچ کر لکڑی کے ٹکڑے یا کپڑے کی دھجی پر لپیٹ لینا چاہئے۔ اگر یہ ٹوٹ کر پھر بدن میں چلا جائے تو بڑی تکلیف اور دقت ہوتی ہیں اور صحت مشکل ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے یہاں کے صاحب استطاعت اشخاص اونٹوں پر دوسری جگہ سے پانی منگاتے ہیں جو بندر عباس سے تین فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ یہ حصہ ملک بوجہ نمک کے پہاڑیوں اور گرم ہوا کے نہایت مضر صحت ہے۔ اور میں نے دیکھا کہ اکثر باشندوں کی آنکھیں اور دانت خراب حالت میں ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہاں سے عرب اور مکہ تک کے باشندے اکثر ان امراض میں مبتلا ہیں بوجہ اس کے کہ کھجوریں بکثرت ہوتی ہیں اور باشندوں کا کثیر حصہ مچھلی اور کھجوروں پر بسر کرتا ہے۔

باب ۱۷

۱۵ دسمبر ۱۶۵۲ء کو ہم جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ تمام زمانہ سفر میں کپتان جہاز ہم سے اخلاق و مہربانی کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا بھی موافق رہی اور بارہ روز کے بعد ہم سلطنت مغلیہ کے سندھی[۵] بندر میں داخل ہوئے اور یہاں جہاز نے لنگر کیا۔

(۵ نوٹ صفحہ آئندہ میں)

ہم رات بھر ایک دریا کے راستہ سے سفر کرتے رہے کیونکہ ہم کو ایک جگہ جانا تھا جو سمندر سے بارہ گھنٹہ کی راہ تھی۔ یہ بڑا دریا تھا جس میں سات اور دریا ملے ہوئے تھے جو اندرون ملک سے گذر کر یہاں بہتا تھا اور جس کا مفصل حال میں کسی اور موقع پر بیان کرونگا۔

یہاں ہمنے بہت سے عربی اور ایرانی جہازات دیکھے جو کہ بڑی تعداد میں خرمے۔ گھوڑے۔ موتی۔ مصطگی۔ برگ سنا۔ اور حجر الیہود لاتے ہیں۔ واپسی کے وقت یہاں سے قند سفید و سیاہ۔ گھی۔ روغن زیتون۔ ناریل۔ سوتی کپڑے و چھینٹیں جو اس قطعہ ملک میں بکثرت ہوتی ہیں لیجاتے ہیں۔

شہر میں انگریزوں۔ ڈچوں، اور پرتگیزوں کے تین کارخانے تھے۔ ایک پادری بھی رہتا تھا۔ لیکن فی الحال (سنہ ۹۹-۱۶۹۸ء) یہاں کوئی یورپین موجود نہیں۔ ملک سندہ کا خاص شہر ٹھٹھہ ہے جو یہاں سے بارہ فرسخ ہے اور وہیں صوبہ دار یعنی گورنر رہتا ہے۔

ہمارے جہاز کے کپتان کو یہاں جو کام تھا اوس کو انجام دینے کے بعد ہم جہاز پر واپس آئے اور جہاز پھر روانہ ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد ۱۲ ار جنوری سنہ ۱۶۵۳ء (صحیح سال سنہ ۵۶-۱۶۵۵ ہے) کو ہم بندرگاہ سورت پر پہونچے۔

جہاز کے لنگرانداز ہوتے ہی ایک معزز دولتمند سیاح کپتان جہاز اور ایک سوداگر کی صلاح کے موافق پوشیدہ طور سے شہر میں پناہ لینے کے واسطے چلا گیا۔ کیونکہ انگریز اُسے جبراً گرفتار کرکے کسی انگریزی جہاز کے ذریعہ سے انگلستان روانہ کردینا چاہتے تھے۔ مجھے نہایت تعجب ہوا کہ سیاح مذکور مجھ سے بلا ملے اور بغیر گفتگو کئے چلا گیا۔ لیکن جب میں اسباب لے کر سورت پہنچا تو اس کا سبب مجھے معلوم ہوا۔ سورت میں مسٹر جان ہنری نیگ سے ملاقات ہوئی جو ہم سے چند روز پہلے ایران سے روانہ ہوا تھا۔ اور میرے آقا نے مجھے مطلع کیا کہ وہ بھی بطور سفیر دربار مغلیہ میں حاضر ہونے کے مقصد سے

(بقیہ نوٹ صفحہ ۵۰) غالباً اس سے لاری بندر مراد ہے جو سندھ میں واقع ہے۔ ۱۲

آیا ہے۔ جب سفیر کے پہونچنے کی اطلاع حاکم سورت کو ہوئی تو اُس نے اپنے نائب کو سفیر کے پاس یہ پیام لے کر بھیجا کہ "افواہاً معلوم ہوا ہے کہ آپ بطور سفیر شاہ انگلستان کے تشریف لائے ہیں۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ افواہ صحیح ہے یا نہیں۔ کیونکہ اگر یہ درست ہے تو مجھ پر فرض ہے کہ شاہجہاں بادشاہ کی خدمت میں آپ کی آمد کی اطلاع روانہ کروں۔"

سفیر نے جواباً کہلا بھیجا کہ "یہ خبر درست ہے اور آپ بادشاہ کو مطلع فرما دیں۔"
قبل ازیں کہ میں اور کچھ لکھوں اس بندرگاہ کے متعلق حالات لکھنا چاہتا ہوں۔

بندرگاہ سورت

میں نے تین مرتبہ سورت کو دیکھا ہے۔ یہ دریا کے کنارہ سمندر سے نو فرسخ کے فاصلہ پر آباد ہے۔ پہلی مرتبہ جب مینے دیکھا تو سورت اگرچہ بہت آباد تھا مگر فصیلوں سے محصور نہ تھا۔ دریا کے کنارہ صرف ایک قلعہ بنا ہوا تھا۔ دوسرے اور تیسری مرتبہ جب دیکھا تو شہر کی فصیلیں تیار ہو گئی تھیں۔ شاہ اورنگ زیب نے سیواجی کی لڑائی کے وقت یہ شہر پناہ تعمیر کرائی تھی۔ جیسا کہ میں آئندہ بیان کرونگا۔

جب پہلے پہل اس شہر کو دیکھا تو اتنا بڑا شیریں پانی کا دریا جہازوں سے بھرا ہوا دیکھ کر میں بہت مسرور ہوا۔ یہ بڑے جہاز نہ تھے کیونکہ بڑے جہاز یہاں نہیں آسکتے اسی لئے سمندر تک بار کشتیوں پر لیجا کر بڑے جہازات پر لاد دیتے ہیں۔ اور اسیطرح جہازات سے بار یہاں لایا جاتا ہے دریا کے کنارہ پر تھوڑی دیر بھی اگر بیٹھیں تو بیشمار کشتیاں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں اور یہ نظارہ دیکھ کر بیحد مسرت ہوتی ہے۔ یہ ہندوستان کا چونکہ سب سے بڑا بندرگاہ ہے لہٰذا یورپ۔ فارس۔ عرب۔ مکہ بصرہ ساحل ملابار وکارومنڈل۔ موسلی پٹن۔ بنگالہ۔ سیام۔ مالادیو۔ ملاکا۔ چین اور بہت

سے دیگر ممالک کے جہاز یہاں آتے رہتے ہیں۔

جب کوئی ، مال تجارت لے کر یہاں آتا ہے تو ہندو تاجر کپتان جہاز کے پاس جاکر تمام مال ایک مرتبہ فروخت کرنے کے لئے دریافت کرتے ہیں۔ اگر کپتان رضامند ہوگیا تو وہ یا تو نقد روپیہ ادا کردیتے ہیں اور یا اس کے بدلہ میں دوسرا مال تجارت حسب پسند کپتان مہیا کردیا جاتا ہے۔ اس طرح سوداگروں کو وہ مال بہ آسانی مل جاتا ہے جسکی تلاش میں وہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر یہاں آتے ہیں۔

یہاں بڑے بڑے جہاز بہت جلد تیار ہو جاتے ہیں اور ہر چیز متعلقہ خصوصاً عمدہ لکڑی باسانی اور بکثرت بہم ہو سکتی ہے۔ اسی لئے یورپ کے ساختہ جہازات سے یہ جہازات زیادہ مضبوط اور زیادہ عرصہ تک کام دینے والے ہوتے ہیں۔

میرے پہلی مرتبہ آنے کے وقت سورت میں صرف انگریزوں اور ڈچوں کا ایک ایک کارخانہ اور فرانسیسیوں کا ایک چھوٹا سا گرجا تھا۔ اس کے بعد فرانسیسیوں نے یہاں آکر نہایت عمدہ کارخانہ تعمیر کیا۔ سورت میں مسلمان، ہندو۔ انگریز اور ڈچ آباد تھے اب فرانسیسیوں کے آنے سے اس کی آبادی اور بڑھ گئی۔ دریا کے اس طرف سمندر کے کنارہ یوروپین کے باغات ہیں اگر کسی وقت مسلمان اون پر حملہ آور ہوں تو وہ وہاں پناہ گزین ہو سکتے ہیں اور جہازوں کے ذریعہ سے ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

میں یہ دیکھ کر خوش ہوا کہ اکثر باشندے سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں نے یہاں مختلف ملکوں اور وضع کے مرد اور عورات دیکھیں۔ ہندو عورتیں پردہ نہیں کرتیں اور کھلے منہ پھرتی ہیں۔ ایران اور ترکی میں ایسا نہیں وہاں پردہ کیا جاتا ہے۔ کیونکہ مسلمان عورتوں کو مذہبی طور سے بے پردہ رہنے کی ممانعت ہے۔

منجملہ اور باتوں کے جس نے مجھے زیادہ متعجب و پریشان کیا وہ یہ تھی کہ میںنے دیکھا کہ قریب قریب ہر شخص ایک چیز مثل خون کے تھوکتا ہے۔ میںنے خیال کیا کہ یا تو اس ملک میں

یہ کوئی بیماری ہے اور یا اُن کے دانت ٹوٹ گئے ہیں۔ مینے ایک انگریزی خاتون سے یہ حال دریافت کیا اور پوچھا کہ کیا اس ملک میں دانت نکلوانے کا بہت رواج ہے؟

وہ میرے سوال کا مطلب سمجھ گئی اور کہنے لگی کہ یہاں نہ بیماری ہے اور نہ دانت نکلوانے کا دستور ہے بلکہ ایک خاص پتّا جس کو پان کہتے ہیں یہ لوگ چباتے ہیں وہی اسکا باعث ہے۔ یہ کہہ کر اُس نے چند پان طلب کئے۔ خود بھی کھایا اور مجھے بھی کھلایا۔ اُس کو کھا کر ایسا دوران سر ہوا کہ مجھے اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ میرا رنگ متغیر ہو گیا اور گر پڑا۔ اُس خاتون نے مجھے تھوڑا سا نمک کھلایا اُس وقت میرے ہوش و حواس درست ہوئے اور اُسی کی زبانی یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلی مرتبہ جو شخص پان کھاتا ہے اوس کی یہی حالت ہوتی ہے۔

پان ایک درخت کا پتہ ہوتا ہے جس کو ہندوستان میں ہر شخص کتھا۔ چونہ اور چھالیا کے ہمراہ چبانے کا عادی ہے۔ اس کے چبانے سے لب سُرخ ہو جاتے ہیں اور منھ سے خوشبو آتی ہے۔ جو عادی ہیں وہ متعدد مرتبہ پان کے ساتھ تمبا کو بھی کھاتے ہیں ہندوستان کی عورتیں جن کا خاص کام کہانیاں کہنا اور پان کھانا ہے چند منٹ بھی بغیر پان کے نہیں رہ سکتیں،

ہندوستان میں یہ عام رواج ہے کہ اظہار خلق و محبت کے لئے ایک دوسرے کو پان دیتے ہیں۔ خصوصًا بڑے آدمیوں میں یہ قاعدہ ہے کہ ملاقاتی کے رخصت ہوتے وقت ایسا کیا جاتا ہے۔ اور اسے پان سے انکار کرنا بڑی بدتہذیبی اور کج خلقی شمار کیجاتی ہے۔

پارسی

سورت میں ایک فرقہ پارسی کہلاتا ہے جو آتش پرست ہے۔ زمانہ سابق میں

یہ ملک ایران میں بود و باش رکھتے تھے مگر جب وہاں مذہب اسلام رائج ہوا تو بادشاہ نے ان کو بھی مسلمان کرنا چاہا۔ اس لئے اُنہوں نے خفیہ بذریعہ قاصد راجہ سورت سے درخواست کی کہ وہ ان کو معہ اہل و عیال اپنے ملک میں بہ حیثیت رعایا آباد ہونیکی اجازت عطا فرمائے۔ راجہ نے یہ درخواست قبول کر کے اس شرط پر ادن کو آنے اور آباد ہونے کی اجازت دی کہ وہ کبھی نہ گائے کا گوشت کھائیں اور نہ اُسے ماریں۔ اور ان کو وہی حقوق دیئے جائیں گے جو اور رعایا کو حاصل ہیں۔ چنانچہ یہ سورت میں آکر آباد ہوئے اور آج تک سورت اور آس پاس کے دیہات میں کثیر تعداد اُنکی موجود ہے۔

ان کے مذہبی خیالات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر بے احتیاطی سے کسی کے گھر میں آگ لگ جائے تو ہرگز نہیں بجھائی جاتی بلکہ یہ اعلیٰ درجہ کی خوش قسمتی خیال کیجاتی ہے۔ چونکہ یہ آگ کی پرستش کرتے ہیں اس لئے اس دیوتا کی یہ خاص عنایت تصور کرتے ہیں۔ اگر غلطی یا بے توجہی سے کسی کے گھر میں آگ بجھ جائے جس کی وہ ہمیشہ احتیاط رکھتے ہیں تو کسی عزیز کے مرجانے سے زیادہ نوحہ و ماتم کیا جاتا ہے۔ مالک مکان گرو یا پیشوائے مذہب کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی چاہتا ہے جس کی وجہ سے ایسا ظہور میں آیا کہ اُس کے گھر کی آگ بجھ گئی۔ اس گناہ کا کفارہ اس طرح ادا کیا جاتا ہے کہ مجرم یعنی مالک مکان چند معززین قوم کو مدعو کرتا ہے اور یہ نہا کر۔ لباس بدلکر مذہبی پیشوا کے مکان پر جاتے ہیں۔ وہ اوّل ایک مختصر تقریر کرتا ہے اور بعدہ اپنے یہاں سے مالک مکان کو آگ حوالہ کرتا ہے۔ یہ اُس آگ کو باجا بجاتے ہوئے جلوس کے ساتھ مجرم کے مکان تک لاتے ہیں۔ وہاں مجرم یعنی مالک مکان ادن کو کھانا کھلاتا ہے چونکہ سمندر کی وجہ سے انہیں بہت فائدہ پہونچا ہے لہذا اظہار تشکر کے طور پر اُنہوں نے مذہبی طور سے یہ عہد کر رکھا ہے کہ جب سمندر کی یہ حالت ہو کہ متلی اور قے کا باعث ہو تو اُس وقت سمندر میں سفر نہ کریں تاکہ وہ غلاظت سے محفوظ رہے۔

جبکہ میں سورت میں تھا تو شاہجہاں بادشاہ نے حاکم سورت کو سخت چشم نمائی کی تھی کہ جو اعلے درجہ کا کوئی قیمتی موتی وہاں آیا تھا اُسے خرید کر کیوں بادشاہ کی حضور میں نہیں بھیجا۔

واضح ہو کہ بادشاہ کی طرف سے سورت میں جو حاکم مقرر کیا جاتا ہے وہ امیر کبیر عقلمند روشن خیال ہوتا ہے اور ہمیشہ یہاں وہی حاکم مقرر کیا جاتا ہے جس پر بادشاہ کی خاص مہربانی ہوتی ہے۔ گورنر سورت کو یہ شاہی حکم ہے کہ جو بیش قیمت اسباب۔ خوبصورت اور عجیب و غریب چیزیں اُسے مل سکیں اُن کو خرید کر بادشاہ کی حضور میں روانہ کر دیا کرے۔

یہ موتی جس کے سبب سے چشم نمائی کی گئی دراصل سورت میں آیا اور گورنر کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی۔

بالا بالا وہ موتی دہلی پہنچا جس کو بادشاہ نے مناسب قیمت دے کر خرید لیا۔ اسی لئے بادشاہ نے گورنر کو تاکید کی کہ بہترین اشیا خصوصاً گھوڑے اور موتی جو عرب و ایران سے آئیں اونہیں خرید لیا کرے۔

بادشاہ ایسی چیزیں شاہزادوں اور امراء وغیرہ کو باظہار شفقت و عنایت اکثر عطا فرماتے رہتے ہیں اس لئے ان چیزوں کی ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔

ہمنے یہاں چھبیّس روز قیام کیا۔ سورت کی مالگذاری بیگم صاحبہ (جہان آرا بیگم) بنت شاہجہاں بادشاہ کو خرچ پان خوری کے لئے منجانب بادشاہ بطور معافی عطا کی گئی ہے۔

اثنائے قیام میں ہم سفر کی تیاریاں کرتے رہے۔ اپنا وطن وینس چھوڑنے کے بعد مجھے ایسی خوشی اور اطمینان کبھی نصیب نہیں ہوا تھا جیسا سورت کے قیام کے زمانہ میں ہا خصوصاً فرانسیسیوں کے آباد ہونے کے بعد تو یہ دو بالا ہو گیا۔ جب تک ہم سورت میں مقیم رہے انگریزوں نے متمول و معزز سیاحوں اور سفیر کے ساتھ اظہار خلق و محبت میں کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا لیکن سفیر کے ایک دوست صادق نے کہا کہ ان انگریزوں کا ہرگز اعتبار نہ کرنا یہ سب تم کو دھوکے سے پکڑ کر انگلستان روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ انہیں انگریزوں نے سفیر کو

دعوت کے بہانہ سے ایک جہاز پر مدعو کیا جو انگلستان جانے والا تھا۔ درحقیقت اُن کا دلی ارادہ تھا کہ اس بہانہ سے وہاں سفیر کو مقید کر کے جہاز کا لنگر اُٹھا دیں مگر سفیر نے جانے سے انکار کیا اور خوبصورتی کے ساتھ معافی مانگ لی۔

غرض ہمنے اپنا اسباب ایک جگہ جمع کرنا شروع کیا لیکن دقت یہ تھی کہ سفیر کو خرچ کی ضرورت تھی۔ آخر مسٹر جان ہنری ٹینگ نے پوشیدہ طور سے روپیہ اور بادشاہ کی نذر کے لئے کمخواب کے تھان۔ ایک عمدہ گھڑی مع عرب گھوڑا۔ تلوار۔ پستول۔ بندوق اور مختلف سامان تفریح ساختہ یورپ سفیر کے حوالہ کئے۔ ہم حاکم سے پروانہ راہداری لیکر سورت سے روانہ ہوئے اور پندرہ روز کے بعد برہان پور پہنچے جو شاہزادہ اورنگ زیب کا دارالحکومت تھا۔ اگرچہ ہمکو شاہزادہ موصوف سے بہت کچھ باتیں کرنی تھیں مگر ہم شرف ملازمت سے اس لئے محروم رہے کہ شاہزادہ ممدوح اُس زمانہ میں اورنگ آباد تشریف رکھتے تھے۔

باب ۱۸

(باب ۱۸)

برہان پور اوسط درجہ کا بلا شہر پناہ کا قصبہ ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے عہد سلطنت یعنی ۱۶۷۶ء میں اس قصبہ کی شہر پناہ دریا تک تعمیر کرائی جو قصبہ کے قریب ہی جاری ہے۔ یہ دریا کچھ بڑا نہیں لیکن پانی عمدہ اور صاف ہے۔ یہاں ایرانی اور ارمنی سوداگر بہت ہیں۔ یہاں کئی طرح کے کپڑے خصوصاً سرخ و سفید عورتوں کے دوپٹے اور نقاب بنانے کا کپڑا بہت عمدہ تیار ہوتا ہے۔ علاوہ اس کے یہاں لوہا بھی بکثرت ہے۔

میووں میں یہاں ہندوستان کا بہترین پھل آم۔ نارنگی۔ لیمو۔ ترنج انگور اور ہر قسم کی ترکاریاں بافراط ملتی ہیں جس سڑک سے ہم یہاں آئے اوسیر ہیں۔ دیہات شاداب و خوشنما جنگل ہر روز ملتے تھے۔ ان جنگلوں میں قابل شکار جانور ہرن۔ بارہ سنگھے۔ پہاڑے۔ جنگلی بیل۔ طاؤس۔ فاختہ۔ تیتر۔ بٹیر۔ بط۔ مرغابیاں۔ سرخاب اور نیز دیگر اقسام کے پرند و جانور بکثرت ملتے تھے۔

اس سفر میں ہرگز اپنے کارواں سے علیحدہ ہو کر زیادہ فاصلہ پر نہ جانا چاہیئے ورنہ قزاقوں کا خوف ہے یہ لوگ جب کسی کو قافلہ سے الگ دیکھتے ہیں تو اُس کو لوٹ لیتے ہیں۔ چنانچہ ایک موقع پر بہت ممکن تھا کہ مجھ پر بھی یہ آفت آ جاتی۔ میں ایک مرتبہ گھوڑے پر سوار تھا اور قافلہ سے الگ ہو کر مور کو شکار کرنا چاہتا تھا کہ تیر و کمان لئے ہوئے دو آدمی آئے اور مجھے اپنے پاس بُلایا۔ میں نے اُن کا مطلب سمجھ کر گھوڑے کو اُس طرف بڑھایا جدہر میرا قافلہ جا رہا تھا اور ان آدمیوں کو دیکھتا رہا۔ یہ دیکھ کر اونہوں نے تیر کمان میں رکھ کر میری طرف چلانا چاہا۔ میں نے بھی گھوڑا روک لیا اور بندوق کا رخ اُن کی طرف کر کے نشانہ باندھنے لگا۔ وہ مرے استقلال سے خوف زدہ ہوئے اور عاجزی کے طور پر اپنے ہاتھ پیشانیوں پر رکھے اور بعدہ بھاگ گئے۔ اسی روز سے مجھے یہ تجربہ ہوا کہ ہرگز اس طرح شکار کو نہ جانا چاہیئے۔ بلکہ جب کوئی گاؤں آئے تو اُس کے قریب شکار کھیلنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

آٹھ روز تک ہم برہان پور ٹھہرے رہے اور بعد ازاں روانہ ہوئے چھ روز کے بعد ہم دریائے نربدا پر پہونچے جس کے کنارہ پر قصبہ ہنڈیا نہ آباد ہے۔ لب دریا یہاں ایک چھوٹا سا قلعہ بھی بنا ہوا ہے۔ یہ دریا گہرا اور چوڑا ہے جس میں پتھروں کی کثرت ہے۔ یہ ہندوستان اور دکن کے درمیان میں حدفاصل ہے۔

ہمنے دریا کو عبور کیا اور آٹھ روز جنگل میں سفر کرنے کے بعد ایک بڑے قصبہ میں پہُنچے جس کا نام سرونج تھا اور جسے زمانہ قدیم میں کسی ہندو راجہ نے آباد کیا تھا۔ مگر اب سلطنت مغلیہ اس کی مالک ہے۔ یہ قصبہ چند ہندو راجپوت راجاؤں کے علاقوں کی سرحد پر واقع ہے جنمیں سب سے بڑا راجہ چمپت رائے بندیلہ ہے۔ جس کا ملک آگرہ سے بیس فرسخ ہے اور پندرہ ہزار سواروں و تین لاکھ پیادوں کا سردار ہے۔

یہاں سفید اور چھپا ہوا کپڑا اچھا تیار ہوتا ہے۔ ارمنی سوداگر جو یہاں رہتے ہیں وہ یہ کپڑا خرید کر مختلف ملکوں کو روانہ کرتے ہیں۔ کبھی کبھی انگریز بھی اس کپڑے کا کاروبار کرنے یہاں آتے

ہیں چمپت رائے بندیلہ چونکہ سلطنت مغلیہ کا مخالف ہے اس لئے اُس نے اس قصبہ کو لوٹنے کی کئی مرتبہ کوشش کی لہذا سلطنت کی طرف سے یہاں کافی فوج ایک افسر کی ماتحتی میں رہتی ہے۔ کئی مرتبہ لڑائیاں بھی ہوئیں اور مغلوں کو بعض موقعوں پر شکست بھی ہوئی۔ ان ہندو راجوں کی وجہ سے یہ راستہ بہت مخدوش ہے۔

مسافروں کے آرام کے لئے شاہی علاقہ میں ہر منزل پر سرائیں بنی ہوئی ہیں جو پتھر یا اینٹ کی مضبوط دیواروں سے محصور ہیں۔ ہر سرائے میں ایک آدمی مقرر ہے جو آفتاب غروب ہونے کے بعد دروازہ بند کر دیتا ہے۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ آواز دیتا ہے کہ ہر شخص اپنے اسباب کی حفاظت رکھے۔ اپنے گھوڑوں کو اگاڑی پچھاڑی لگا کر باندھ دے۔ اور کتوں سے ہوشیار رہے۔ ہندوستان کے کتے بڑے چالاک اور چور ہوتے ہیں۔

علی الصباح دروازہ کھولنے سے پیشتر چوکیدار تین مرتبہ بلند آواز سے مسافروں کو مطلع کرتا ہے کہ دروازہ کھلنے سے پہلے اپنے اسباب وغیرہ کو دیکھ بھال لیں۔ اگر کسی مسافر کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے تو دروازہ اُس وقت تک نہیں کھولا جاتا جب تک گم شدہ اسباب نہ مل جائے۔ کیونکہ یقیناً چور سرائے ہی کے اندر ہوتا ہے اور جب اُسے معلوم ہو جاتا ہے کہ مالک کو خبر ہو گئی تو اکثر نامعلوم طور سے گم شدہ چیز کسی جگہ ڈال دیتا ہے۔

یہ سرائیں صرف مسافروں کے واسطے بنائی گئی ہیں سپاہی فوج اس میں قیام نہیں کرتی۔ ... ۸ سے ... اتک مسافر معہ اپنے گھوڑوں۔ اونٹوں۔ اور گاڑیوں کے ان میں قیام کر سکتے ہیں۔ بلکہ بعض سراؤں میں اس سے بھی زیادہ گنجائش ہے۔ ان میں کوٹھریاں۔ چھوٹے بڑے کمرے اور برآمدے بنے ہوئے اور صحن میں متعدد سایہ دار درخت نصب ہوتے ہیں۔ سامان خوراک کی دوکانیں بھی احاطہ کے اندر ہوتی ہیں۔ عورتوں کے قیام کے واسطے علیحدہ جگہ ہوتی ہے۔ بادشاہ ہمایوں کے حال کے ساتھ میں ان سراؤں کا مفصل ذکر کرونگا۔

سرونج میں چار روز قیام کرنے کے بعد ہم پہاڑوں سے گذرتے ہوئے روانہ ہوئے

راستے میں خوبصورت درخت اور چشمے ملتے رہے جن کا پانی صاف اور خوشگوار تھا۔ چھ روز کے بعد ہم نزدر پہنچے جو ایک پہاڑی ٹیلہ کے دامن میں ہے جس کا محیط چھ فرسخ ہے۔ اس پہاڑی کی سب سے اونچی چوٹی پر ایک قلعہ بنا ہوا ہے جس کا محیط تقریباً دو میل ہوگا۔ جس کو زمانہ قدیم میں کسی ہندو راجہ نے بنایا تھا۔ بوجہ امتداد زمانہ اس کی دیواریں جا بجا سے شق ہوگئی ہیں اور سلطنت کی طرف سے اس کی مرمت نہیں کیجاتی۔ سلاطین مغلیہ کا یہ اصول ہے کہ ہندوؤں کے جن قلعوں وغیرہ پر ان کا قبضہ ہو جاتا ہے ان کو مسمار کر دیتے ہیں۔ تاکہ وہ پھر کبھی بغاوت نہ کر سکیں۔ ہم نے نزدر میں قیام نہیں کیا۔ پانچ روز کے بعد ہم گوالیار کے مشہور قلعہ پر پہونچے جس کو سلاطین مغلیہ شاہزادوں اور امرا کے لئے بطور قید خانہ استعمال کرتے ہیں یہ قلعہ ایک پہاڑ پر بنا ہوا ہے جس کی تین فرسخ چڑھائی ہے۔ چاروں طرف مسطح اور ہموار زمین ہے اور اس لئے قریب سے اس پر حملہ کرنا ناممکن ہے۔ پہاڑ پر چڑھنے کے لئے صرف ایک سڑک ہے جس کے دونوں طرف دیواریں اور تھوڑی تھوڑی دور پر دروازے بنے ہوئے ہیں جن پر پہرہ رہتا ہے۔ باقی پہاڑی قدرتی طور سے مثل دیوار کے ہے۔ اس پہاڑ کے چاروں طرف کوشکیں۔ کوٹھریاں۔ کمرے اور برآمدے مختلف وضع کے بنے ہوئے ہیں۔ پہاڑ پر ایک میدان ہے جس میں شاندار محلات ہیں اور بالاخانے اور کھڑکیاں مختلف اقسام کے پتھروں سے تعمیر کی گئی ہیں باغات متعلقہ پہاڑی چشموں سے سیراب ہوتے ہیں جن میں سرو اور طرح طرح کے خوبصورت درخت اسقدر بلند ہیں کہ دور سے نظر آتے ہیں۔ یہاں روغن چمیلی ایسا عمدہ تیار ہوتا ہے کہ تمام ملک میں کہیں ایسا روغن نہیں ہوتا۔ پہاڑ کے علاوہ جس قدر مسطح زمین ہے وہاں چمیلی کے درخت ہیں۔ اس علاقہ میں متعدد لوہے کی کانیں ہیں جن سے مختلف اقسام کی اشیا تیار ہو کر ملک کے ہر حصہ کو روانہ کیجاتی ہیں۔ شہر دامن کوہ میں آباد ہے۔ یہاں کثرت سے گویے رہتے ہیں۔ بہت سے آدمیوں کا قول ہے کہ اسی پہاڑ سے مہادیو جی نے ہندو موسیقی کو رواج دیا تھا۔

تین روز بعد ہم دریائے چمبل پر پہونچے جسپر دہولپور آباد ہے۔ جہاں ۱۶۵۶ء میں (۱۶۵۸ء صحیح ہے) اورنگ زیب اور داراشکوہ کی لڑائی ہوئی تھی جس میں میں خود شریک تھا اور جسکا مفصل حال آیندہ بیان کروں گا۔ بعدازاں چار روز بعد ہم آگرہ پہونچے۔ ہمنے سورت سے آگرہ تک ۲۶۰ فرسخ کا فاصلہ طے کیا۔ یہاں گورنر نے ہمارے قیام کے لئے نہایت عمدہ مکان تجویز کیا۔

زمانہ قیام آگرہ میں تمام انگریز جن کے یہاں کارخانے تھے سفیر سے ملاقات کے لئے آئے اور اپنی خدمات پیش کرنے کے بعد تحائف اور ہدیے پیش کئے جن کو سفیر نے قبول نہ کیا۔ چند ملاقاتوں کے بعد اُنھوں نے سفیر کی دعوت کی اور اپنے ملک کے رواج کے موافق شراب اور کھانا مہیا کیا۔ سفیر کو یہاں کی گرمی سے سخت اذیت ہوئی۔ اور انگریزوں نے اُسے ایک سفوف دیا کہ اگر اسکو مشروبات میں ملاکر پیا جائے تو گرمی کی تکلیف سے بہت کچھ نجات مل سکتی ہے۔

چند روز کے بعد ہم جانب دہلی روانہ ہوئے جہاں شاہجہاں بادشاہ تشریف رکھتے تھے۔ آگرہ سے روانہ ہونے کے تین روز بعد شام کے وقت جبکہ منزل سامنے نظر آرہی تھی سفیر نے مجھے نہایت تکلیف کی حالت میں آواز دیکر پانی پلانے کے لئے کہا۔ ہنوز میں پانی لانے بھی نہ پایا تھا کہ سفیر کا انتقال ہو گیا۔ یہ واقعہ ۲۰ جون ۱۶۵۳ء (صحیح ۱۶۵۶ء) کو پانچ بجے شام کے ہوا۔ ہم سفیر کی لاش کو ہوڈل[۵] کی سرائے میں لے گئے جو دہلی اور آگرہ کے درمیان میں ہے۔ چونکہ دیر ہو گئی تھی اس لئے ہمنے لاش رات کو دفن نہیں کی۔ سرائے کے محافظ نے مقامی حاکم کو اس کی اطلاع دی جس نے فوراً موقع پر پہونچکر ہمارے کل اسباب کی گٹھریوں اور صندوقوں کو سربمہر کر کے لیجانے کی ممانعت کر دی۔

میرے دریافت کرنے پر افسر مذکور نے کہا کہ یہاں کا یہی رواج ہے۔ چونکہ یہ ایک سفیر

---

[۵] ہوڈل ضلع گوڑگانواں میں ایک قصبہ جی۔ آئی۔ پی ریلوے کی اس شاخ پر واقع ہے جو دہلی سے بمبئی جاتی ہے جہاں اس نام کا اسٹیشن بھی ہے۔ یہ دہلی سے [illegible] میل اور آگرہ سے [illegible] میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۲

کا مال ہے اس لئے دربار شاہی سے جیسا حکم آئے گا اس کی تعمیل کیجائیگی۔

رات کے سات گھنٹے گذرنے کے بعد دفن کرنے کے لئے لاش کو پالکی سے نکالا۔ صبح صادق کے قریب ہم دفن کرنے لیچلے۔ میں لاش کا بازو پکڑ کر اٹھانا چاہتا تھا جبکہ میں یہ کوشش کر رہا تھا تو لاش کا ایک آبلہ ٹوٹ گیا جس سے اسقدر سخت بدبو نکلی کہ لاش کے نزدیک جتنے آدمی تھے اون میں ایک سے بہی نہ ٹھہرا گیا۔ لہذا ہمنے لاش کا اٹھانا ملتوی کیا اور طلوع آفتاب کے منتظر رہے۔ جب دن نکل آیا تو جس طرح بہی ہوسکا لاش کو صندوق میں رکھکر ایک تالاب کے کنارہ متصل قصبہ دفن کر کے نشان بنا دیا۔ تاکہ اگر کبھی اس کی ہڈیاں دوسری کسی شایان شان جگہ منتقل کیجائیں تو جگہ شناخت کرنے میں غلطی نہو۔ چنانچہ پندرہ ماہ کے بعد یہ لاش یہاں سے آگرہ منتقل کی گئی۔

سفیر کی وفات کے بعد تمام ملازمین فرار ہوگئے اور میں تنہا رہگیا۔ میرے پاس نہ تو کچھ خرچ کرنے کو تہا اور نہ کوئی ایسا شفیق تہا جو مرادہ اسباب واپس دلاتا جو سفیر کے اسباب کے ساتھ سربمہر ہوگیا تہا باوجودیکہ کنجیاں میرے قبضہ میں تہیں۔

باب ۱۹

سفیر کو دفن کرنے کے بعد میں نے انگریزی کارخانہ آگرہ کو سفیر کے مرنے اور اس کے اسباب وغیرہ لیجانے کی ممانعت کا ہونے کا مفصل حال لکھا۔ اور آخر میں ان سے چند سفارشی خطوط روانہ کرنے کی استدعا کی۔ مگر وہاں سے کوئی جواب نہ آیا۔ آٹھ روز کے بعد دو انگریز جن میں سے ایک کا نام ٹامس روچ (Thomas Roach) اور دوسرے کا ریوبن اسمتھ (Reuben Smith) تہا عمدہ لباس پہنے ہوئے آئے یہ شاہجہاں بادشاہ کے توپخانہ میں ملازم تھے۔ جب وہ مجہسے ملے تو میں نے ان کے آنے کی غرض دریافت کی تو اونہوں نے کہا کہ وہ بادشاہ

کے حکم سے سفیر کا اسباب وغیرہ لینے کے واسطے آئے ہیں جو ضبط کر لیا گیا ہے میں نے اونہیں تحریری حکم و کہانے کو کہا تو ہنس کر کہنے لگے کہ تم اس میں دخل دینے والے کون ہو۔ میں نے جواب دیا کہ میں سفیر کا ملازم ہوں اور تمام اسباب میری سپردگی میں تہا۔ میں چاہتا ہوں جو میرا ذاتی اسباب ہے یعنی دو بندوقیں۔ چار پستول۔ کپڑے اور متفرق سامان وہ مجھے دیدیا جائے کیونکہ یہ سفیر کے اسباب سے علیحٰدہ رکہا ہوا ہے۔ یہ سنکر اونہوں نے صرف یہی جواب دیا کہ اب تو تمام سامان بادشاہ کا ہو گیا۔ یہ کہہ کر وہ مقامی حاکم کی تلاش میں چلے گئے جس نے مہر کر کے اسباب پر پہرہ قائم کر دیا تہا۔ ان انگریزوں نے حاکم کی اجازت حاصل کرنے کے بعد تمام اسباب اپنے قبضہ میں لے لیا اور دہلی چلنے کی تیاری کرنے لگے۔

میں نے بہی اون کے ساتھ جانے کا ارادہ کر لیا۔ راستہ میں اونہوں نے مجھ سے ذرا بہی خوش خلقی اور مہربانی کا برتاؤ نہیں کیا۔ جیسے ایشیا میں ایک یورومین دوسرے کے ساتھ پیش آتا ہے اگرچہ وہ مختلف نسلوں کے ہوں۔ میں نے چند مرتبہ اُن کو خدا کا واسطہ دیکر کہا کہ جو میرا اسباب ہے وہ میرے حوالہ کر دیں مگر وہ مجھے کم عمر جان کر کہتے لگے کہ یا تو تم اپنی زبان بند رکہو ورنہ ہم تمہارا گھوڑا اور اسلحہ چھین لیں گے۔ یہ سُنکر مجبوراً میں خاموش رہا۔ مگر اون کا ساتھ نہ چھوڑا۔

تین روز کے بعد ہم دہلی پہونچے۔ انگریزوں نے تمام اسباب ایک سرائے کی کوٹھری میں رکھکر قفل کو سربمہر کر دیا اور مجھے وہاں سے چلے جانے کو کہا۔ میں نے اُن سے پہر درخواست کی کہ وہ میرا اسباب میرے حوالہ کر دیں مگر ہنس ہنس کر وہ مذاق اُڑاتے رہے اور وہی معمولی جواب دیا۔ جب وہاں سے چلنے لگا تو میں نے اُن سے بہ لجاجت کہا کہ مجھے اپنے ناموں سے تو آگاہ کر دیں کیونکہ اگر کوئی مجھ سے سفیر کے سامان کا مطالبہ کرے، تو میں تم دونوں کے نام بتا سکوں۔

میں یہ دیکھ کر متعجب تہا کہ سفیر کا جو اسباب یہ انگریز بادشاہ کے حکم سے لائے اوسے

سرائے میں رکھا گیا۔ لہٰذا میں نے اُن سے دریافت کیا کہ کیا بادشاہ کے یہاں کوئی مکان نہ تھا جہاں یہ اسباب رکھا جاتا۔ میرے سوالات سُن کر دونوں ہنسنے لگے اور کچھ جواب نہ دیا۔

اُس سرائے کی کوٹھری میں میں نے بھی قیام کیا۔ مجھے اُن دونوں انگریزوں کے نام بھی معلوم ہوگئے اور میں اس فکر میں تھا کہ اپنا اسباب واپس لینے کی کیا تدبیر کروں۔ ناگاہ ایک فرانسیسی سے میری ملاقات ہوئی جس کا نام کلوڈیو ملیر (Clodio Maliee) تھا جو شاہزادہ داراشکوہ فرزند اکبر شاہجہاں بادشاہ کے توپ خانہ میں ملازم تھا۔ میں نے اُس سے تمام حال بیان کیا۔ اس فرانسیسی نے مجھے یقین دلایا کہ ان انگریزوں نے سفیر کا اسباب ہرگز بادشاہ کے حکم سے نہیں لیا۔ بلکہ واقعی حال یہ ہے کہ سفیر کے مرنے کی خبر سُنکر ٹامس روچ نے ایک عرضی شاہزادہ داراشکوہ کے حضور میں اس مضمون کی روانہ کی کہ "میرا ایک رشتہ دار ادریموطن اس ارادہ سے وارد ہندوستان ہوا تھا کہ سلسلہ ملازمین حضور میں داخل ہوکر خدمت بجا لائے۔ لیکن یہ شرف اُس کی تقدیر میں نہ تھا اور وہ سرائے ہوڈل میں مرگیا۔ مقامی حاکم نے حسب قاعدہ اُس کے اسباب پر قبضہ کرلیا لہٰذا امیدوار ہوں کہ حاکم مذکور کو یہ ہدایت فرمائی جائے کہ وہ اسباب میرے حوالہ کرے"۔

شاہزادہ دارا نے ٹامس روچ کی منشا کے موافق حکم جاری کردیا۔ ریوبن اسمتھ کو کسی طرح یہ حال معلوم ہوگیا اور اُس نے ٹامس روچ سے کہا کہ اگر نصف مال اُسے نہ تقسیم کیا گیا تو وہ سارا راز فاش کردیگا۔ اس لئے ریوبن اسمتھ اُس کے ساتھ ہوڈل گیا تھا۔

کلوڈیو ملیر جب مجھے یہ حال سُنا کر اور امداد کا وعدہ کرکے رخصت ہوا۔ میں چونکہ ترکی۔ فارسی زبانیں بخوبی جانتا تھا اور مغلیہ دربار میں اکثر زبان فارسی کا رواج تھا۔ لہٰذا ان زبانوں کی واقفیت کے بھروسہ پر میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ وزیر خاں[1] نائب وزیر کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنا دعویٰ

---

[1] مصنف کی مراد یقیناً یہاں شاہی وزیر سے نہیں ہے۔ بلکہ یہ وزیر خاں شاہزادہ داراشکوہ کا دیوان تھا جس کا نام محمد صالح تھا۔ یہ محمد صالح مخاطب بہ وزیر خاں سموگڈہ کی لڑائی میں جون ۱۶۵۸ء (۱۰۶۸ ہجری) کو مارا گیا۔ تاریخ محمدی

پیش کروں۔ چنانچہ میں وزیرخاں کے مکان پر گیا اور بعد اجازت باریاب ہو کر تمام حال عرض کیا اس نے مجھے اپنے مقابل اور اپنے لڑکے کے پہلو میں بٹھایا جو میرا ہم سن تھا۔ وزیرخاں نے مجھ سے دریافت کیا کہ آیا میں آداب شاہی بجا لانے کے طریقہ سے واقف ہوں؟ جب میں نے اقرار کیا تو اس نے بہ نظر اطمینان خواہش کی کہ میں اس کے سامنے اسی طریق سے آداب بجا لاؤں چنانچہ میں اول سیدھا کھڑا ہوا اور پھر اسقدر خم ہوا کہ میرا سر زمین کے قریب پہونچ گیا۔ اول اپنا داہنا ہاتھ پشت کی طرف سے زمین پر رکھا۔ بعدہ اٹھا کر سر پر رکھا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا اسی طرح میں تین مرتبہ آداب بجا لایا۔

وزیرخاں ایک غیر ملک کے باشندہ کو جو ابھی بالکل نوعمر اور نووارد ہے اس طرح باقاعدہ آداب شاہی بجا لاتے ہوئے دیکھ کر نہایت خوش ہوا۔ میں اس وقت ترکوں کی وضع کا لباس پہنے ہوئے تھا۔ سُرخ مخمل کا عمامہ نیلے فیتہ کے ساتھ میرے سر پر تھا۔ اور اسی رنگ کے ریشمی کپڑے کا لباس تھا اوسپر دوسرے کپڑے کا کوٹ تھا جس کی زمین سُرخ تھی اور اوسپر سُنہری پھول تھے وزیرخاں نے مجھ سے ایسی وضع اختیار کرنے کا سبب دریافت کیا۔ اور یہ بھی سوال کیا کہ مغلوں کی وضع کیوں اختیار نہیں کی۔ میں نے اس سے اپنے سفر کا حال بیان کیا جو میں نے مختلف ممالک میں کیا تھا۔

اسی اثنا میں اطلاع پہونچی کہ آج ہی دربار شاہی منعقد ہوگا۔ یہ سُن کر فوراً وزیرخاں مجھے ساتھ لیکر محل شاہی کو روانہ ہوا۔ اس نے مجھے سمجھا دیا کہ جس وقت بادشاہ کی حضور میں پہونچوں تو اسی طرح آداب بجا لاؤں جس طریق سے میں وزیرخاں کے سامنے بجا لایا تھا۔ ہمارے پہونچنے سے قبل شاہ تخت پر جلوہ افروز ہو چکے تھے وزیرخاں نے دو چوبداروں کو مجھے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ اور وہ خود بادشاہ سے کچھ باتیں کرتا رہا۔ چوبداروں نے مجھے بادشاہ کے سامنے پچاس قدم کے فاصلہ پر لا کر کھڑا کیا اور میں منتظر تھا کہ جس وقت بادشاہ سر اٹھائیں تو آداب بجا لاؤں۔ میں نے دیکھا کہ وزیرخاں جب کٹہرہ (پنجرہ) کے قریب پہونچا تو ایک مرتبہ اسی طرح آداب بجا لایا

جس طرح میں نے اُس کے مکان پر ادا کیا تھا۔ اور تخت کے قریب پہونچکر تین تسلیمیں کیں۔ اس کے بعد بادشاہ سے کچھ عرض کرنا شروع کر دیا۔ چند فقرے عرض کرنے کے بعد اُس نے اُس طرف کو ہاتھ کا اشارہ کیا جہاں میں کھڑا ہوا تھا اور یقیناً بادشاہ کو میرا نشان دیا۔ بادشاہ نے میری طرف دیکھا تو چوبداروں کی ہدایت کے موافق اُس وقت میں آداب شاہی بجالایا۔ وزیر خاں بادشاہ سے گفتگو کرتا رہا جسے بوجہ دوری میں نہ سُن سکا۔

تمام درباری کھڑے ہوئے تھے صرف شاہزادہ داراشکوہ ابن شاہجہاں بادشاہ تخت کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ مگر اُس کی جگہ تخت سے نیچی تھی۔

شاہی تخت حرم سرا کے دروازہ کے بالکل نزدیک اس طرح تھا کہ بادشاہ حرم سرا سے برآمد ہوتے ہی تخت پر متمکن ہو سکیں۔

یہ تخت مثل میز کے ہے اور مختلف اقسام کے جواہرات اور سونے دینے کے پھولوں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ تین تکئے رکھے ہوئے تھے جن میں سے ایک تکیہ بڑا اور گول تھا جسکا محیط تقریباً پچاس انچ ہوگا اور یہ کمر سے لگا ہوا تھا۔ دو تکئے مربع تھے جو ہر ایک پہلو میں رکھے ہوئے تھے۔ مسند بھی نہایت خوبصورت تھی۔ ترکی اور ہندوستان میں بادشاہ کرسی پر نہیں بیٹھتے بلکہ قالین یا مسند پر چار زانو بیٹھتے ہیں۔

تخت کے چاروں طرف ایک قدم کے فاصلہ پر طلائی کٹہرہ ہاتھ بھر اونچا لگا ہوا ہے (جسکو پنجرہ کہتے ہیں) اور اُس کے اندر سوائے بادشاہ کے فرزندوں کے کوئی داخل نہیں ہو سکتا اس جنگلہ میں داخل ہونے سے پہلے شہزادے اول بادشاہ کے سامنے حاضر ہو کر آداب بجا لاتے ہیں اور بعدہ حرم سرا میں جاکر اسُی دروازہ سے جس سے خود بادشاہ برآمد ہوئے تھے داخل پنجرہ ہوتے ہیں۔ اور پھر آداب بجالاتے ہیں۔ شاہ کا اشارہ پاکر اپنی جگہ بیٹھ جاتے ہیں جو تخت سے نیچے اور ایک سمت میں ہوتی ہے۔

تخت شاہی سے چند فٹ نیچے وزیر اور بڑے بڑے عہدہ داروں کی جگہ ہوتی ہے جس کے

گرد نقرئی جنگلہ ہوتا ہے۔ اس کے قریب ہی گرزبردار طلائی گرز لئے کھڑے رہتے ہیں۔ جن کا کام شاہزادوں یا اہل خاندان شاہی کو حکم پہونچانا ہے۔ چند قدم کے فاصلہ پر سرداران فوجی و ملکی وغیرہ کی جگہ ہے یہاں بھی گرزبردار نقرئی گرز لئے کھڑے رہتے ہیں جو گورنروں۔ ناظموں۔ اور افسران وغیرہ کو احکامات شاہی پہونچاتے ہیں۔ یہ جگہ سرخ لکڑی کے کٹہرہ سے گھری ہوئی ہے اور درباری اس جنگلہ کی طرف پشت کرکے کھڑے ہوتے ہیں۔

اس دربار کے مکان میں بیس خوبصورت ستون ہیں جو چھت کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ جہاں چاندی کا کٹہرا ہے وہیں تک یہ چھت ہے اور نصف حصہ میں کمخواب کا شامیانہ تنا ہوا ہے۔ شاہی تخت پر بھی مکلف شامیانہ چار چاندی کی چوبوں پر کھچا ہوا ہے۔

لکڑی کے کٹہرہ کے باہر ایک میدان ہے جہاں چوبی جنگلہ کے پاس ہی دونوں طرف نو نو گھوڑے زین بستہ کھڑے رہتے ہیں۔ ستونوں کے پاس دربار کے موقع پر چند ہاتھی بھی لائے جاتے ہیں (جن کا ذکر ہاتھیوں کے بیان میں کیا جائیگا) ان گھوڑوں کے پیچھے جن کا ابھی ذکر کیا گیا چار آراستہ وپیراستہ ہاتھی بھی ہوتے ہیں۔ میدان میں کافی تعداد فوجی سپاہیوں کی پہرہ کے لئے تیار رہتی ہے۔ سب سے آخر میں ایک بڑا کمرہ ہے جس میں ناچنے گانے والے اپنے ساز لئے ہوئے موجود رہتے ہیں اور بادشاہ کے برآمد ہوتے ہی یہ بلند آواز سے گانا بجانا شروع کردیتے ہیں اور سب کو معلوم ہو جاتا ہے کہ بادشاہ سلامت دربار میں تشریف لے آئے۔

دربار کی خاموشی اور ترتیب تعجب انگیز ہوتی ہے۔ خاص اسی لئے چند عہدہ دار مقرر ہیں۔ ان میں سے چند طلائی عصا لئے ہوئے نقرئی جنگلہ کے اندر دیکھتے رہتے ہیں کہ کوئی ابتری نہ ہونے پائے۔ اور چند چوبدار نقرئی عصا لئے ہوئے اس بات کی نگرانی کرتے رہتے ہیں کہ دربار میں کوئی ایسی بات نہ ہونے پائے جو بادشاہ کے خلاف مزاج ہو۔

جب مجھے دربار سے رخصت ہونے کی اجازت ہوگئی تو میں دو عہدہ داروں کے ہمراہ

سرائے میں واپس آیا۔ اور اپنی جائے قیام اور وہ کوٹھری جس میں انگریزوں نے سفیر کا اسباب وغیرہ رکھا تھا دکھائی۔ اونھوں نے مہر توڑ کر سفیر کا تمام اسباب نکلوایا اور اپنے ہمراہ لے گئے۔

دوسرے روز صبح کے چھ بجے وزیر خاں کے دو ملازم مجھے بلانے کے واسطے آئے۔ جب میں حاضر ہوا تو وزیر خاں اُسی مکان میں بیٹھا ہوا تھا جہاں پہلے روز میں نے اپنا حال عرض کیا تھا۔ جب میں وہاں داخل ہوا تو میں نے سفیر کا اسباب رکھا ہوا دیکھا۔ وزیر خاں نے خندہ پیشانی کے ساتھہ مجھ سے دریافت کیا کہ میں اُن دونوں انگریز چوروں کو شناخت کر سکتا ہوں جن سے مجھے تکلیف پہونچی اور ہاتھہ سے ایک طرف کو اشارہ کیا۔ میں نے جب اُس طرف دیکھا تو دونوں مکار انگریزوں کو ہتکڑی بیڑی اور گلے میں آہنی طوق پہنے شرم سے گردن جھکائے اپنی جانوں سے ناامید کھڑے ہوئے پایا۔

وزیر خاں کی اجازت سے میں نے دونوں انگریزوں سے کہا کہ "میں ایمانداری سے تمام مال و اسباب میں سے صرف وہی اسباب لینا چاہتا تھا جو میری ملکیت تھا مگر تم بلا استحقاق تمام مال پر اپنا قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ تم اپنی بیجا طمع کی وجہ سے اس مصیبت میں مبتلا ہوئے اور پھر بھی کچھ ہاتھہ نہ آیا۔ اگرچہ تم نے میرا مذاق اڑایا سخت و سُست کہا اور مجھ سے کچھ ہمدردی نہیں کی لیکن میرے دل میں تمہاری محبت ہے اور تم کو اس حال میں دیکھہ کر محزون و ملول ہوں تم اطمینان رکھو کہ میں تم سے ہرگز ایسا برتاؤ نہ کرونگا جیسا تم نے ہوٹل کی سٹرک پر میرے ساتھہ کیا تھا۔"

وزیر خاں نے مجھے حکم دیا کہ سفیر کے تمام مال و اسباب کی پڑتال کر کے دیکھوں کہ کوئی چیز کم تو نہیں ہے اگر ایسا ہو تو اُس کی قیمت ان دونوں ملزموں سے وصول کیجائے۔

میں نے سب کے سامنے پڑتال کی اور کسی چیز کی کمی نہ پائی۔ جو میرا اسباب تھا اُس کو علیحدہ کر دیا اور وزیر خاں سے درخواست کی کہ یہ مجھے عطا فرمایا جاوے۔ میں نے وزیر خاں کو اس بات سے بھی مطلع کر دیا کہ سفیر کے اسباب میں سے اکثر اسباب ایک انگریز سوداگر

مسمی بہ مسٹر جان ہنری نیگ کا ہے جو سورت میں رہتا ہے۔ سفیر نے یہ اسباب اُس سے لے کر قیمت ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

وزیر خاں نے اپنے لڑکے کی برابر مجھے بٹھا لیا جو اُس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور مجھ سے ارشاد کیا کہ اگر تم میرے یہاں رہو تو میں تم کو مثل اپنے لڑکے کے رکھوں گا اور اس مال سے بہت زیادہ تم کو عطا کروں گا۔ اگر تم یہ بات منظور نہ کرو گے تو یاد رکھو تمہیں کچھ بھی نہ دیا جائیگا۔ میں نے جواب دیا کہ ہرگز میں آپ کے یہاں نہیں رہ سکتا۔ مجھے اپنے مال و اسباب کے نہ ملنے کا ذرا بھی رنج نہیں البتہ اگر مسٹر جان ہنری نیگ کا اسباب اوس کو نہ دیا گیا تو مجھے سخت قلق ہوگا۔ اسپر مجھسے کہا کہ سفیر اور ہنری نیگ کا اسباب الگ الگ کردو۔ چنانچہ میں بتاتا رہا اور اُس کا منشی ایک کاغذ پر لکھتا گیا۔ بعد ازاں میں نے عرض کیا کہ اس اسباب کے علاوہ ایک عربی گھوڑا ہے جو آپ کے قبضہ میں ہے وہ بھی ہنری نیگ کا ہے اور آٹھ ہزار روپیہ سفیر نے اُس سے قرض لئے تھے وہ بھی واجب الادا ہیں۔ اس کے بعد مینے اپنے قیام گاہ کو آنے کی اجازت چاہی اور وزیر خاں نے مجھے دو روز بعد آنے کی ہدایت کی۔

دو روز بعد جب میں وزیر خاں کی خدمت میں حاضر ہوا تو اوس نے مجھے مطلع کیا کہ تمام حال جہاں پناہ کی حضور میں عرض کر دیا گیا اور اونہوں نے حکم دیا ہے کہ سوائے عربی گھوڑے کے سب اسباب حاکم سورت کے پاس روانہ کر دیا جائے کہ وہ مسٹر جان ہنری نیگ کو حوالہ کر دے۔ اور دو ہزار روپیہ بابت قیمت اسپ بھی ہنری نیگ کو حاکم مذکور کی معرفت دیے جائیں۔ میں نے اپنے اسباب کی واپسی کی پھر درخواست کی مگر یہی جواب ملا کہ کل سامان سورت روانہ کیا جائیگا۔ اگر مسٹر جان ہنری نیگ تمہیں دینا پسند کرے تو وہ تم کو دے سکتا ہے۔ لیکن تم اگر میرے پاس رہو تو نہ صرف یہ اسباب بلکہ اس سے کہیں زیادہ میں تم کو دوں گا۔ اور مثل اپنے فرزندوں کے رکھوں گا۔ اسی قسم کے بہت سے وعدے کئے۔ میں نے ان تلطف آمیز الفاظ کا کئی مرتبہ شکریہ ادا کرنے کے بعد عرض کیا کہ بوجہ عیسائی

ہونے کے یہ ناممکن ہے کہ اس طرح میں آپ کے یہاں رہوں۔ وزیرخاں نے میری بات کاٹ کر غصہ سے کہا کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تم بادشاہ کے غلام ہو۔ یہ سُنکر میں بھی کھڑا ہو گیا اور کہا کہ اہل یورپ کسی کے غلام نہیں ہو سکتے۔ یہ کہہ کر میں عجلت کے ساتھ وہاں سے باہر آیا اور دل میں کہتا تھا کہ یہاں رہنے سے جان دینا آسان ہے۔ باہر آکر میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے تیزی سے چلایا۔ کیونکہ مجھے خوف تھا کہ وزیرخاں میرے گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ نہ کردے۔ میرے سائیس نے مجھے اطلاع دی کہ دو پیدل سپاہی میرے تعاقب میں آرہے ہیں میں نے طپنچہ کو پایہ پر چڑھایا اور گھوڑہ کو روک کر دریافت کیا کہ وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔ دونوں نے ادب سے سلام کرکے کہا کہ وزیرخاں نے آپ کے پان کھانے کے لئے دس اشرفیاں دی ہیں۔ اشرفیاں لے کر میں نے اپنا راستہ لیا۔ اور یہ قصد کیا کہ یہاں سے سورت واپس جاؤں تاکہ وہاں انگریزوں کے مجمع میں رہ کر بسر کروں۔ اس کے بعد کلوڈ یولیر سے میری ملاقات ہوئی اور وہ مجھے اپنے مکان پر اُٹھا لے گیا۔ اس سے میں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ جس کی اوسنے تردید کی اور ایسی معقولیت سے اوس نے مجھے ساکت کیا کہ آخر میں نے یہیں رہنے کا ارادہ کر لیا۔

باب ۲۰

تین روز کے بعد کلوڈ یولیر جب شاہزادہ داراشکوہ کی حضور میں حاضر ہوا تو اُس نے دریافت کیا کہ کیا وہ اُس نوجوان یوروپین سے واقف ہے جو سفیر انگلستان کے ہمراہ آیا تھا؟ اور چند روز ہوئے کہ دربار شاہی میں اُس نے توپخانہ کے کپتان اور ایک اور انگریز پر نقصان رسانی کا دعوے کیا تھا کلوڈ یولیر نے عرض کیا کہ وہ اُسکو خوب جانتا ہے بلکہ بے یار و مددگار پاکر وہ اُسکو اپنے گھر لے آیا علاوہ اسکے کلوڈ یولے نے میری بہت تعریف کرکے کہا کہ یہاں سے جانیکے قبل وہ چاہتا ہے کہ حاضر حضور ہو کر شرف باریابی حاصل کرے تاکہ اپنے وطن پہونچکر سلطنت مغلیہ اور شاہزادہ کے دولت و اقتدار کا حال بیان کر سکے۔ یہ سُنکر شاہزادہ نے فرمایا کہ میں بھی اُس سے ملنا اور گفتگو کرنا چاہتا ہوں اوسکو ضرور

میرے پاس لانا ۔ کلوڈیو نے مکان پر پہونچکر تمام حال بیان کیا ۔ میں بھی یہ خبر سُنکر خوش ہوا ۔ جو یورپین شاہزادہ ممدوح کے ملازم تھے اُن سے مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ شہزادہ اُن کے ساتھ خلق و مہربانی سے پیش آتا ہے اور معقول تنخواہ عطا کرتا ہے ۔ اس سلئے میں بھی شہزادہ کی ملازمت کا متمنی تھا ۔

اُسی روز میں کلوڈیو کے ہمراہ شاہزادہ کی ڈہوڑہی پر حاضر ہوا اور اطلاع ہونے پر اُسنے ہمیں باریابی کی اجازت دی ۔ جب میں آداب بجالا چکا تو شہزادہ نے مجھ سے دریافت کیا کہ میں فارسی جانتا ہوں یا نہیں ؟ اور خندہ روئی کے ساتھ اور بھی سوالات کئے ۔ وہ اس بات سے بہت خوش ہوا کہ غیر ملک کا رہنے والا اٹھارہ برس کا لڑکا بغیر کسی جھجک کے آداب بجالایا ۔ میں نے تمام سوالات کے مناسب جوابات دئیے اور عرض کیا کہ میں ترکی اور فارسی زبانوں سے واقف ہوں ۔ چنانچہ میں نے تمام جوابات فارسی میں دیے ۔ جس سے شہزادہ کو اطمینان ہو گیا کہ کافی طور سے میں زبان فارسی سے واقف ہوں ۔

اس گفتگو کے بعد شاہزادہ نے وہ خط میرے حوالہ کیا جو سفیر لایا تھا اور فارسی میں ترجمہ کرنے کا حکم دیا ۔ یہ خط لیٹن میں سُنہری حروف سے لکھا ہوا تھا ۔ اور اُس خط سے جو شاہ ایران کے نام تھا کسی قدر مختلف تھا ۔ لیکن چونکہ پہلے سے اس کا علم نہ تھا اور فوراً مجھے دیا گیا اسلئے ترجمہ کرنے میں تھوڑی سی دقت ضرور ہوئی ۔ شاہزادہ نے دریافت کیا کہ یہ خط کس چیز پر لکھا ہوا ہے کیونکہ یہ کاغذ معلوم نہیں ہوتا ۔ میں نے عرض کیا کہ یہ ایک قسم کا صاف شدہ چمڑا ہے ۔ یورپ کے بادشاہوں کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ جب کسی سلطنت کو دور و دراز فاصلہ پر خط روانہ کرتے ہیں جس میں اہم معاملات درج ہوں تو خطوط ہمیشہ اس صاف شدہ چمڑے پر لکھے جاتے ہیں ۔ کیونکہ بہ مقابلہ کاغذ کے اسپر موسم وغیرہ کا اثر نہیں ہوتا ۔

اس کے بعد داراشکوہ نے دریافت کیا کہ "تمہارا ارادہ سلطنت مغلیہ میں کچھ قیام کرنے کا ہے یا جانے کا ؟" ۔ جب میںنے اپنے قیام کا ارادہ ظاہر کیا تو شہزادہ نے مسکرا کر ارشاد کیا کہ تم

میری ملازمت کر سکتے ہو؟ یہ وہی سوال تھا جس کا میں مشتاق و منتظر تھا۔ میں نے ادب کے ساتھ عرض کیا کہ حضور کی خدمت کرنا میں اپنا فخر خیال کرتا ہوں۔ اگر مجھ سے کوئی خدمت لی گئی تو فرائض انجام دینے میں مجھے کچھ عذر نہ ہوگا۔

شہزادہ نے میری تنخواہ اسی روپیہ ماہوار مقرر فرما کر سراپا خلعت مع تیس روپیہ اور ایک گھوڑہ کے عطا فرمایا۔ اور مجھے اپنے معتمد خواجہ سرا خواجہ سکین (یا شکین) کے سپرد کر کے ہدایت کی کہ وہ اس چھوٹے یورپین کی اچھی طرح حفاظت رکھے اور دربار کے آداب و قواعد تعلیم دے۔ میں نے شہزادہ موصوف کا شکریہ ادا کیا۔ اور یہ دیکھکر کہ اس وقت شاہزادہ مجھ پر بہت مہربان ہے میں نے مودب کھڑے ہو کر دست بستہ عرض کیا کہ ایک اور لطف و عنایت کا امیدوار ہوں وہ یہ کہ دو دوسرے انگریز جو میری وجہ سے قید ہوئے ہیں وہ بھی رہا فرما دیئے جائیں۔ چنانچہ چند روز بعد شاہزادہ دارا شکوہ کی سفارش اور بادشاہ کے حکم سے وہ چھوڑ دیے گئے۔

اگرچہ شہزادہ کی یہ ہدایت تھی کہ خواجہ شکین مجھے دربار کے آداب و قواعد تعلیم کیا کرے مگر میں اس خوف سے کہ ایسا نہ ہو مجھے مُسلمان کر لیا جائے خواجہ مشکین کی صحبت میں کم اور اکثر دیگر یورپین کے پاس زیادہ رہتا۔ جن میں سے کچھ ڈاکٹر اور جراح تھے اور بہت سے یورپین شاہی توپ خانہ میں ملازم تھے جو ایک عزت کی نوکری خیال کیجاتی تھی۔

یورپین گولنداز صرف شست یا نشانہ باندھتے تھے اور باقی کام یعنی توپ کا اونچا نیچا کرنا۔ بھرنا۔ چلانا اور آدمیوں کے ذمہ تھا جو خاص اسی لئے ملازم رکھے جاتے تھے۔ اگرچہ شاہ اورنگ زیب نے اپنی تخت نشینی کے بعد انکا گستاخانہ طرز عمل اور سرکشی ملاحظہ کر کے یہ رعائتیں موقوف کر دیں تھیں۔ سوائے اس کے کہ ان کو اپنے خرچ کے لئے شراب کشیدگی، کی اجازت تھی۔ مثل دیگر سپاہیوں کے انہیں پہرہ بھی دینا پڑتا تھا۔ اسلئے اب ان کی پہلی سی امتیازی حالت نہ رہی تھی۔ فتح قلعہ بھکر اور قتل دارا شکوہ تک پُرانے قاعدہ کا عملدرآمد رہا جیسا میں آئندہ بیان کرونگا۔

کچھ روز تک تو میں کلوڈ یو لیبر کے مکان میں رہا لیکن پھر میں نے ایک مکان علیحدہ کرایہ پر لے لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص نے مجھ سے اکر کہا کہ وہ مجھے روپیہ کمانے کا ایک طریقہ بتانا چاہتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنے مکان کے نزدیک کسی دوسرے مکان میں میں اُسے اپنے نام سے شراب کشید کرنے کی اجازت دیدوں۔ اور وہ مجھے دس روپیہ روزانہ دیا کرے گا اور کل کام بھی وہی انجام دے گا۔ اور اگر کوئی دریافت کرے تو میں اُسے اپنا ملازم ظاہر کر دیا کروں۔

چونکہ اس میں میرا کچھ ہرج نہ تھا لہٰذا میں نے یہ منظور کر لیا اور میری وجہ سے کبھی کسی نے اُس سے کسی قسم کی بازپرس نہ کی۔ کیونکہ جو یورپین شہزادہ دارا کے ملازم تھے اُن کو شراب کشید کرنے کی اجازت تھی۔

کافی تنخواہ ملنے کی وجہ سے میں نہایت فارغ البالی اور آرام سے بسر کرنے لگا۔ اور اب میں نے مسٹر جان ہنری نیگ کو مقام سورت سفیر کی موت اور بادشاہ کے حکم سے سفیر کا تمام اسباب گورنر سورت کے پاس روانہ ہونے کی اطلاع دی۔ کچھ ماہ کے بعد اُس نے مجھے جواب دیا کہ سفیر کا تمام مال و اسباب اُسے مل گیا۔

جب میں وینس سے روانہ ہوا تھا تو اٹیلین زبان اور تھوڑی سی فرانسیسی جانتا تھا۔ اثنائے سفر میں میں نے ترکی اور فارسی زبانیں سیکھیں۔ اب جب میرا قیام ہندوستان میں ہوا تو مجھے ہندوستانی زبان سیکھنے کا شوق ہوا اور ساتھ ہی سلاطین مغلیہ کے حالات تحقیق کرنے کی خواہش ہوئی۔ ایک عمر رسیدہ ذی علم شخص مجھے شاہان و شاہزادگان مغلیہ کے حالات پڑھکر سنایا کرتا تھا۔

میری رائے ہے کہ ناظرین ان حالات کو دیکھ کر خوش ہوں گے جن سے مجھے خاص طور سے واقفیت ہے۔

دوسرے حصہ میں تمام سلاطین مغلیہ کے حالات برادران اورنگ زیب

کی وفات تک معہ اُن تمام واقعات کے جو مجھے پیش آئے بیان کروں گا۔

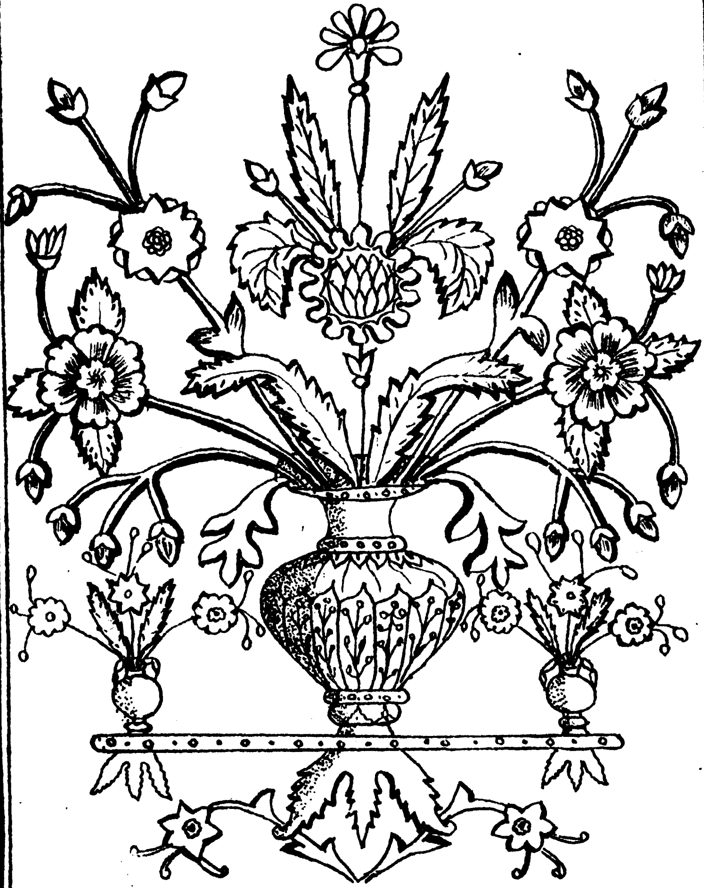

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فسانہ سلطنت مغلیہ

بیان سلاطین مغلیہ از تیمور لنگ تا اورنگ زیب

میں اپنی کتاب کو واقعات کے لحاظ سے مختلف بابوں میں تقسیم کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ مورخین ایسا نہیں کرتے ۔ لہٰذا میں بھی اونہیں کی تقلید کرکے ہر بادشاہ کا الگ الگ حال بیان کروں گا۔

تیمور لنگ

اس فاتح کے حالات بہت کچھ بیان کئے گئے ہیں مگر میں مختصر طور سے لکھنا چاہتا ہوں۔ اسکا دادا قوم تاتار کے چغتائی مسلمان خاندان سے تھا جو چند دیہات اور بہت سے اونٹوں اور گھوڑوں کا مالک ہونے کے علاوہ قرب وجوار میں با اثر شمار کیا جاتا تھا ۔ اُس کے صرف

ایک نہایت خوبصورت دختر تھی جس سے اکثر بڑے بڑے دولتمند اور صاحب اقتدار اشخاص شادی کرنا چاہتے تھے۔ شاہ تاتار نے بھی شادی کا پیام بھیجا۔ لیکن اُس کا باپ کسی سے شادی کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ جب وہ جوان ہوئی تو اُس کے باپ کو معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے جس پر اُسے بہت غصہ آیا اور لڑکی کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اُسے خیال ہوا کہ اس نے تمام خاندان کی عزت خاک میں ملا دی۔ لڑکی نے کہا کہ یہ ہرگز بے عزتی نہیں اگر آپ اس بچہ کے باپ کو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو علی الصباح میری خواب گاہ میں تشریف لائیے اُس وقت آپ کو سب حال معلوم ہو جائیگا۔

دوسرے روز صبح کو جب باپ اپنی لڑکی کے کمرہ میں گیا تو دیکھا کہ دریچہ پر جو پردہ پڑا ہوا ہے اُس سے سورج کی ایک کرن لڑکی کے بدن پر پڑ رہی ہے۔ بعد ازاں اُس کرن نے جانور کی شکل اختیار کر لی جو چیخ مار کر اُسی دریچہ سے باہر نکل گئی[۵]۔ لڑکی کے باپ کو اطمینان ہو گیا اور اس نے ظاہر کیا کہ لڑکی آفتاب سے حاملہ ہوئی ہے۔

تیمور کے حالات میں اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ بعض لوگوں نے مجھ سے کہا کہ اگر یہ روایت صحیح ہے تو تیمور کسی خبیث کی نسل سے ہے۔ تیمور بھی اپنے آپ کو ابن آفتاب کہا کرتا تھا۔ اسی لئے سلاطین مغلیہ کے علم پر سورج کا نشان تھا جسے اور کوئی استعمال نہ کر سکتا تھا۔

بوقت پیدائش تیمور کے سر پر درمیان میں معمول سے زیادہ لمبے بال تھے اس لئے نجومیوں نے پیشین گوئی کی کہ یہ صاحب حکومت اور بہت سے شاہی تاجوں کا مالک ہوگا۔ اسی وجہ سے تیمور کبھی اپنا سر نہ منڈاتا تھا۔ اس کے جانشینوں کے چونکہ اس قسم کے پیدائشی بال نہ تھے لہٰذا وہ اپنا سر منڈاتے تھے۔

---

۵ یہ قصہ الان قوا بنت جوینہ بہادر ابن یلدوز خاں قیات سے متعلق ہے۔ جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ آفتاب کے نور سے حاملہ ہوئی اور تین لڑکے پیدا ہوئے۔ جن میں سے ایک بوزن جر خاں قیات چودہ واسطوں سے تیمور لنگ کا مورث تھا۔ (اویماق مغل)

تیمور چونکہ ایک پاؤں سے لنگڑا تھا اس لئے اُسے تیمور لنگ کہتے تھے۔ بچپنے ہی سے اس کی حرکات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ دنیا میں حکومت کرنے کے واسطے آیا ہے۔ چنانچہ لڑکوں کے ساتھ کھیل میں بھی یہ اپنے آپ کو بادشاہ بناتا اور دوسرے لڑکوں کو مختلف عہدے تقسیم کرتا تھا۔

جب یہ کسی قدر بڑا ہوا تو اپنے ساتھی لڑکوں سے کہا کہ اب وہ نئی قسم کا کھیل کھیلنا چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے آس پاس کے دیہات کے حلقے بنا کر ہر حلقہ پر ایک لڑکے کو عہدہ دار مقرر کیا اور آپ بادشاہ بنا۔ ایک لڑکے نے آکر اُسے اطلاع دی کہ فلاں گاؤں میں ایک اونٹ تالاب میں گر گیا کیا کیا جائے۔ تیمور نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر تالاب کے گرد کسی قسم کی روک نہیں لگیگئی تو مالک تالاب ذمہ دار ہے کہ اونٹ کو زندہ نکال دے ورنہ اونٹ کے مالک کو نقد قیمت ادا کرے۔ اور اگر تالاب مذکور کے گرد روک لگا کر محفوظ کر دیا گیا ہے تو مالک تالاب بری الذمہ ہے۔

پھر یہ اطلاع دی گئی۔ کہ ایک بھیڑیہ بکری کے بچہ کو اُٹھا کر لے گیا۔ اس پر تیمور نے چرواہے کو پٹوایا جس کی غفلت سے ایسا ہوا تھا۔

آخر میں لڑکے ایک لڑکے کو پکڑ کر لائے اور بیان کیا کہ ہم نے یہ چور گرفتار کیا ہے جسے تیمور نے پھانسی دینے کا حکم دیا اور فوراً اُس کی تعمیل کی گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ گرفتار شدہ لڑکا مر گیا۔ یہ دیکھکر تمام لڑکے خوف زدہ ہو کر اپنے اپنے گھروں کو بھاگ گئے۔

جب اس لڑکے کی موت کی خبر مشہور ہوئی تو اُس کے عزیزوں نے جمع ہو کر تیمور پر حملہ کیا۔ تیمور نے اپنے ساتھی لڑکوں اور چرواہوں کی مدد سے مدافعت کی اور تیمور غالب آیا اور جو اُس سے مقابلہ کر رہے تھے وہ بھاگ گئے۔ جھگڑے کو طول ہوا اور اس قسم کی چند لڑائیاں ہوئیں مگر سب میں تیمور ہی فتحیاب رہا۔ رفتہ رفتہ اس کی قوت اسقدر بڑھ گئی کہ اس نے قریب کے دیہات پر قبضہ کر لیا۔

اپنے گروہ کی قوت کو دیکھکر اب اس نے چاہا کہ سلطان محمود کے علاقہ پر حملہ کرے جو

بڑا با اثر اور امیر آدمی تھا۔ چنانچہ حملہ کرکے اس کے علاقہ کے درمیان میں جو سب سے بڑا گاؤں تھا اوسپر قبضہ کرلیا۔ مگر آخر میں تیمور کو ایسی شکست فاش ہوئی کہ یہ تن تنہا اپنی جان لیکر وہاں سے بھاگا اور اب یہ حالت ہوئی کہ گداگری کرتا تھا۔

ایک گاؤں میں پہونچکر اسے ایک بوڑہی عورت ملی جس سے اس نے کوئی چیز کہانے کیواسطے طلب کی بوڑہیا نے اسے کہانے کی بہری ہوئی رکابی دی۔ چونکہ یہ بہت بہوکا تھا اس نے رکابی کے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ کہانا گرم تھا اس کا ہاتھ جل گیا اور یہ فوراً ہاتھ نکال کر پھونک مارنے لگا یہ دیکھ کر بوڑہیا بہت ہنسی اور کہنے لگی کہ تو تو مثل تیمور کے بالکل بیوقوف ہے جس نے بلا سوچے سمجھے درمیان کے گاؤں پر قبضہ کیا اور مجبوراً اُسے چھوڑنا پڑا۔ اگر وہ پہلے پاس پاس کے دیہات پر قبضہ کرنا شروع کرتا تو رفتہ رفتہ وہ آج کل علاقہ کا مالک ہوتا۔ ایسے ہی اگر تو رکابی کے کنارہ سے کہانا شروع کرتا تو ہرگز یہ تکلیف نہ ہوتی مگر تو نے اول ہی درمیان میں ہاتھ ڈالا۔

بوڑھیا کی اس تقریر سے تیمور نے فائدہ اٹھایا۔ اور اپنے ملک میں پہونچکر پھر لشکر جمع کیا اپنے بوڑہیا کی اس نصیحت پر عمل کرکے تمام علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ لیکن سلطان محمود ہاتھ نہ آیا۔ لہذا اوسنے منادی کردی کہ جو شخص اُسے گرفتار کرکے لائیگا اوسکو انعام دیا جائے گا۔ یہ سنکر سلطان محمود نے بھاگ کر ایک برج میں پناہ لی جو جنگل میں بنا ہوا تھا۔ ایک چرواہے کی گائے گم ہوگئی تھی اُسے تلاش کرتا ہوا اتفاقاً چرواہا اسی برج میں چلا گیا۔ سلطان محمود پہلے سے اس سے واقف تھا اور سمجھا کہ یہ اسی کی تلاش میں یہاں آیا ہے۔ پس چند جواہرات چرواہے کو دے کر منت وسماجت کی کہ وہ کسی سے اس کی موجودگی ظاہر نہ کرے۔ چرواہا جواہرات لیکر اس امید پر تیمور کی لشکر گاہ میں آیا کہ اونہیں فروخت کرکے وہ ایک گائے مول لے۔ جب وہ تیمور کے سامنے پیش کیا گیا اور جواہرات کا حال دریافت کیا تو چرواہے نے عرض کیا کہ ان کو آپ لے لیں اور مجھے ایک گائے عنایت فرمادیں۔

یہ سن کر چرواہے کی مشکیں باندھ دی گئیں۔ آخر اس نے کل حال بیان کردیا۔ تیمور کے

حکم سے اُسے دو گائیں دی گئیں اور برج کا محاصرہ کر لیا گیا۔ سلطان محمود کو گرفتار کر کے برج سے نیچے گرا کر مار ڈالا۔

پھر تیمور نے کابل پر حملہ کیا اور شاہ کابل کو قتل کر کے یہ اسی ملک کا حکمراں ہو گیا۔ بعد ازاں دریائے سندھ (انڈس) کو عبور کر کے اس نے پٹھان سرداروں کو دق کرنا شروع کیا تاکہ وہ اس کے باجگذار ہو جائیں۔

چونکہ ابتدائے عمر سے تیمور ہر معرکہ میں فتحیاب رہا تھا اس لئے اب اس کی یہ خواہش ہوئی کہ اور فتوحات حاصل کر کے وہ فاتح اعظم مشہور ہو۔ پس اب اُس نے رانا سے کہ جو ایک ہندو راجہ وسط ہندوستان میں حکومت کرتا تھا باجگذار ہونے کو کہا جس[۵] سے رانا نے انکار کیا اور تیمور سے مقابلہ کی تیاری کرنے لگا۔

جب اُسے معلوم ہوا کہ تیمور کے ہمراہ لشکر کثیر ہے تو ایک لاکھ راجپوت سوار جمع کر کے اس نے تیمور کا مقابلہ کیا۔ بروقت مقابلہ رانا نے دیکھا کہ تیمور کے ہمراہ بارہ ہزار سواروں سے زیادہ نہیں ہیں تو اس نے بذات خود میدان میں آنا مناسب نہ خیال کیا بلکہ ایک اپنے سردار کو تیمور کے مقابلہ کے لئے روانہ کر دیا۔

تیمور اپنے مقابل اسقدر کثیر لشکر دیکھ کر خوف زدہ ہوا اور مشورہ کے لئے تمام سرداروں اور سپہ سالاروں کو جمع کیا۔ تمام سرداروں کی یہی رائے ہوئی کہ لڑائی ملتوی کر کے بالفعل واپس ہو جانا چاہیئے۔

جب اس مشورہ کی تیمور کے ایک خچر ہانکنے والے کو اطلاع ہوئی تو اس نے چاہا کہ تیمور

---

[۵] رانا کے ساتھ تیمور کی جس لڑائی کا حال لکھا ہے یہ بالکل خیالی معلوم ہوتا ہے۔ کسی مورخ نے کسی تاریخ میں اور خود تیمور نے بھی اپنی توزک میں اسکا ذکر نہیں کیا۔ یہ حال البتہ بابر کی اس لڑائی کے واقعات سے بہت مشابہ ہے جو ۱۵۲۶ء میں رانا سانگا کے ساتھ ہوئی تھی۔

(تاریخ الفنسٹن صاحب)

کے حضور میں حاضر ہو کر اس معاملہ میں کچھ عرض کرے۔ لیکن جب پہرہ داروں نے اُسے تیمور تک نہ جانے دیا تو اس نے اپنے سر سے پگڑی اُتار کر تیمور کے خیمہ میں پھینک دی اور چلّا کر کہا کہ میں آپ سے ایک ضروری بات کہنا چاہتا ہوں۔ تیمور نے اُسے اپنے پاس بُلا کر گفتگو کی اجازت دی۔ اس نے عرض کیا کہ "حضور عالی! خدا کے فضل و کرم سے ابتک آپ ہر لڑائی میں مظفر و منصور رہے اور وہ بادشاہ جن سے آپ کا مقابلہ ہوا وہ سب حضور کے تابع فرمان ہوئے۔ لیکن اب یہ شہرت ہے کہ راجپوتوں کے خوف سے آپ واپس تشریف لیجانا چاہتے ہیں۔ اگر یہ شہرت درست ہے تو وہ سردار اور بادشاہ جو آپ سے مغلوب ہو چکے ہیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ اور ہمیں اور آپ کو قتل ہونا پڑیگا۔ بجائے اس کے کہ ہم ایسی نامردی اور بزدلی سے مریں یہ بہتر ہے کہ جوانمردوں کی طرح تلوار سے لڑ کر اپنی جان دیں اور ایک قدم پیچھے نہ ہٹیں"!

اس خچر ہانکنے والے کی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ تیمور نے واپسی کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

یہ معلوم ہو کر کہ رانا خود میدان جنگ میں نہیں آیا بلکہ کچھ فاصلہ پر خیمہ زن ہے۔ تیمور نے دو ہزار سوار دوسرے راستہ سے روانہ کئے اور ہدایت کی کہ وہ ایسے موقع پر رہیں جہاں سے رانا کے خیمہ پر حملہ آور ہو سکیں۔ اور جس وقت مقررہ اشارہ کیا جائے وہ فوراً رانا کے خیمہ پر حملہ کر دیں۔

صبح کو دونوں لشکر مقابل ہوئے اور لڑائی شروع ہو گئی۔ تیمور نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹایا۔ راجپوت اپنی فتح خیال کر کے ان کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ اس اثنا میں دو ہزار مسلمان سواروں نے رانا کے خیمہ پر حملہ کیا جس سے ایک ہل چل پڑ گئی اور رانا اپنی جان بچا کر بھاگا۔ جب یہ خبر ان راجپوتوں کو معلوم ہوئی جو تیمور کے لشکر کا تعاقب کر رہے تھے تو اپنے سردار کے بچانے کے لئے تعاقب چھوڑ کر روانہ ہوئے۔ اور اب تیمور اس لشکر کے تعاقب میں روانہ ہوا اور آخر میں رانا کو شکست اور تیمور کو فتح حاصل ہوئی۔ رانا نے مجبور ہو کر تیمور سے صلح کر لی۔ رانا نے اس صلح کے سلسلہ میں یہ بھی عہد کیا کہ وہ کبھی مغلوں پر حملہ نہ کرے گا۔ البتہ

اگر مغل حملہ کریں گے تو وہ مدافعت کرے گا۔ چنانچہ اس وقت تک اس کی اولاد اس عہد کی پابند ہے۔
اس فتح کے بعد تیمور کابل کو واپس ہوا۔ تیمور کے پاس اب چونکہ بے شمار دولت تھی اور لڑائیوں میں اسے کافی تجربہ ہو گیا تھا لہٰذا اس نے بایزید[۵۱] ثانی پر فوج کشی کا ارادہ کیا۔ ایران سے گذرتے ہوئے وہ مشوش معلوم ہوتا تھا۔ اس کے سپہ سالاروں نے یہ خیال کر کے کہ شاید تیمور کو کامیابی میں کچھ شک ہے اس سے عرض کیا کہ کوئی فکر و تردد کا محل نہیں ہے۔ کیونکہ اوّل تو آپ فتح کرنے کے عادی ہیں۔ دوسرے بہادر سپاہی جان نثار سرداروں کے ماتحت میں آپ کے ساتھ ہیں۔
تیمور نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ایران فتح کرنے کے لئے مجھے کبھی ذرا بھی فکر نہیں ہوئی مگر اس کی تلاش تھی کہ بجائے بایزید کے ترکی پر کوئی مناسب حکمراں مقرر کیا جاوے چنانچہ میں نے بایزید کو قفس میں بند کر دیا۔

یہاں میرا منشا اس معرکہ کا حال لکھنے کا نہیں ہے جو تیمور اور بایزید کے درمیان واقع ہوا کیونکہ اکثر مورخین نے اس کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔ مجھے صرف یہ لکھنا ہے کہ ان بڑی فتوحات کے بعد اوس کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا ہوا۔ اور اس کے بعد کابل پہونچنے کے تھوڑے دن بعد اس نے داعی اجل کو لبیک کہا۔

اس کی موت کا باعث اوسکا اکلوتا اور وارث سلطنت فرزند سلطان میراں شاہ ہوا۔ تیمور کا یہ عام حکم تھا کہ سپاہیوں کے گھوڑے آپس میں نہ لڑنے پائیں۔ اگر کبھی ایسا ہو جاتا تو مالک اسپ قتل کر دیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ اس کے فرزند کے گھوڑے آپس میں لڑ پڑے۔ اور ضرور تھا کہ میراں شاہ کو مقررہ سزا دی جائے۔ مگر محبت پدری ہرگز اس کی متقاضی نہ تھی کہ وہ اپنے اکلوتے لڑکے کو ایسی سخت سزا دے کر ایک بری مثال قایم کرے۔ اور اس سزا سے اپنے پیارے بیٹے کو بچانے کے طریقے سوچنے لگا اور

---

۵۱ بایزید ثانی نے ۱۴۸۱ء سے ۱۵۱۲ء تک سلطنت کی اور تیمور نے ۱۴۰۵ء میں وفات پائی۔ اسلئے ممکن ہے کہ بایزید اول سے مراد ہو جو ۱۳۸۹ء سے ۱۴۰۲ء تک بادشاہ رہا۔

اُسے ایسا صدمہ تھا کہ چند گھنٹوں میں ختم ہو گیا۔

اس کی جرأت وہمت۔ مال ودولت کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ ایک مرتبہ اس نے تمام سپہ سالاروں اور سپاہیوں کی نمک حلالی ووفاداری پر بھروسہ کرکے ان کو آٹھ آٹھ سال کی پیشگی تنخواہ عطا کردی۔

چوبیس برس نو ماہ دو روز سلطنت کرنے کے بعد ۱۴۰۱ء میں اس نے دُنیا سے رحلت کی اور کابل میں دفن ہوا۔

سُلطان میران شاہ

اگرچہ میراں شاہ اپنے باپ کا جانشین تھا اور تمام دولت وملک اس کے قبضہ میں آگیا مگر تقدیر نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

اپنے باپ کی طرح اس نے بھی ہندوستان کے ایک حصہ پر اور کبھی دوسرے حصہ پر حملے کئے مگر اس کا خاص مدمقابل شاہ کاشغر تھا۔ مگر کبھی اسے شاہ کاشغر کے مقابلہ میں فتح، نصیب نہ ہوئی۔ بلکہ سات مرتبہ اس نے نہ صرف شکست کھائی بلکہ قید بھی ہو گیا۔ مگر شاہ کاشغر ایسا نیک دل تھا کہ ہر مرتبہ دو دو تین تین روز کے بعد اس سے یہ کہہ کر رہا کر دیا کہ "اپنے ملک میں جاکر پھر لشکر جمع کرکے میدان میں آئے اور مجھ سے مقابلہ کرے۔ میں اس ہمت و شجاعت کے دیکھنے کا بہت شائق ہوں جو آپ کو اپنے باپ سے وراثتاً پہونچی ہے۔" یہ الفاظ کچھ کم شرم دلانے والے نہ تھے مگر میراں شاہ کو کچھ خیال نہ ہوا اور اسی طرح سات مرتبہ لڑائیاں ہوئیں۔

ہمیشہ طالع رسا نہیں رہتا۔ تقدیر نے ایک لڑائی میں شاہ کاشغر کو میراں شاہ کے ہاتھوں قید کرادیا۔ میراں شاہ بجائے اس کے کہ شاہ کاشغر کے احسانات کی تلافی کرتا اس نے

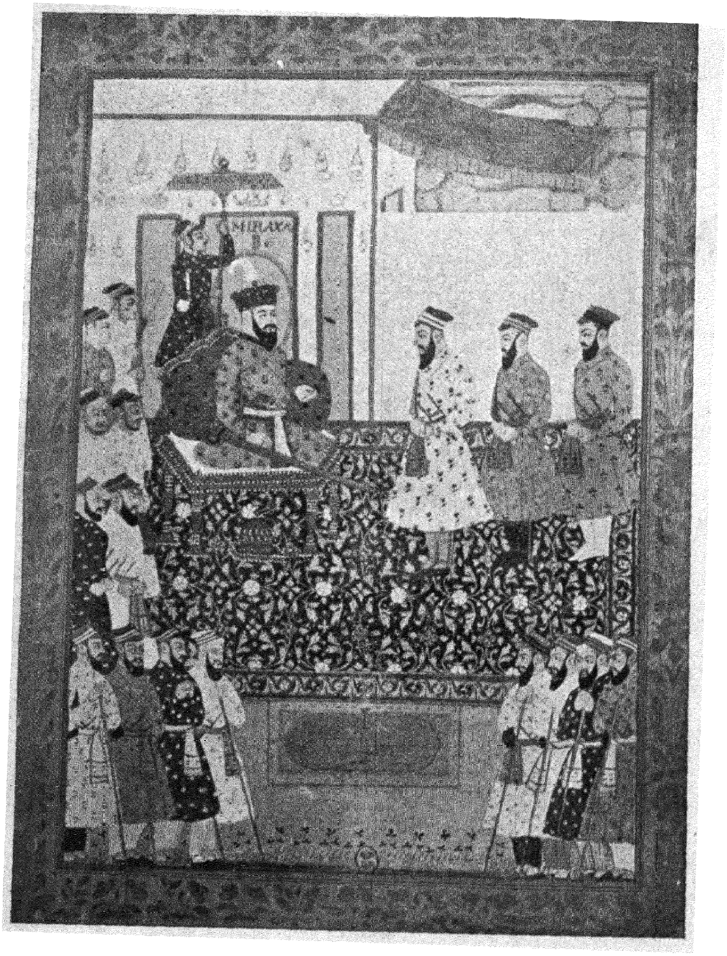

سلطان میراً شان

سلطان میزان شاہ

رعایا اور امرا نے اس کے قتل کرنے کی سازش کی۔ جب ابوسعید کو اسکا علم ہوا اور کوئی صورت مفر کی نظر نہ آئی تو فقیروں کا لباس پہن کر اور دو خدمتگاروں کو ساتھ لیکر فرار ہو گیا۔

ابوسعید کے فرار ہونے کے بعد امرا نے اس کے بھائی کو تخت نشین کیا اور سب کو امید تھی کہ یہ انصاف کے ساتھ حکمرانی کرے گا۔ لیکن نتیجہ برعکس ظاہر ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی بلا امتیاز اور بلا قصد امرا اور عام لوگوں کو قتل کر کے ان کا مال و اسباب لینا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر لوگوں کو اب پھر سلطان ابوسعید کی تلاش ہوئی تاکہ اسی کو تخت نشین کیا جائے آخر بڑی جستجو کے بعد وہ اسے پانے میں کامیاب ہوئے۔ اور اسے لاکر تخت پر بٹھایا۔

ابوسعید بجائے اس کے کہ اپنے بھائی کا شکر گذار ہوتا کہ اس نے اس کے دشمنوں سے انتقام لیا اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ ہوا اور اس کا سر قلم کرا دیا۔ اسی وقت سے اس خراب رسم کی بنیاد پڑی جو اب تک خاندان مغلیہ میں رائج ہے کہ باپ کے مرنے کے بعد ایک بھائی دوسرے بھائیوں کے قتل کرنے میں دریغ نہیں کرتا۔

دونوں خدمتگاروں کو جو ابوسعید کے ہمراہ رہے تھے اور جنہوں نے مصیبت کے وقت ساتھ دیا تھا اس کے بادشاہ ہونے کے بعد یہ امید تھی کہ وہ ضرور ان کی قدردانی کر کے مناسب انعام عطا فرمائیگا۔ لیکن جب کچھ ظاہر نہ ہوا تو دونوں خدمتگار دربار میں بامید انعام حاضر ہوئے۔ اور درخواست کی کہ ان کی وفاداری کے صلہ میں مناسب عہدے یا انعامات دیے جائیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے نہایت برافروختہ ہو کر انہیں دربار سے نکلوا دیا۔ اور حکم دیا کہ آیندہ وہ کبھی اپنی صورت نہ دکھائیں وہ دونوں نہایت متعجب ہوئے اور ایک عرضی کے ذریعہ سے عرض کیا کہ ان کے قصوروں سے مطلع کیا جائے جو بادشاہ کی ناراضی کا سبب ہوئے۔ جبکہ عام رعایا برگشتہ تھی اور بادشاہ کی جان لینا چاہتی تھی تو ہم دونوں وفاداری پر ثابت قدم رہے اور بادشاہ کے دامن دولت کو نہ چھوڑا۔ ابوسعید نے جواب دیا میں تمہاری صورت دیکھنے کا روادار نہیں۔ کیونکہ تمہاری صورتیں دیکھکر مجھے اپنے ایام مصیبت یاد آجاتے ہیں اور نہایت صدمہ ہوتا ہے۔ میرے

تم پر یہ عنایت کی کہ تمہیں قتل نہیں کرایا اور اسی قدر رعایت کافی ہے ۔ لہٰذا اب یہ مناسب ہے کہ تم میری سلطنت سے نکل جاؤ۔

حکایت مذکورہ بالا علاوہ تاریخ میں دیکھنے کے مجھ سے مرزا عاد[۵۱] نے بھی بیان کی جو شاہ اورنگ زیب کی بیگم یعنی مادر شاہ عالم کی ریاست کا منتظم تھا ۔ ایک مرتبہ میں نے شکایت کی کہ جب میں نے شاہ عالم کی بیگم کا علاج کیا تھا شاہ عالم نے مجھ سے وعدے کئے تھے مگر بعد شفا یابی ایک وعدہ بھی ایفا نہیں کیا (ناظرین کو آیندہ معلوم ہوگا کہ ایک وقت میں میں شاہ عالم کا نجی طبیب تھا) تو مرزا عاد نے جو بلا کسی ذاتی غرض کے میرا دوست تھا کہا کہ "سلاطین مغلیہ سلطان ابو سعید کی اولاد میں سے ہیں ۔ جب ان کی کسی سے کچھ غرض ہوتی ہے تو اوس پر بیحد مہربان ہوتے ہیں لیکن جب وقت نکل جاتا ہے تو بات بھی نہیں کرتے"۔ اسی وقت حکایت مذکور بھی اوس نے بیان کی۔

اس بادشاہ کے زمانہ میں کوئی قابل ذکر واقعہ نہیں ہوا ۔ یہ ہمیشہ صلح جوئی کے ساتھ رہنے اور محل کی عورات کے ساتھ عیش و عشرت سے بسر کرنے کو پسند کرتا تھا ۔ آٹھ برس ایک ماہ بارہ روز سلطنت کرنے کے بعد اور دو نہایت خراب رسمیں سلاطین مغلیہ میں چھوڑ کر اس نے دنیا سے رحلت کی۔

اول ۔ اس خاندان میں یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے بھائی کو قتل کیا ۔ دوسرے اپنی ضرورت کے وقت تمام امرا اور درباریوں سے بڑے بڑے وعدہ کرتا اور قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف کرتا مگر وقت گذر جانے کے بعد کبھی ان وعدوں کا ایفا نہ ہوتا۔

---

۵۱ ممکن ہے کہ یہ نام مرزا ہادی ہو ۔ کیونکہ ایک شخص کا یہ نام ہونا تاریخ سے ثابت ہے مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ یہ مرزا ہادی اس عہدہ پر ممتاز تھا یا نہیں جس کا ذکر مصنف نے کیا ہے ۔ ۱۲

سُلطان شیخ عمر

سلطان ابو سعید کی وفات کے بعد شیخ عمر اوسکا فرزند سلطنت کا وارث ہوا۔ مگر اسے اپنے باپ کے عادات و خصائل وراثت میں نہ پہونچے تھے۔ برخلاف اپنے باپ کے یہ رعایا میں بہت ہر دلعزیز تھا۔

قرب و جوار کے بادشاہ بھی اس کی عزت اور خوف کرتے تھے۔ ان سب کو تیمور لنگ کی فتوحات یاد تھیں اور خیال کرتے تھے کہ شیخ عمر اسی مشہور دادا کا پوتا ہے اور اسمیں بھی وہی صفات ہونگی جو اس کے دادا میں تھیں۔ شیخ عمر کو جو سلطنت وراثت میں پہونچی تھی، یہ اسی پر قانع تھا اور صلح پسندی و امن کے ساتھ بسر کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سب اس کی عزت کریں۔

مسلمانوں کو اکثر کبوتر پالنے کا اور اُڑانے کا شوق ہوتا ہے۔ چھت پر کھڑے ہو کر ان کو اُڑاتے اور ایک لکڑی میں کپڑا باندھ کر اشارہ کرتے ہیں۔ یہ کبوتر اس طریق سے تعلیم دیئے جاتے ہیں کہ اُڑاتے وقت جب بلایا جاتا ہے تو فوراً چلے آتے ہیں۔ جب موقع ہوتا ہے تو اپنی ٹکری کو مخالف کی ٹکری میں ملا دیتے ہیں اور دونوں فریق اپنے اپنے کبوتروں کو بلاتے ہیں۔ کبوتر فوراً مالک کی آواز پر واپس ہو جاتے ہیں مگر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فریق ثانی کے بھی کچھ کبوتر ان میں مل کر چلے آتے ہیں جو جیتنے والے فریق کی ملکیت خیال کئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بار بار کبوتر اڑا کر بہت سے کبوتر جیتنے کی خواہش کیجاتی ہے۔

سلطان شیخ عمر کو بھی کبوتر اڑانے کا بہت شوق تھا۔ ایک دفعہ یہ محل کی چھت پر کبوتر اڑا رہا تھا اور لکڑی سے اشارہ کرتا ہوا کبھی چھت کے اس طرف آتا اور کبھی دوسری طرف جاتا۔ چونکہ چھت پر کسی قسم کی روک نہ تھی ایک مرتبہ یہ چھت سے نیچے گرا اور چور چور ہو کر مر گیا۔

اسی روز سے سلاطین مغلیہ چھت پر دیوار یا اور کسی قسم کی روک بنانے لگے تاکہ ایسا حادثہ نہ ہونے پائے۔

اس بادشاہ نے پچیس سال دو ماہ سات روز سلطنت کی اور اس کے بعد اس کا بڑا بیٹا وارث تاج و تخت ہوا۔

سلطان محمود[۵۱]

یہ بادشاہ بڑا پکا مسلمان اور بت پرستوں و ہندوؤں کا دشمن تھا۔ دن میں کئی مرتبہ تلاوت قرآن مجید کا عادی تھا۔ اس نے کئی دفعہ ہندو راجوں کو شکست دے کر ان کا ملک اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔

یہ نہایت حریص اور لالچی ہونے کی وجہ سے کسی موقع پر فائدہ اٹھانے سے درگذر نہ کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس نے کسی افغان بادشاہ پر فتح پائی اور شام کے وقت یہ سوار ہو کر میدان جنگ کو دیکھنے گیا جہاں اس نے بے شمار دشمنوں کی لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ یہ اپنے لشکر کی کارگذاری اور اپنی شان و شوکت و اقبال کا خیال کر کے خوش ہو رہا تھا کہ ایک پٹھان نے جو نہ معلوم خوف کی وجہ سے یا اور کسی سبب سے لاشوں میں چھپا ہوا تھا تاک کر ایسا تیر مارا جس نے اس کا اور اس کی تمام امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے آٹھ برس ایک ماہ چودہ روز سلطنت کی۔

---

۵۱ سلطان محمود نے سنہ ۹۰۰ ہجری میں وفات پائی۔ یہ شیخ عمر کا فرزند نہ تھا جیسا کہ مصنف نے لکھا ہے۔ بلکہ یہ سلطان ابو سعید کا دوسرا پسر یعنی شیخ عمر کا بھائی اور بابر کا چچا تھا۔

سلطان بابر

اگرچہ سلطان بابر کو اپنے باپ سے بہت ملک و مال وراثت میں ملا۔ تاہم اوسکو اُس بڑے ملک سے سیری نہ ہوئی جو اُس کے بزرگوں نے فتح کیا تھا اور خواہش ہوئی کہ فتوحات حاصل کرکے یہ بھی اپنی بہادری کا ثبوت دے۔ چنانچہ اس نے سلطان ابراہیم افغان بادشاہ دہلی پر فوج کشی کی اور بڑی سخت لڑائی ہوئی۔ ہرچند کہ جنگ نے کئی پہلو بدلے مگر بابر سلطان ابراہیم کے قتل کرنے میں کامیاب ہوا اور میدان اسی کے ہاتھ رہا۔ دہلی کے فتح کرنے کے بعد اس نے یہیں تخت قایم کیا جو ابھی تک اس کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔

یہ شہر (دہلی)[۵۱] راجہ بکرماجیت کا آباد کیا ہوا ہے جس کے معنی مضبوط کے ہیں۔ اس راجہ نے یہیں اپنا دارالسلطنت قایم کیا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اسے کوئی فتح نہ کرسکے گا۔ لیکن ۱۰۹۵ء میں یا اُس کے قریب سلطان علاء الدین پٹھان نے فتح کرکے یہاں سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

پٹھانوں نے چارسو چوبیس سال یا کچھ کم وبیش سلطنت کی یہانتک کہ ۱۵۱۹ء میں سلطان بابر نے سلطان ابراہیم کو شکست دی۔ میں پٹھان بادشاہوں کی ایک فہرست[۵۲] معہ اون کے زمانہ سلطنت

---

۵۱ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسے راجہ ڈہلو نے آباد کیا اس وجہ سے ڈہلی کہلائی (تاریخ فرشتہ) بعض کا خیال ہے کہ لفظ "دہل" سے دہلی مشتق ہے۔ ہندی میں دہلنا ہلنے کو کہتے ہیں۔ یہاں کی زمین چونکہ ایسی نرم اور ملایم تھی کہ خیمہ گاہ کی میخیں بھی قایم نہ رہ سکتی تہیں اس لئے اس جگہ کو دہلی سے موسوم کیا۔

۵۲ تاریخی طور سے یہ فہرست اسقدر غلط ہے جس کی تصحیح کرنا وقت کا ضائع کرنا ہے لہٰذا بجنسہ نقل کی جاتی ہے۔

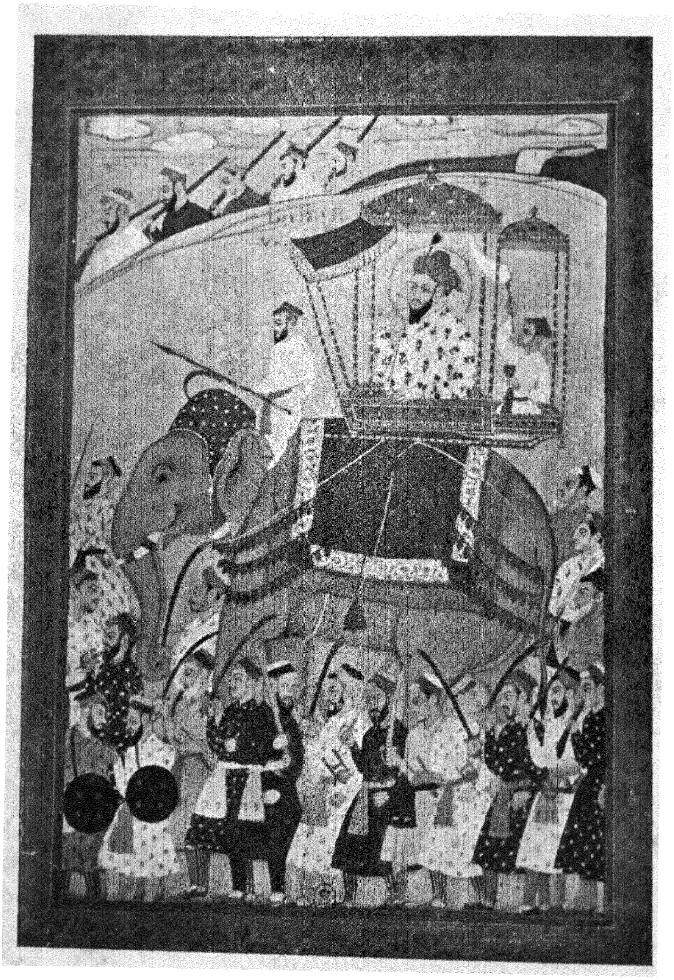

سلطان بابر

کے اس موقع پر درج کرتا ہوں۔

نام	مدت سلطنت		
	سال	ماہ	روز
سلطان علاء الدین	۵۷	۷	۱۱
سلطان شہاب الدین	۲۲	۷	۷
سلطان معز الدین غوری	۱۹	۴	۱۲
بی بی رضیہ بنت معز الدین	۷	۷	۱۱
سلطان نصیر الدین	۱۲	۳	۱۱
سلطان غیاث الدین	۳۰	۱	۱۲
سلطان جلال الدین	۵	۶	۷
سلطان قطب الدین	۱۴	۵	۸
سلطان محمد تغلق	۹	۰	۹
سلطان محمد عادل	۲۲	۳	۳
سلطان فیروز شاہ	۴۷	۵	۱۲
سلطان پیرو شاہ	۱۰	۳	۱۱
سلطان فتح شاہ	۵	۶	۸
سلطان بابر	۷	۰	۵
سلطان امانت خاں	۱	۷	۷
سلطان خضر خاں	۱۱	۱	۷
سلطان مبارک	۹	۸	۵

نام	مدت سلطنت		
	سال	ماہ	روز
سلطان محمد	۷	۵	۱۰
سلطان غیاث الدین	۵	۵	۸
سلطان خسرو خان	۳	۶	۸
سلطان علاءالدین	۱	۶	۱۰
سلطان بہلول خاں	۴۰	۸	۶
سلطان سکندر لودی	۲۹	۵	۷
سلطان ابراہیم	۸	۸	۳
سلطان بابر قلندر	۵	۴	۹
سلطان ہمایوں غوری	۲۱	۱	۳
شیر شاہ	۸	۸	۳
سلطان سلیم شاہ	۵	۱۰	۸
سلطان فیروز شاہ	۰	۰	۱۵
سلطان محمد عادل	۱	۴	۱
سلطان ابراہیم شاہ	۲	۶	۰

میں ان بادشاہوں کے وہ حالات یہاں لکھنا نہیں چاہتا جو میں نے کتب تواریخ میں دیکھے ہیں۔ اُن کے بیان کرنے کے واسطے عرصہ دراز چاہیئے اور اُن کے حالات فتوحات اور مُلکی معاملات بیان کرنے دشوار ہیں۔ میں مجملاً صرف یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ سلاطین بے رحم

لالچی اور سخت مزاج تھے۔ مسلمانوں میں یہ پہلی قوم تھی جس نے سرحد مشرقی سے حملہ کر کے ہندوستان پر قبضہ کیا۔ اب بھی یہ قوم دریائے سندھ (انڈس) اور کابل کے درمیان آباد ہے۔

سلطان بابر کو رعایا بہت عزیز رکھتی تھی۔ وہ آزاد۔ نیک مزاج۔ سخی تھا۔ سب سے زیادہ پسندیدہ خصلت اس میں یہ تھی کہ انصاف کو دوست رکھتا تھا اور ہمیشہ انصاف کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ان تمام امور کا باعث رنگی داس[1] دربار کا ایک نہایت دانشمند اور تجربہ کار اعلیٰ عہدہ دار تھا۔ معاملات سلطنت میں ہمیشہ اس کی رائے صائب خیال کی جاتی تھی۔ رنگی داس بھی بغیر حسد کا شکار ہوئے نہ بچ سکا اور اس کے مخالفوں نے جھوٹی باتیں کہہ کہہ کر بادشاہ کے ایسے کان بھرے کہ آخر اس کا دل رنگی داس سے پھر گیا اور اس کے گرفتار اور قتل کرنے کا مصمم قصد کر لیا۔ جب یہ قید کر لیا گیا تو اس نے دل میں کہا کہ مری خیر خواہانہ خدمات اس کا باعث ہوئیں کہ مخالفین اپنے منصوبہ میں کامیاب ہوئے۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ اپنی جان بچا کر کسی طرح بھاگ جاؤں۔ ابھی یہ معاملہ بادشاہ کے زیر غور تھا کہ یہ بھاگ کر ایک گاؤں میں جا چھپا اور شناخت کے خوف سے غریبانہ زندگی بسر کرنے لگا۔

اس کے چلے جانے کے بعد تمام انتظامات درہم برہم ہو گئے اور ابتری پھیل کر انصاف میں کمی ہونے لگی۔

اب ہر جگہ بجائے تعریف کے بادشاہ کی برائیاں ہونے لگیں۔ بابر کو بھی اس کا علم ہو گیا اور اس نے غور کرنا شروع کیا کہ دفعتاً ایسی حالت کیوں بدل گئی۔ آخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ ملک کا انتظام درست نہیں۔ اور اس کے وزرا انصاف و دلسوزی سے کام نہیں کرتے لہٰذا اب اسے پھر رنگی داس کی تلاش ہوئی۔ ہر ممکن کوشش کی گئی مگر اس کا پتہ نہ چلا۔ بابر چونکہ

[1] کسی تاریخ میں رنگی داس کا اور نہ اس قصہ کا جو اس کے متعلق بیان کیا گیا ہے مطلق ذکر نہیں۔ یہ قصہ بالکل خلاف عقل قیاس اور فرضی معلوم ہوتا ہے (دیکھو تزک بابری۔ تاریخ خافی خاں۔ حبیب السیر وغیرہ)

جانتا تھا کہ رنگی داس ایک ذی ہوش۔ صائب الرائے شخص ہے۔ اُس نے اس مضمون کا حکم شائع کیا کہ تمام دیہات کے باشندے دہلی حاضر ہوں۔

اس حکم سے بابر کا یہ منشا تھا کہ جس وقت یہ ناقابل تعمیل حکم اہل دیہات سنیں گے تو ضرور اُن کو ایک ایسے عقلمند شخص کی تلاش ہوگی جو اون کو ایسی بات بتائے کہ وہ دہلی نہ حاضر ہو سکیں جس گاؤں میں رنگی داس ہوگا وہاں کے باشندوں کو وہ ضرور کوئی معقول عذر بتائیگا۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اُس گاؤں کے باشندوں نے جہاں رنگی داس مقیم تھا یہ حکم سُن کر اس سے امداد کی درخواست کی کیونکہ یہ قطعی ناممکن تھا کہ تمام باشندے دہلی حاضر ہو سکیں رنگی داس نے کہا کہ تم فوراً حاضر دربار ہو کر بادشاہ سے عرض کرو کہ ہمارے گاؤں کے تمام باشندے حسب الحکم حاضر ہونے کے لئے تیار ہیں مگر چونکہ وہ راہ سے ناواقف ہیں لہٰذا اس شہر کے باشندوں کو حکم دیا جائے کہ وہ شہر سے نکل کر وہاں جائیں اور اُن کی رہنمائی کریں۔ بادشاہ نے جب یہ عذر سُنا تو جواب بتانے والے کا نام دریافت کیا۔ چونکہ وہ نام سے واقف نہ تھے اس لئے حکم دیا گیا کہ وہ اُس شخص کو بادشاہ کی حضور میں پیش کریں۔ اس طرح بابر نے اپنے خیر خواہ مشیر کا پتہ لگایا جس کے انتظام سے سلطنت کی وہی حالت ہو گئی جیسے پہلے تھی۔

اگر بادشاہوں کو اس کا علم ہو جائے کہ صائب الرائے مشیروں کی سلطنت کے لئے کسقدر ضرورت ہے تو وہ یقیناً وزرا کا احتیاط سے انتخاب کریں۔ اور ان تہمتوں پر مطلق متوجہ نہ ہوں جو بکثرت محلات میں تراشی جایا کرتی ہیں۔

ایسے وزرا اور مشیروں کی مدد سے بابر حکمرانی کرتا رہا۔ چونکہ اب وہ سلطنت ہندوستان کا بادشاہ ہو گیا اور بے شمار دولت اوس کے قبضہ میں تھی اس لئے اپنے قدیم ملک کی طرف جہاں سے تیمور نے ترقی شروع کی تھی بالکل اوس کی توجہ نہ رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جانشینان شاہ کاشغر اُس علاقہ پر قبضہ کر کے جسے تیمور نے فتح کر لیا تھا بادشاہت

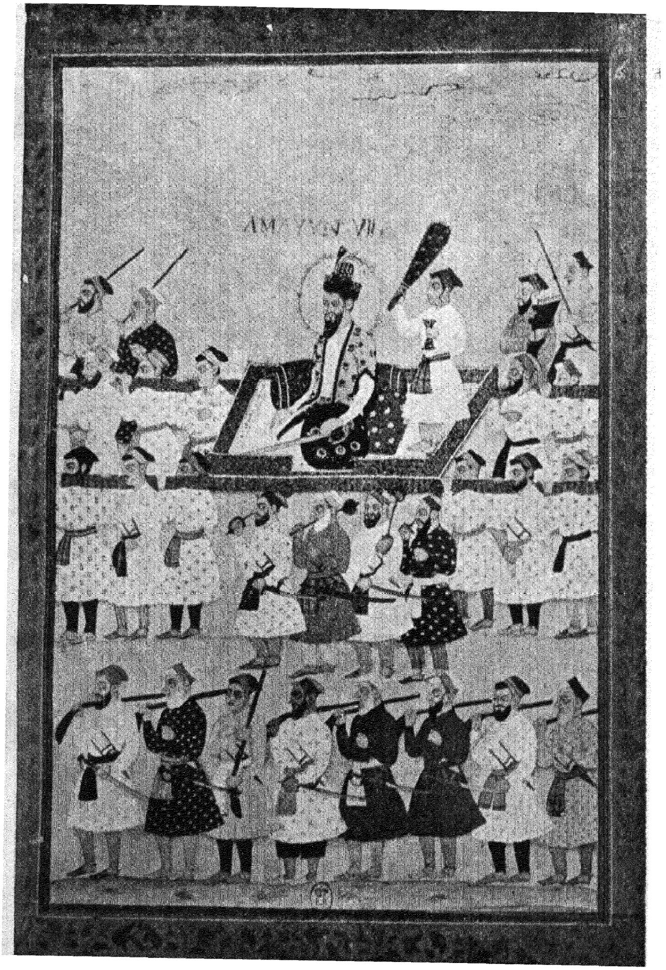

سلطان همایون

کا دعویٰ کرنے لگے۔ اس وقت تک بھی سلاطین مغلیہ اس علاقہ پر قبضہ کرنے کے خواہشمند ہیں جو دور دراز فاصلہ پر ہے اور جس سے حاصلات بھی کم ہے۔

سلطان بابر اُنیس برس تین ماہ بارہ روز سلطنت کرنے کے بعد دُنیا سے سدھارا اور اُس کا بڑا بیٹا ہمایوں اُس کا جانشین ہوا۔

سُلطان ہمائیوں

تجربہ سے یہ بات ثابت ہے اور تاریخ بھی شہادت دیتی ہے کہ جب شیروں اور چیتوں کو رام کرکے طاقتور بنایا جاتا ہے تو وہی طاقت اُن سے وحشیانہ حرکات سرزد کراتی ہے۔ یہی حال شیر افغان کا ہوا۔ جس نے بادشاہ ہو کر اپنا لقب شیر شاہ مقرر کیا۔ پہلے یہ صرف ایک درباری تھا۔ سلطان ہمایوں نے اسے سپہ سالار کیا۔ مگر اس نے تمام شاہی نوازشوں اور عنایتوں کو فراموش کرکے علم بغاوت بلند کیا اور اپنے آقا کے مقابلہ پر آمادہ ہو گیا۔

ہمایوں کو اس کے مقابلہ میں لشکر روانہ کرنا پڑا۔ لیکن کئی مرتبہ شیر کو فتح اور لشکر شاہی کو شکست ہوئی۔ یہ دیکھ کر ہمایوں بذات خاص فوج لیکر اس کے مقابلہ کو آیا۔ مگر بدقسمتی سے ہمایوں کو شکست فاش نصیب ہوئی۔ اور اپنی جان بچانے کی غرض سے اوسکو بھاگنا پڑا۔ یہ ہمایوں کی حکومت کا گیارہواں سال تھا جبکہ وہ اس ارادہ سے بھاگا کہ شاہ ایران سے مدد حاصل کرکے وہ پھر ہندوستان کو فتح کرے۔

یہاں سے بھاگنے میں ہمایوں کو جو واقعات پیش آئے وہ عجیب و غریب ہیں۔ ایکدن دوپہر کے وقت آرام کرنے کے لئے ہمایوں نے قیام کیا اور سو گیا۔ ناگاہ ایک باز نے اپنے پر پھیلا کر اُس کے چہرہ پر سایہ کر لیا تاکہ دھوپ سے تکلیف نہ ہو اور جب تک ہمایوں بیدار نہ ہوا یہ باز اسی طرح سایہ کئے رہا۔ بیدار ہونے کے بعد اس کے ہمراہیوں نے یہ تمام

حال بیان کرکے پیشین گوئی کی کہ وہ پھر انشاءاللہ دوبارہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگا۔

جب یہ ایران پہونچا تو شاہ ایران سے پہلی ملاقات ایک باغ میں قرار پائی۔ اُس وقت شاہ ایران چھوٹی سی کرسی پر تشریف رکھتے تھے جس پر دوسرے آدمی کے بیٹھنے کی گنجایش نہ تھی۔ ہمایوں کے ایک ہمراہی[۵] نے یہ دیکھ کر خیال کیا کہ شاہ ایران کا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ ہندوستان اُس کے آگے یا تو کھڑا رہے اور یا زمین پر بیٹھے۔ پس اُس نے فوراً اپنے ترکش کے غلاف کو چاک کرکے شاہ ایران کے آگے بچھا دیا اور ہمایوں اوسپر بیٹھ گیا۔ شاہ ایران نے بھی ہمایوں کے ہمراہی کی یہ ہوشیاری اور مستعدی دیکھ کر بہت تعریف کی۔ اور ہمایوں سے سوال کیا کہ "ایسے وفادار و جان نثار ملازموں کے ہوتے آپ کی سلطنت کیوں نکل گئی؟" ہمایوں نے جواب دیا کہ سلطنت سے نکلنے کا اصلی سبب یہ ہے کہ میں نے ناشکر گذاروں کو اعلیٰ مرتبے دیئے۔"

معمولی گفتگو کے بعد ہمایوں اپنی قیام گاہ پر آیا جہاں شاہ ایران کی طرف سے مہمان نوازی کا سامان اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔

شیر شاہ بھی نیک دل اور منصف مزاج تھا۔ جب یہ ہندوستان کا بادشاہ ہوگیا تو اُس نے یہ شرافت کی کہ ہمایوں کی بیگم کو جو حاملہ تھی اور ہندوستان چھوڑ دی گئی تھی ہمایوں کے پاس روانہ کردیا۔ اور خط بھی لکھا جس میں اُس نے قرآن مجید کی قسم کھا کر تحریر کیا کہ اُس نے بیگم کی عزت و حرمت کو برقرار رکھا اور خلاف شرافت اُس کے ساتھ کوئی برتاؤ نہیں کیا گیا۔ اور نہ کبھی کسی برائی کا خیال دل میں آیا۔ یہ ایک صاحب عفت خاتون ہے اس سے کسی قسم کی بدگمانی نہ کی جائے۔ ہمایوں کے پاس جب یہ خط پہونچا تو اُس نے بیگم کو اپنی رفاقت میں رکھا اور جبتک وہ ایران سے روانہ ہوا بیگم اُس کے ساتھ رہی۔ جیسا میں آیندہ ذکر کرونگا۔

---

۵ یہ واقعہ ۱۵۴۴ء میں پیش آیا۔ ہمایوں کے جس ہمراہی نے ایسا کیا اوس کا نام حاجی محمد کوکلتاش تھا۔
(تاریخ مصنفہ ڈبلیو۔ ارسکن صاحب)

مجھے معلوم ہے کہ اکثر مورخوں نے خصوصاً تاریخ فیریا (Faria) کے پرتگیز مصنف نے بیگم کے قصہ کو کس طرح لکھا ہے۔ اس نے بوجہ ناواقفیت عام آدمیوں سے سنکر یہ قصہ لکھدیا ہے اُسے معلوم نہیں کہ ہندوستان کے اکثر باشندے غبی اور زیادہ گو ہوتے ہیں اور بڑے آدمیوں سے لیکر غریب لوگوں تک اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں یا جھوٹ۔ بعض مصنفین سُنی سُنائی باتیں لکھہ دیتے ہیں اور مطلق تحقیقات نہیں کرتے حالانکہ تحقیق کرنا اونکا فرض ہے۔ کسی بات کے لکھنے سے پہلے اون کو کچھ زمانہ تک سلطنت مغلیہ میں رہنا چاہیے۔ یہاں کی زبان سے واقفیت پیدا کریں۔ عہدہ داروں اور درباریوں سے رسم وراہ رکھیں تو حقیقت حال معلوم ہوسکتی ہے۔

میں بھی اُن میں ہوں جو کافی وقت تک اُن لوگوں کے ساتھہ رہے جن کو تمام واقعات سے واقفیت تھی اور مجھ سے راست راست حال بیان کیا۔ علاوہ اُن واقعات کے جو تاریخ کی کتابوں میں میری نظر سے گذرے ان اوراق کے لکھنے کے لئے یہ بات کیا کم فائدہ رساں ہے کہ میں سلطنت مغلیہ میں چوبیس برس تک رہا اور میں شاہ عالم فرزند اکبر شاہ اورنگ زیب کا طبیب خاص تھا۔

شیر جب بادشاہ ہوا تو اُس نے اپنا خطاب شیر شاہ رکھا اور رعایا کے ساتھہ نہایت رحمدلی اور مہربانی کے ساتھہ پیش آتا۔ اُس نے حکم دیا کہ تمام سلطنت میں بارہ بارہ فرسخ کے فاصلہ پر سرائیں تعمیر کیجائیں جہاں قیام کرکے مسافر آرام پائیں۔ اس نے بہت سے شادی شدہ غلام خرید کرکے ان سراؤں میں رکھے تاکہ وہ اور اُن کی بیبیاں ٹھہرنے والے مسافروں کا کھانا پکائیں۔ پلنگ مہیا کریں۔ ٹھنڈا اور گرم پانی موجود رکھیں۔ اور اس طرح خدمت کریں گویا کہ یہ مسافروں کے نج کے ملازم ہیں۔ چنانچہ یہ اسی طرح خدمت کرتے تھے۔ جو مسافر پیدل آتے تھے اونہیں کھانا مفت بادشاہ کی طرف سے دیا جاتا تھا۔ ہمایوں کے وقت تک بہت سی سرائیں شاہی سڑک اعظم پر بنائی گئیں۔ اور بہت سے نیک دل اشخاص خیرات کے طور پر ایسی

سرائیں مع باغات و مکانات و تالاب تعمیر کرتے جاتے ہیں تاکہ اُن کا نام باقی رہے۔ ان سراؤں میں سفید و رنگین کپڑا فروخت کرنے والے۔ گانے ناچنے والے لڑکے و عورتیں۔ حجام۔ درزی دہوبی نعل بند۔ نیم حکیم۔ گھاس بیچنے والے۔ مسافروں کو بہت دق کرتے ہیں۔ اگرچہ تمام اشیا ارزاں ہیں مگر پیدل چلنے والوں کو جو کہانا بادشاہ کی طرف سے دیا جاتا ہے وہ لذیذ نہیں ہوتا اور نہ انہیں چارپائیاں دی جاتی ہیں۔ ان سراؤں میں کسبیوں کی بہی کمی نہیں۔

شیر شاہ کے وقت میں اوزان و پیمانے ہندوستان میں جاری کئے گئے۔ پہلے ہر چیز اندازسے فروخت اور خریدی جاتی تہی۔

گز جس کے دونوں طرف شاہی مہر ہوتی تہی جاری کیا گیا ورنہ پہلے بالشتوں اور ہاتوں سے پیمایش کرنا رائج تھا۔ یہ بادشاہ ایسا سخی تہا کہ اگر کوئی حج جانے کا قصد کرتا تو اُسے آمد و رفت کا خرچ دیا جاتا۔

شیر شاہ کو چونکہ کافی قوت ہوگئی تہی اب اس نے خود کثیر لشکر کے ساتھ ایک ہندو رانا پر حملہ کیا۔ مگر اس کو اس طور پر شکست ہوئی کہ اگر رانا تعاقب کرتا تو تمام ہندوستان پر قابض ہوجاتا مگر اوس نے اپنی ہی سلطنت بچانی غنیمت سمجھا۔ وہاں سے واپس ہونے کے بعد اس نے اپنے رازدار ہم نشینوں سے اپنی غلطی تسلیم کی اور کہا کہ چند باجرہ کے کھیتوں کے لئے میری سلطنت ہی جانے کا اندیشہ[۱] تہا۔ یہ اس نے اس وجہ سے کہا کہ رانا کے علاقہ میں باجرا بہت پیدا ہوتا تہا۔

شیر شاہ کو توپ چلانے کا بہت شوق تہا۔ اپنی سلطنت کے آخری زمانہ میں جبکہ وہ بارہ سال حکومت کرچکا تہا بنگالہ کے نزدیک ایک مرتبہ توپ کا فیر کیا۔ اور اس کے پیچھے ہٹنے سے یہ خود بہی مارا گیا۔ یہ ایک گنبددار مقبرہ میں دفن کیا گیا جو سہسرام کے نزدیک واقع ہے۔ میں نے کئی مرتبہ سہسرام کو دیکھا ہے وہ کچھ جگہ قابل ذکر نہیں۔

شیر شاہ کے مرنے کے بعد ہندوستان میں ابتری پہیل گئی۔ سلطنت کے بہت سے دعویدار

---

[۱] ۱۵۴۴ء میں یہ واقعہ ہوا تہا۔ دیکھو تاریخ الفنسٹن صاحب جس میں یہ قصہ بہی لکھا ہے۔ ۱۲

پیدا ہو گئے۔ اس پر شاہ دولہ[۵] نے جو ایک فقیر کامل تھے نہایت عجلت کے ساتھ اپنے ایک مرید خاص کو اپنے جوتے اور چابک دیگر معہ اس پیام کے ہمایوں کے پاس روانہ کیا کہ "خواہش خوش قسمتی کا پیش خیمہ" ہے۔

ہمایوں شاہ دولہ کا مطلب سمجھ گیا اور شاہ ایران سے مدد کی درخواست کی اور یہ بھی عدہ کیا کہ اگر سلطنت ہند پر قابض ہوا تو قندہار سے سرہند تک ملک جو دہلی سے ۴۰ فرسنگ ہے اظہار احسان مندی کے طور پر شاہ ایران کو نذر کیا جائیگا۔ شاہ ایران نے بارہ ہزار منتخب سوار ہمایوں کے ہمراہ کئے اور ہدایت کی کہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ہندوستان کے راجپوت والیان ملک کو اپنا طرفدار بنانا۔

اسطرح ہمایوں معہ اپنے فرزند کے جو وہیں پیدا ہوا تھا ایران سے روانہ ہوا۔ اپنی پرانی سلطنت کی سرحد میں داخل ہوتے ہی اس نے کابلی۔ بلوچ۔ کھکڑ اور راجپوتوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا۔ راستہ میں دشمن کے جو قلعے ملے ان پر قبضہ کر لیا۔

اسے فکر تھا کہ شہر لاہور پر قبضہ کرنا آسان نہیں ہے اس لئے اسنے یہ چال چلی کہ پانسو بہادر اور جانباز سپاہیوں کو فوج سے چن کر ان کو فقیروں کا کہنہ لباس پہنایا۔ ہاتھوں میں تسبیحاں دیں۔ اس قسم کا بھیس بدل کر وہ لاہور پہونچے اور ظاہر کیا کہ یہ فقیروں کا قافلہ حج کے لئے جا رہا ہے۔ اسی طرح جب یہ زیر قلعہ پہونچے اور زادراہ کا سوال کیا تو عزیز خاں افغان نے ان کو قلعہ میں طلب کیا اور بہ نظر ثواب ان کی دعوت کرنی چاہی۔ عزیز خاں کے سامنے پہونچکر اس قافلہ نے اول بلند آواز سے دعائیں دیں اور جب بالکل اس کے قریب پہنچ گئے تو سب نے ایک دم سے تلواریں کھینچ لیں اور اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اور قلعہ پر قبضہ

---

[۵] مصنف کی مراد شاہ دولہ گجراتی پنجابی سے معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اس بیان میں صریح تاریخی غلطی ہے۔ کیونکہ یہ ۱۵۶۰-۶۱ء میں پیدا ہوئے۔ اور ہمایوں نے دوبارہ دہلی کو ۱۵۵۵ء میں فتح کیا اور ۱۵۵۶ء میں وفات پائی۔ جس وقت کا یہ واقعہ لکھا ہے شاہ دولہا پیدا ابھی نہ ہوئے تھے (خزینۃ الاصفیا)۔

کرکے تمام اہل قلعہ کو قتل کر دیا[۵۱]۔ جب ہمایوں کو یہ خبر پہونچی تو اُس نے بعجلت کوچ کرکے شہر لاہور پر قبضہ کر لیا۔ کچھ دنوں بعد تسخیر دہلی کے ارادہ سے اس نے کوچ کیا۔

اگرچہ کئی لڑائیاں ہوئیں مگر پانی پت کے میدان میں ہمایوں نہایت بہادری کے ساتھ لڑکر فتحیاب ہوا۔ اور پھر اس کا سلطنت دہلی پر قبضہ ہو گیا۔ افغان جو بادشاہ ہونے کے مدعی تھے وہ اب پھر ہمایوں کی رعایا ہو گئے۔

ہمایوں نے تخت نشین ہوتے ہی سب سے پہلے شاہ دولہ کو یاد کرکے دیہات اور معافیات عطا کیں جو اب تک اُن کی اولاد کے قبضہ میں ہیں۔ یہ فقیر ولی خیال کیا جاتا ہے اور سلاطین مغلیہ اُس گاؤں کی جس میں اس کا مقبرہ ہے بہت تعظیم کرتے ہیں جو گجرات کے قریب لاہور سے چالیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ سلاطین و شاہزادگان خاندان مغلیہ شاہ دولہ کی اولاد کی بہت عزت کرتے ہیں اور نذرانہ دیتے ہیں۔

چونکہ ہمایوں بخوبی جانتا تھا کہ وقت مقررہ پر تمام امیر و غریب اس دنیا سے سفر کریں گے اور اُسے بھی ایک روز مرنا ہے۔ اس لئے اُس نے اپنا مقبرہ تعمیر کرنے کا حکم دیا کہ بعد وفات اُسے وہاں دفن کیا جائے۔ بارہ پلہ پل[۵۲] کے نزدیک متصل دہلی اُس نے مقبرہ کے لئے جگہ تجویز کی۔ جب مقبرہ کی عمارت تیار ہو گئی تو وہ نہایت شوق سے اُس کے ملاحظہ کے لئے گیا۔ اور سب سے بلند حصہ پر چڑھا۔ اس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ خود موت کے منہ میں جا رہا ہے اپنی عصا پر سینہ ٹیکے ہوئے وہ عمارت کو دیکھ کر اُس کی خوشنمائی وغیرہ کی تعریف کر رہا تھا کہ یکایک عصا اپنی جگہ سے پھسلا اور ہمایوں زمین پر گر پڑا جس سے اُس کی ہڈیاں

---

۵۱ اکبرنامہ میں اس واقعہ اور عزیز خاں کا کچھ ذکر نہیں ہے۔ ۱۲

۵۲ بارہ پلہ پل جس کے بارہ در ہیں ۱۶۱۲ء میں تعمیر کیا گیا۔ مقبرہ ہمایوں اس سے شمال کیطرف نصف میل کے فاصلہ پر ہے۔ ۱۲

اکبر باد شاہ

چور چور ہو گئیں۔ لاش اسی مقبرہ میں دفن کر دی گئی۔ [ا۵]

یہ مقبرہ ایک باغ کے درمیان میں بنا ہوا ہے۔ اندر سے یہ طرح طرح کی نقاشی اور مختلف پتھروں کی پچکاری سے آراستہ ہے۔ چھت پر سنہری ملمع ہو رہا ہے۔

اس مقبرہ پر اور نیز دیگر سلاطین کے مقبروں پر معقول تنخواہ کا ایک محافظ رہتا ہے جس کا کام عمارت کی دیکھ بھال اور خیرات تقسیم کرنا ہے جس کے خرچ کے لئے خاص معافی مقرر ہوتی ہے ہر روز مقبرہ میں جاروب کشی کیجاتی ہے۔ قبر پر کمخواب کا قبر پوش پڑا رہتا ہے اور اوس پر گلاب۔ چمیلی وغیرہ کے خوشبودار پھول رکھے رہتے ہیں۔

قبر پوش کے پاس ہی شاہ مرحوم کے تمام اسلحہ جو نہایت قیمتی ہوتے ہیں۔ مثل تیر۔ کمان۔ ترکش۔ تلوار۔ خنجر۔ برچھی۔ بندوق وغیرہ رکھے رہتے ہیں۔ ایک دوست کی عنایت سے مجھے اس مقبرہ میں جانے اور دیکھنے کا موقع ملا ہے۔

ہمایوں نے دوبارہ بادشاہ ہونے کے دو برس نو ماہ چودہ روز بعد انتقال کیا اور اس کے بعد اس کا فرزند اکبر اس کا وارث اور جانشین ہوا۔

سلطان جلال الدین اکبر

سلاطین مغلیہ میں سے جس کو تیمور لنگ کی شجاعت و عقل ورثہ میں پہونچی تھی وہ بلاشک سلطان اکبر تھا جو فارس [۵۲] میں بزمانہ قیام ہمایوں پیدا ہوا۔ اس نے شاہ ایران کی نصیحت پر جو ہمایوں کو کی تھی پورا پورا عمل کیا۔ اور راجپوتوں کے ساتھ اس نے ایسی شفقت و محبت و یگانگت کا برتاؤ

---

[۵۱] اس مصرع سے سال وفات برآمد ہوتا ہے۔

"ہمایوں بادشاہ از بام افتاد"

[۵۲] اکبر مقام امرکوٹ واقع سندھ میں اسوقت پیدا ہوا جبکہ ہمایوں ہندوستان سے ایران جا رہا تھا

کیا کہ وہ سب اس کے دلی دوست ہو گئے اور ان کی مدد سے اس نے ہندوستان میں بہت فتوحات حاصل کیں۔ بقیہ افغانوں کو زیر کیا۔ راجپوت ایسے مطیع ہوئے کہ وہ بخوشی خراج ادا کرتے۔ بادشاہ کے حکم سے لڑتے اور اپنی بیٹیاں شاہ کی نذر کرتے تھے۔ اکبر نے اگرچہ ان کے مقابلہ میں کبھی ہتھیار نہیں اٹھائے مگر دیگر ہندو راجوں سے لڑنے پر انہیں مجبور کرتا اور اپنے لشکر سے ان کی امداد کرتا تھا۔ اس طریق سے اکبر نے بہت سے راجوں کو تباہ اور کمزور کر دیا۔ اس وقت بھی ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے بہت زیادہ ہے مگر وہ مغلوں کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتے کیونکہ آپس میں جھگڑا فساد اور لڑنا راجپوتوں کی وضع میں داخل ہے۔ اگر یہ سب یک دل ہوتے تو کوئی دوسری قوم یہاں دخل نہ پا سکتی تھی۔ اگرچہ اکبر کے زمانہ میں بہت فتوحات ہوئیں مگر میں صرف چند فتوحات اور خاص خاص واقعات کا ذکر کروں گا جو اس بادشاہ کے عہد میں واقع ہوئے۔

پہلے میں فتح گجرات کا ذکر کرونگا جس کو اکبر نے سلطان بہادر سے اس زمانہ میں لیا تھا جبکہ سورت اور کھمبات کے پاس پرتگیزوں نے قلعہ دیو لیا تھا۔

سلطان بہادر کی وفات کے بعد اس کے لڑکے تا زندگی اکبر کی قید میں رہے۔

اس معرکہ میں اکبر نے ثابت کر دیا کہ کسی اہم موقع پر خود بادشاہ کی موجودگی کیسی ضروری ہے۔ جب شاہی فوج سلطان بہادر کے مقابل صف آرا تھی اور دشمن کا لشکر تعداد میں زیادہ و طاقتور تھا تو شاہی افسروں کو شکست کا خوف ہوا اور وہ لڑائی سے جان چرانے لگے۔ اکبر وہاں سے چار روز کی راہ پر تھا مگر یہ خبر سنکر وہ بذات خود بعجلت وہاں پہونچا اور اس کے پہونچتے ہی فوج کی ہمت بڑھ گئی اور سپاہی ایسا دل توڑ کر لڑے کہ لشکر شاہی مظفر و منصور ہوا۔

دوسرا واقعہ فتح دکن کا ہے جس کے خاص خاص شہر برہانپور۔ اسیر گڈھ۔ احمد نگر۔ اور دولت آباد ہیں۔

برہان پور۔ اور اسیر گڈھ تو ملک مصطفیٰ کے قبضہ میں تھے۔ احمد نگر پر چاند بی بی اور دولت آباد پر ملک عنبر قابض تھے۔

ملک مصطفیٰ کے پاس چالیس ہزار سوار تھے اور قلعہ اسیر گڈہ میں رہتا تھا۔ اکبر نے نہایت سختی کے ساتھ قلعہ مذکور کا محاصرہ کیا۔ جب پانی قلعہ میں کم یاب ہو گیا تو ملک مصطفیٰ نے بھاگنے کا ارادہ کیا مگر پہرہ داروں نے گرفتار کر لیا۔ ملک مصطفیٰ نے اس حال کے پوشیدہ کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ میں شہنشاہ اکبر کے حضور میں حاضر ہو کر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، چنانچہ پہرہ دار اُسے بادشاہ کے حضور میں لے گئے اور اکبر نے اُس کا مطلب دریافت کیا تو اُس نے عرض کیا کہ "میں سلطان ملک مصطفیٰ ہوں اور آپ سے یہ مشورہ لینے آیا ہوں کہ میرے قلعہ میں پانی کی کمی ہے اور صرف اسقدر ہے جو آج رات کو کفایت کر سکے پس حضور مشورہ دیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے"۔

بادشاہ نے ارشاد کیا کہ "تم اپنا راستہ لو۔ اگر خدا کو تمہارا قلعہ باقی رکھنا منظور ہوگا تو وہ تم کو پانی عطا فرمائیگا"۔

چنانچہ رات کو اسقدر بارش ہوئی کہ اکبر کے لشکر کو بہت نقصان پہونچا۔ دشمن کو قابو میں آکر چھوڑ دینے سے اکبر کو تاسف ضرور ہوا مگر اُس نے قلعہ کا محاصرہ اٹھا لیا۔ لیکن کچھ عرصہ بعد پھر اس نے محاصرہ کر کے قلعہ اسیر گڈھ و برہان پور کو لے لیا۔

جب احمد نگر لینے کے لئے اس نے چاند بی بی پر فوج کشی کی تو چاند بی بی نے بھی نہایت بہادری سے مقابلہ کیا لیکن بوجہ محاصرہ سامان خوراک کی کمی سے مجبور ہو گئی۔ اس کو اپنی شان و شکوہ کے مٹنے کا بڑا صدمہ تھا اور گوارا نہ کیا کہ اُس کی دولت و حشمت اکبر کے قبضہ میں جائے۔ چنانچہ اس نے حکم دیا کہ جسقدر سونا چاندی قلعہ میں موجود ہے اُسکو گلا کر توپ کے گولے بنائے جائیں۔ ہر گولہ پر اس نے یہ مضمون کندہ کرایا کہ۔

"جو شخص اس گولہ کو پائے وہی اس کا مالک ہے اور کسی دوسرے شخص کو یہ حق نہیں

کہ جبراً یا رضامندی سے پانے والے سے یہ گولے لے۔ جو اس کے خلاف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔"

توپوں میں یہ گولے بھر بھر کر ہر طرف کو پھینکے گئے۔ جب قلعہ مفتوح ہو گیا تو چاندبی بی کی خوبصورتی کی شہرت سن کر اکبر اس پر عاشق ہوا اور اُسے داخل محل کر لیا۔

میرے وقت میں بھی قلعہ مذکور کے پاس سے ایک گھسیارہ کو اس قسم کا سونے کا گولا ملا تھا جس کا وزن آٹھ پونڈ (چار سیر) تھا جس پر مذکورہ بالا کتبہ کندہ تھا۔ جب سپہ سالار بہادر خاں کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے وہ گولہ خود لے لیا اور کہا کہ چاند بی بی کی خواہش کے مطابق اسے میں نے لے لیا اور میں ہرگز گنہگار نہ ہونگا۔

احمد نگر فتح کرنے کے بعد اکبر نے ملک عنبر پر حملہ کیا جسکے پاس پچاس ہزار سوار تھے۔ معمولی لڑائی کے بعد دولت آباد بھی فتح ہو گیا۔ اس طرح یہ سب جو اس بات سے ناواقف تھے کہ ایک دوسرے کی کس طرح مدد کرتے ہیں مغلوب ہوئے اور اکبر تمام دکن پر قابض ہو گیا۔

ملک کشمیر بھی فتح ہو گیا مگر اس کے مفتوح ہونے میں ہتیاروں یا لشکر سے کام نہیں لیا گیا۔ بلکہ شاہ کشمیر اکبر کی فتوحات کی شہرت سُنکر دلمیں ایسا خائف ہوا کہ بغیر لڑے اس کو بادشاہ کی نذر کر دیا۔ اکبر شاہ کشمیر کی بزدلی سے ضرور متاثر ہوا کیونکہ وہ واقف تھا کہ کشمیر ایسا ملک ہے جس میں بوجہ اونچے پہاڑ ہونے کے مخالف کی فوج مشکل سے داخل ہو سکتی ہے۔ اور ان پہاڑوں پر جانے کے لئے ایسے تنگ راستے ہیں کہ ایک آدمی کل فوج کے روکنے کیواسطے کافی ہے۔ اسی وجہ سے اکبر نے حکم دیدیا کہ اہل کشمیر آیندہ فوج میں بھرتی نہ کئے جائیں۔ بلکہ اُن سے درزیوں۔ حجاموں اور باورچیوں کا کام لیا جائے۔ بہت سے اشخاص ادنی اسباب کی تجارت کرتے ہیں جو کشمیر میں اعلیٰ درجہ کا بنایا جاتا ہے۔ اہل کشمیر خوبصورت۔ گورے رنگ کے ہوتے ہیں جن کی آنکھیں اور بال سیاہ اور ناک اونچی ہوتی ہے۔

اب میں اُس معرکہ کا حال بیان کرتا ہوں جس میں اکبر نے ایک ہندو رانا پر فوج کشی کی تھی اس رانا کا ملک دہلی سے بارہ روز کی راہ ہے۔ سب سے پہلے اکبر نے رانا کے قلعہ چتوڑ کا محاصرہ کیا جس کو میں نے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ یہ قلعہ ایک پہاڑی پر واقع ہے جو اگرچہ بہت اونچی نہیں مگر دونوں پہلو اس کے مثل دیوار کے ہیں۔ پہاڑی کے اوپر ایک مسطح میدان ہے جہاں یہ قلعہ بنا ہوا ہے۔ اس میدان کا طول ڈیڑھ فرسخ اور عرض نصف فرسخ ہے۔ نیچے دریائے ناگ بہتا ہے۔ قلعہ کے اندر شیریں پانی کے مختلف چشمے بہتے ہیں۔ خوراک کا کافی ذخیرہ جمع رہتا ہے۔ تاکہ محاصرہ کے وقت کام آئے اس لئے یہ قلعہ لشکر اور اسلحہ کی مدد سے فتح نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ ناظرین کو آیندہ معلوم ہوگا۔

فوج کشی کرنے سے پہلے اکبر نے راجہ کے پاس ایک ایلچی اس پیام کے ساتھ روانہ کیا کہ:-

"راجہ فوراً اپنی رانی کو بادشاہ کی خدمت میں روانہ کر دے۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ رانی ایسی خوبصورت ہے کہ اُس کی مثل ہندوستان میں کوئی عورت نہیں۔ اور چونکہ دنیا میں میری مثل بھی کوئی بادشاہ نہیں ہے لہذا ایسی خوبصورت عورت میرے پہلو میں ہونی مناسب ہے۔ اگر رانی میری خدمت میں روانہ نہ کی گئی تو رانا کی تمام مملکت آگ اور تلوار سے پھونک دیجائیگی۔ لہذا رانا کے حق میں یہی بہتر ہے کہ رانی پدمنی[۵۱] کو فوراً روانہ کر دے۔"

راجہ نے جواب دیا کہ بادشاہ کو یہاں تشریف لانے کی تکلیف نہ اٹھانی چاہئے۔ اپنی رانی کے روانہ کرنے کے بدلے میں لاکھوں جانیں دینے کے واسطے آمادہ ہوں۔ اگر بادشاہ اس

[۵۱] پدمنی منجملہ اُن چار اقسام کی عورات کے پہلی اور اعلیٰ قسم ہے جنمیں ہندو حکمائے عورتوں کو تقسیم کیا ہے یہاں مصنف کی مراد رانی پدماوتی سے ہے جو سنہ ۱۳۰۳ء کے قریب تھی۔ جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ علاءالدین بادشاہ کے ساتھ پیش آیا تھا نہ کہ اکبر کے۔ رانی پدماوتی کا قصہ زباں زد خاص و عام ہے۔ اور بھاکا و اردو میں نظم کیا گیا ہے۔ ۱۲

ارادہ سے تشریف لائیں گے تو ایک بہادر اور غیرت مند راجپوت سے یہ ناممکن ہے کہ وہ مقابلہ نہ کرے۔

بادشاہ یہ جواب سن کر نہایت ناخوش ہوا کیونکہ اوس کو خیال تھا کہ دنیا میں ایسا کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف جواب دے۔ لہٰذا اس نے تسخیر قلعہ چتوڑ کے لئے فوج روانہ کردی۔ رانا جس کا نام جے مل تھا یہ خبر سنکر معہ اپنے بھائی فتا کے راجپوتوں کی فوج لیکر مقابلہ کے لئے آمادہ ہوا۔

چونکہ اکبر کو اپنی شجاعت و بہادری اور اپنی طاقت کا اظہار منظور تھا تو اس نے بھی لشکر کثیر اپنے ہمراہ لیا جس کا مقابلہ جے مل و فتا نہ کرسکتے تھے۔ لہٰذا ان دونوں نے اپنے قلعہ میں پناہ لی جہاں وہ بارہ برس تک محصور رہے۔

اکبر نہایت متعجب ہوا کہ اسقدر طویل محاصرہ کے بعد بھی وہ قلعہ فتح نہ کرسکا۔ اور اسنے دل میں ارادہ کرلیا کہ وہ اس محاصرہ کو اٹھا کر دوسرے حصہ ملک میں اپنی فتوحات کو جاری رکھے۔ اپنے اس ارادہ سے اکبر نے بذریعہ ایلچی راجہ جے مل کو مطلع کیا۔ اور یہ خواہش ظاہر کی کہ روانگی سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ آپ سے مل کر رخصت ہوں اور اصالتاً آپکی شجاعت کی داد دوں۔

اکبر نے خیال کیا کہ راجہ دہوکہ دہی اور فریب کے خوف سے خود تو یہاں آنے کی جرأت نہ کرے گا اور مجھ سے قلعہ میں آنے کی ضرور درخواست کرے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کیونکہ راجہ جے مل اس منصوبہ اور چال بازی سے قطعی لاعلم تھا جو اکبر نے تجویز کیا تھا۔

راجہ نے نہایت خوشی کے ساتھ کہلا بھیجا کہ اگر بادشاہ سلامت یہاں تشریف لانے کی زحمت گوارا فرمائیں گے تو یہ خادم گرم جوشی سے خیر مقدم کرنے کے واسطے حاضر ہے۔ قلعہ کے دروازے محض اسلئے بند کردیے گئے تھے کہ حضور فاتحانہ داخل

قلعہ ہونا چاہتے تھے۔ مگر اب چونکہ بندگان عالی دوستانہ تشریف لائیں گے لہذا دروازہ قلعہ کشادہ رہے گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ پانسو آدمیوں سے زیادہ ہمراہی نہ ہوں۔

اکبر نے یہ باتیں منظور کر لیں اور جب وہ داخل قلعہ ہوا تو دہوم سے اوس کا استقبال کیا گیا راجہ کی طرف سے اکبر کی دعوت کی گئی اور بیش قیمت جواہرات بطور ہدیہ پیش کئے گئے جن کو اکبر نے شرف قبولیت بخشا۔

اس کے بدلے میں بطور اظہار عنایت اکبر نے چند ہاتھی۔ گھوڑے۔ تلوار اور ایک مرصع ڈھال معہ دیگر تحفوں کے راجہ کو مرحمت فرمائی۔

اکبر نے راجہ کی اور اس کے سرداروں کی شجاعت و بہادری کی بہت تعریف کی۔ اور بہت دیر تک قلعہ کی مضبوطی اور استحکام کی ستایش کرتا رہا۔ اس گفتگو کے بعد راجہ نے بطور اظہار خلوص بعد اجازت عرض کیا کہ آج سے حضور عالی مجھے اپنا تابعدار تصور فرمائیں اور کبھی سرکشی یا سرتابی کی جرات نہ ہوگی۔ ان ظاہری باتوں کے بعد اکبر رخصت ہوا اور راجہ اوس کو پہنچانے کے لئے قلعہ کے دروازہ تک ہمراہ آیا۔

دروازہ قلعہ پر پہونچکر اکبر نے اپنے گلے سے موتیوں کا کنٹھہ اتار کر راجہ کے گلے میں ڈالکر کہا کہ یہ ہار میں تم کو اپنی یادگار کے طور پر دیتا ہوں۔ اور پھر اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر راجہ سے بغلگیر ہوا اور اس کو دھکا دیکر قلعہ کے دروازہ سے باہر لے آیا۔ اودہر اکبر کے ہمراہی پانسو سواروں نے تلواریں نیاموں سے کھینچ لیں اور ہر طرف حملے کرنے شروع کردیے۔ دوسری طرف وہ آدمی جو قلعہ کے دروازہ پر وقت کے منتظر کھڑے ہوئے تھے راجہ کو پکڑ کر قبل اس کے سپاہی پہونچنے کے شاہی فوج میں لے آئے۔

تمام قلعہ میں ایک غلغلہ پڑ گیا۔ سب نے اپنے اپنے اسلحہ سنبھال لئے اور قلعہ کے دروازے بند کر لئے۔ جب رانی پدمنی کو راجہ کی گرفتاری کا حال معلوم ہوا تو اس نے نہایت استقلال و دلیری کے ساتھ اپنی فوج کو مخاطب کر کے کہا کہ "تم یہ سمجھ لو کہ راجہ مر گیا۔ مگر میں

موجود ہوں تم ہرگز بددل نہ ہو اور اپنی پشتینی شجاعت کے جوہر دکھاؤ اور دل توڑ کر دشمن کا مقابلہ کرو اکبر ہرگز اپنے مقصد میں کامیاب نہو گا؟"

یہ کہہ کر پدمنی گھوڑے پر نیزہ لیکر سوار ہوئی اور صفوف لشکر میں جاکر سپاہیوں کو جرأت دلاتی تھی۔ رانی پدمنی کے اس عمل سے تمام فوج کی ہمت بڑھ گئی۔ سب راجپوت ہمہ تن مقابلہ کے لئے آمادہ ہو گئے۔

اکبر کو یقین تھا کہ راجہ جے مل کے قید ہونے کے بعد قلعہ چتوڑ آسانی سے فتح ہو جائے گا۔ مگر جب ایسا نہ ہوا تو اُس نے رانی پدمنی کے نام ایک خط روانہ کیا جس کا مضمون یہ تھا۔ کہ "اگر تم یہ چاہتی ہو کہ محاصرہ اُٹھا لیا جائے تو تم قلعہ چتوڑ کو چھوڑ کر یہاں چلی آؤ۔ اگر ایسا نہ ہوا تو یاد رکھو کہ بلا تامل راجہ جے مل کا سر قلم کر دیا جائیگا"

بہادر رانی نے جواب دیا کہ "میں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ راجہ جے مل قتل کر دیا گیا۔ قلعہ میں ابھی راجہ جے مل سے زیادہ شجاع و دلیر اشخاص موجود ہیں جو راجہ کی قایم مقامی کر سکتے ہیں۔ یہ بہادر ہرگز محاصرہ سے نہیں گھبرائے اور جب تک ان کی جان میں جان ہے قلعہ خالی کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے"

راجپوتوں کو اپنے ارادہ میں ایسا مستقل پاکر اکبر نے آخر محاصرہ اُٹھا لیا۔ لیکن خیمے نصب رہے اور ان میں قالین وغیرہ بدستور بچھے رہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ کچھ دنوں بعد لشکر شاہی پھر آجائیگا۔

اکبر نے فتحپور سیکری کی طرف کوچ کیا۔ جسے اُس نے بہ یادگار فتح افغانان آباد کیا تھا وہیں راجہ جے مل قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اکبر نے اس اثنا میں رانی پدمنی کے پاس مختلف عشقیہ خط روانہ کئے۔ طرح طرح کے تحفے اور ہدیے بھیجے۔ بڑے بڑے وعدے کئے۔ اور اسکو سب سے بڑی ملکہ بنانے کا اقرار کیا۔ مگر اس وفادار رانی نے مطلق پروا نہ کی اور اپنے شوہر کی محبت پر ثابت قدم رہی۔

مگر رانی نے اکبر کو اس طرح دھوکا دینا چاہا کہ اُس نے اکبر کے ساتھ اظہار محبت شروع کیا اور مختلف پیغامات روانہ کرنے کے بعد اُس نے اکبر کے پاس آنے اور اُس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی لیکن اُس نے یہ استدعا کی کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے اجازت دیجائے کہ اپنے شوہر کے پاس جا کر اُس سے مل لے اور رخصت ہو لے۔ اس کے بعد بادشاہ کو اختیار ہے جس طرح چاہے سلوک کرے۔ یہ سُن کر اکبر بہت خوش ہوا اور رانی پدمنی کی سب شرطوں کو منظور کر لیا۔

رانی پدمنی نے سفر کی تیاری شروع کی۔ ایک نہایت خوشنما پالکی تیار کرائی جس پر زردوزی خوبصورت جھکا پڑا ہوا تھا۔ بہت سے خواجہ سرا اور پیدل سپاہی پالکی کے ساتھ رہنے کے لئے جمع کئے گئے۔ اور ان کو حکم دیا گیا کہ کسی کو اُس پالکی کے نزدیک نہ آنے دیں۔ اسکے بعد قلعہ کو فتا کے سپرد کر کے یہ پالکی تین ہزار راجپوت سواروں کے حلقہ میں روانہ کی گئی اور مشہور کیا گیا کہ رانی پدمنی بادشاہ کی خدمت میں جا رہی ہے۔ اس پالکی کے ہمراہ اور بہت سی پالکیاں تھیں اور معلوم ہوتا تھا کہ ہر ایک پالکی میں رانی کی ہمجولیاں ہیں۔ یہ تمام کارروائی ایسی رازداری اور خوبصورتی سے کی گئی کہ سوائے چند رازداران خاص کسیکو علم نہ ہوا اور سب یہی جانتے تھے کہ واقعی رانی اب ان سے جدا ہو رہی ہے اس لئے سب آنسو بہا رہے تھے۔

جب یہ قافلہ روانہ ہو چکا تو اکبر کے پاس اپنی آمد کی خبر بھیجکر رانی نے اُس کے وعدوں کو یاد دلایا کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہونے سے قبل وہ اپنے پہلے شوہر کے پاس جائے گی۔ اگر اسمیں کچھ بھی پس و پیش کیا گیا تو جان دینے کا مصمم قصد کر لیا ہے اور اسی غرض سے ایک تیز خنجر اس نے اپنے پاس رکھ لیا ہے۔

اکبر نے ان تمام باتوں کو صحیح خیال کر کے بہت سے تحفے۔ میوہ جات۔ پھول روانہ کر کے اشتیاق ملاقات ظاہر کیا۔

جب یہ شاہی قاصد پہنچا تو خواجہ سراؤں نے وہ تحفے لیکر پالکی میں پہنچا دینے کا

بہانہ کیا اور اپنی طرف سے مناسب وقت جواب دے کر قاصد کو رخصت کر دیا۔

ایک مرتبہ رانی کی طرف سے بادشاہ کے پاس یہ پیام بھیجا گیا کہ آپ بار بار جو یہ تحفے اور ہدیے روانہ فرماتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ کو میری محبت کا یقین نہیں اور اب مجھے اپنی طرف مائل کرنے کے لئے آپ یہ تحفے ارسال فرماتے ہیں۔ لہذا آیندہ حضور ایسے تحائف روانہ فرمانے سے معاف فرمائیں۔ اب صرف اتنی بات باقی رہگئی ہے کہ اپنے پہلے شوہر سے رخصت ہو کر حاضر حضور ہوں۔

اکبر کو رانی پدمنی کے دیدار کا ایسا اشتیاق تھا کہ اس نے ان تمام باتوں کو سچ جانکر اور اس خوف سے کہ رانی اپنی جان نہ دیدے یہ کہلا بھیجا کہ بے مجھے تمہاری ناخوشی منظور نہیں اور تم کو ہر جگہ جانے کا اختیار ہے۔

جس روز رانی کے شہر میں داخل ہونے کی خبر ہوئی تو اکبر نے ایک مکلف عماری روانہ کی تاکہ اپنے شوہر سے رخصت ہونے کے بعد رانی پدمنی اس میں سوار ہو کر بادشاہ کی حضور میں حاضر ہو۔ علاوہ اس کے بہت سی پالکیاں اور گاڑیاں کنیزوں اور خواجہ سراؤں سے بھری ہوئی مع تمام سامان جلوس جو ایک ملکہ کے شایان شان ہو روانہ کی گئیں۔ مگر رانی کی پالکی کے جو محافظ تھے اونہوں نے کسی کو پالکی کے نزدیک نہ آنے دیا۔ اور براہ راست یہ سب قید خانہ گئے جہاں راجہ بھیم سنگھ اسیر تھا۔ اور اپنے ساتھ اس پالکی کو بھی لے گئے جس میں دو آدمی بیڑیاں اور ہتکڑیاں کاٹنے کے لئے بیٹھے تھے۔ پس اونہوں نے قید خانہ میں جاکر اول راجہ کو آزاد کیا اور باہر آ گئے۔ ایک تیز رفتار گھوڑا تیار کھڑا تھا اوس پر سوار ہو کر راجہ اپنے پانسو سواروں کے حلقہ میں نہایت تیزی کے ساتھ خالی پالکیاں وغیرہ چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔

اکبر باغ میں رانی پدمنی کا انتظار کر رہا تھا جو ایک ہرکارہ گھبرایا ہوا یہ خبر دینے کے واسطے آیا۔ اس کو دیکھکر بادشاہ نے خوش ہو کر رانی پدمنی کے آنے کا حال دریافت کیا۔ ہرکارہ خائف تھا کہ ایسا نہو یہ خبر سنکر بادشاہ مشتعل ہو اور ایسی بد خبر لانے کی وجہ سے اس کا

سر قلم کرا دے۔ لیکن اکبر کے مکرر دریافت کرنے پر چوبدار نے تمام قصہ راجہ کے بھاگنے کا بیان کیا۔
اکبر یہ خبر سُنکر نہایت مضطرب ہوا اور دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بلند آواز سے کہا کہ میں نے جن کے ساتھ فریب کیا تھا آخر انہوں نے مجھے بھی دھوکا دیا۔ اور حکم دیا کہ فوراً راجہ کا تعاقب کیا جائے۔ قبل اس کے کہ اس حکم کی تعمیل کیجائے راجہ بہت دور نکل چکا تھا سڑک پر جابجا گھوڑے موجود تھے جن کو تبدیل کرتا ہوا راجہ جلد چتوڑ پہونچ گیا۔ اوس کے تمام متوسلین نے خوشدلی کیساتھ استقبال کیا۔ خصوصاً رانی پدمنی بہت خوش ہوئی جس کی خوش تدبیری اور مستقل مزاجی سے یہ نتیجہ ظہور میں آیا تھا۔ رانی پدمنی نے درحقیقت ثابت کردیا کہ وفادار زوجہ شوہر کے کس طرح کام آتی ہے۔ اور جو اپنے آپ کو نہایت ہوشیار اور تمام زمانہ کو بیوقوف جانتے ہیں وہ کس طرح دھوکا کھا سکتے ہیں۔
راجہ نے چتوڑ پہنچ کر اکبر کو خط روانہ کیا جس میں تحریر تھا کہ جب ایک عورت اس خوبی سے آپکا مقابلہ کرسکتی ہے تو اب مجھے یہ کہنے میں کچھ پس و پیش نہیں کہ ایک مرتبہ اور آپ میرے مقابلہ کے لئے یہاں تشریف لائیے۔
قلعہ کے سب سے بلند مقام پر راجہ نے ایک مینار تعمیر کر کے اوسپر یہ کتبہ کندہ کرادیا کہ کبھی مغلوں کی بات کا نہ اعتبار کیا جائے اور نہ کبھی ان کی مکاری اور فریب سے غافل رہنا چاہیئے۔
اکبر نے دوبارہ پھر چتوڑ کی طرف کوچ کیا اور قصد کرلیا کہ یا تو قلعہ مذکور فتح کرونگا اور یا وہیں اپنی جان دیدونگا۔ چنانچہ وہاں پہونچکر بہت کشت و خون کے بعد اکبر نے قلعہ کے پاس ایک دیوار تعمیر کر کے اوسپر ایک برج بنایا۔ اور وہاں سے جنگ کرتا مگر قلعہ کو کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکا اگرچہ طرفین کے بہت آدمی کام آئے۔
ایک دن اکبر اسی برج میں بیٹھا ہوا تھا کہ قلعہ کی دیوار کے پاس اوس نے ایک شخص کو کھڑا دیکھا۔ جو کسی رستے کا معائنہ کر رہا تھا۔ اکبر نے اپنی بندوق فیر کی اور گولی نشانہ پر پڑی اور وہ شخص مرگیا۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ جو شخص اکبر کی گولی سے مارا گیا وہ خود راجہ جےمل تھا

جو آج حسب دستور قلعہ میں ہونا گیا اور رانی پدمنی بھی اس کے ساتھ ستی ہوگئی۔
یہ دستور راجہ بکرماجیت نے قانون کی شکل میں قائم کیا تھا۔کیونکہ اکثر راجپوت عورتیں اپنے شوہروں کو زہر دیکر ہلاک کردیا کرتی تھیں۔
ہندوستان کی سب سے زیادہ خوبصورت رانی کا یہ شاندار انجام ہوا جس کی وجہ سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔ اور اکبر باوجود کوششوں اور مکاریوں کے اوسپر قابو حاصل نہ کرسکا۔ رانی کی زندگی کے ساتھ اکبر کی بھی آرزوں کا خاتمہ ہوگیا۔
رانا نے یہ دیکھکر کہ اکبر کا منشا ہنوز محاصرہ اٹھانے کا نہیں ہے اوس کی خدمت میں صلح کا پیغام اس شرط کے ساتھ بھیجا کہ قلعہ چھوڑنے کو وہ آمادہ ہے مگر یہ بادشاہ کے بھی قبضہ میں نہ رہے۔
اکبر نے اس شرط کو منظور کرلیا اور قلعہ کے دروازہ پر پتھر پر اس مضمون کا کتبہ کندہ کرکے لگادیا کہ "ہمیشہ کے لئے یہ قلعہ نہ تمہارا ہے اور نہ ہمارا"۔
میں نے یہ کتبہ کئی مرتبہ دیکھا ہے اور اس وقت تک یہ اسی جگہ نصب ہے۔ البتہ قلعہ بالکل غیر آباد ہے اور اکثر حصہ خراب ہے اوس میں دھوپ اور بارش کے وقت پناہ گزین ہوتے ہیں شاہ اورنگ زیب نے اپنے زمانہ سلطنت میں قلعہ کی مرمت کا حکم دیا تھا جیسا کہ آیندہ ناظرین کو معلوم ہوگا۔
اکبر نے یہ خیال کرکے کہ قلعہ چھوڑ کا تو وہ مالک ہو نہیں سکتا پھر اس کی وجہ سے اور فتوحات کو کیوں ملتوی کیا جائے۔ چنانچہ اس نے پٹھانوں اور ہندوؤں سے بنگالہ۔ ٹھٹھ۔ اور سندھ فتح کئے۔ سندھ میں قلعہ بھکر واقع ہے جس کا حال میں اورنگ زیب وداراشکوہ کی لڑائی کے سلسلہ میں بیان کرونگا۔
اکبر کو اکثر موقع پیش آئے جیسے اکثر فاتحوں کو پیش آتے ہیں کہ اس کی مفتوحات اور آزادی خطرہ میں پڑگئیں مگر اس کے سپاہیوں کی وفاداری اور بہادری نے پورے

طور سے ان خطروں کا مقابلہ کیا منجملہ ایسے خطروں کے ایک یہ بھی تھا کہ اوس کے بعض فوجی افسروں نے اُس کے اکلوتے فرزند جہانگیر کو بغاوت کے لئے برانگیختہ کیا۔ جہانگیر کے دل میں یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ اب اُس کی عمر سلطنت کرنے کے قابل ہو گئی ہے۔ اور اب زیادہ عرصہ تک انتظار نہ کرنا چاہیے۔ بہت سے ایسے بے سروپا وجوہات اس نے تصنیف کر رہے تھے۔

جہانگیر چونکہ ایک سادہ لوح نوجوان[1] تھا اور اب بازسرداروں کی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکا کھا کر بغاوت پر آمادہ ہو گیا اور اُس کا یہ خیال کہ وہ بادشاہ ہو جائیگا پُورا نہ ہو سکا کیونکہ اکبر بھی کچھ کمزور نہ تھا اور اس شورش کے دفع کرنے کی پوری قوت رکھتا تھا۔ چنانچہ جہانگیر قید کر لیا گیا۔ لیکن اکبر اُس الفت و محبت کی وجہ سے جو اوس کو اپنے بیٹے سے تھی زیادہ سزا نہ دے سکا اور اُسے آزاد کر دیا تاہم اکبر نے اُس کو کچھ سبق دینا چاہا۔ چنانچہ کچھ روز کے بعد جبکہ اکبر و جہانگیر شکار کو جا رہے تھے تو سڑک کے کنارے ان سرداروں کے لاشے درختوں میں لٹکے ہوئے تھے جنھوں نے جہانگیر کے ساتھ ہو کر بغاوت کی تھی۔ اُس وقت اکبر نے اپنے فرزند کو مخاطب کر کے کہا کہ

"دیکھو۔ باغیوں کے ساتھ یہ سلوک کیا جاتا ہے۔ سلیم۔ تم جانتے ہو کہ سوائے تمہارے میرے کوئی دوسرا لڑکا نہیں۔ اور یقیناً مری تمام سلطنت کے تمہیں وارث اور مالک ہو گئے۔ مگر تم نے ایک بُری مثال قائم کی اور مورخین کبھی یہ لکھنے سے باز نہ آئیں گے۔ کہ نسل تیمور سے تم پہلے شخص ہو جو باپ سے باغی ہوئے۔

میں جانتا ہوں کہ درحقیقت اس میں تنہا تمہارا قصور نہ تھا بلکہ دراصل مجرم وہ ہیں جنھوں نے تمہیں یہ بُری صلاح دی اور بغاوت پر آمادہ کیا۔ چنانچہ وہ اپنے کیفر کردار کو پہونچے اور تم نے جسقدر اس جرم میں حصہّ لیا تھا اوسی قدر تم کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑی۔ لیکن محبت پدری کی وجہ سے میں تم کو مناسب سزا دینے سے مجبور رہا"

سرداران مذکور کے مارے جانے سے اکبر کی فوج میں ایک قسم کی بیچینی پیدا ہو گئی۔ اور

---

[1] یہ واقعہ ۱۶۰۰ء میں ہوا جبکہ جہانگیر کی عمر تیئیس سال کی تھی۔ ۱۲۰

اکبر نے کچھ زمانہ تک اپنی فتوحات کو اس لئے ملتوی کر دیا کہ اس واقعہ کی یاد دلوں سے محو ہو جائے۔ اپنی فتوحات کی یادگار میں اکبر نے شہر فتح آباد[1] آباد کیا اور کچھ روز وہیں مقیم رہا۔ لیکن کچھ راجپوت دیہاتیوں نے بغاوت اختیار کی اور ادائیگی خراج سے انکار کیا۔ کچھ تو اس وجہ سے اور نیز بعض دیگر وجوہ سے اکبر نے بارہ فرسخ ادھر دریائے جمن کے کنارے دوسرا شہر آباد کرنا چاہا۔ اس مقصد کے لئے اس نے ۱۵۶۳ء آگرہ (جو ایک گاؤں تھا) پسند کیا اور اس کو آباد کرکے اکبر آباد نام رکھا۔ اس شہر کے آباد ہونے سے فتح آباد کی آبادی کم ہو گئی۔ لیکن اس پر بھی دیہاتی راجپوت بغاوت سے باز نہ آئے۔ خصوصاً متھرا کے قرب و جوار میں ایسی بغاوت کا زور و شور تھا۔

متھرا جس کا نام اورنگ زیب نے اسلام آباد رکھا تھا آگرہ سے بیس فرسخ دہلی کی طرف واقع ہے۔ اس بغاوت کا اصلی سبب یہ تھا کہ باغی خراج ادا کرنا نہ چاہتے تھے۔

جب اکبر نے اکبر آباد کی بنیاد ڈالی تو اس نے حکم دیا کہ شاہی محلات تانبے کے بنائے جائیں۔ لیکن عرض کیا گیا کہ اول تو اسقدر تانبا ملنا مشکل ہے کہ ایسے عالی شان مکانات تیار ہو سکیں۔ دوسرے موسم گرما میں ان میں گرمی اور موسم سرما میں سردی کی ایسی زیادتی ہو گی جو ناقابل برداشت ہوگی۔ یہ سنکر اکبر نے اس ارادہ کو ملتوی کر دیا اور قلعہ و محلات شاہی تراشیدہ سنگ سرخ سے بنائے گئے۔

شہر اکبر آباد دریائے جمن کے کنارہ ایک مسطح میدان میں واقع ہے اور دریائے مذکور اسکو دو برابر حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہ بڑا شہر ہے جس کا محیط بارہ فرسخ ہے۔ چاروں طرف باغات بکثرت ہیں۔ اگرچہ شہر پناہ نہیں ہے تاہم خاص خاص سڑکوں پر شاندار دروازے بنے ہوئے ہیں۔ قلعہ بھی دریائے جمن کے کنارہ پر ہے اور بروقت ضرورت اس کی

---

[1] فتح آباد سے شاید مصنف کا مطلب فتحپور سیکری سے ہو۔ ۱۲

خندق میں دریا سے پانی بھرا جا سکتا ہے۔ قلعہ کے دونوں طرف شاہزادگان و امرا کے خوشنما و عالی شان محلات ہیں۔ ان محلات کے سامنے دریا کے اُس طرف ایک وسیع باغ اور ایک گانوں ہے جس میں بہت سے مقبرے وغیرہ ہیں جنکا آئندہ ذکر کرونگا

جس زمانہ میں یہ شہر تعمیر ہو رہا تھا تو بادشاہ کا خاص شوق مست ہاتھی پر سوار ہونا اور لڑانا تھا۔ یہ نہایت خطرناک شوق ہے اکثر فیلبان ہاتھیوں کی لڑائی میں مارے جاتے ہیں۔ اسی لئے جب کوئی فیلبان اپنے ہاتھی پر سوار ہو کر اُس کو لڑائی کے لئے لیجاتا ہے تو اُس کی زوجہ زیور اتار کر اپنی چوڑیاں توڑ ڈالتی ہے جو بیوہ ہونے کی علامت ہے۔ چونکہ اُسے شوہر کے زندہ واپس ہونے کی امید نہیں ہوتی اس لئے ایسا کیا جاتا ہے۔ ہاتھیوں کی لڑائی کا حال میں کسی اور جگہ بیان کروں گا۔ میں یہاں اس بادشاہ کی شجاعت و دلیری کی ایک مثال آپ کے سامنے پیش کرنی چاہتا ہوں۔

اُن باغی دیہاتیوں نے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ایسا سر اُٹھایا کہ اکبر نے بذات خاص اُنکی سرکوبی کے لئے جانا مناسب خیال کیا۔ اُس نے اُنکے قلعہ کا محاصرہ کیا جس میں باغی پناہ گزیں تھے۔ مگر قلعہ ایسا مضبوط تھا کہ اس کا سر ہونا مشکل تھا۔ اکبر نے حکم دیا کہ قلعہ کا دروازہ توڑنیکے لئے ہاتھی بھیجے جائیں۔ دوسرے روز علی الصباح خود اکبر بہ تبدیل لباس دروازہ کے پاس آیا اور ایک بہادر ہاتھی پر سوار ہو کر اُس نے قلعہ کے دروازہ پر حملہ کیا۔ پہلے حملہ میں ہاتھی دروازہ نہ توڑ سکا مگر دوسرے حملہ میں دروازہ ٹوٹ کر کھل گیا اور قلعہ فتح ہو گیا۔

اس ہاتھی کے مہاوت نے چونکہ اکبر کو شناخت نہ کیا تھا اس لئے اُس نے نام دریافت کیا تاکہ خاص طور سے بادشاہ کو اسکی بہادری کی اطلاع دی جائے اور عرض کیا جائے کہ یہ قلعہ کا فاتح ہے۔ اکبر نے اپنا نام بتانے سے قبل کہا کہ میں ہاتھی کا

نام دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ مہاوت نے ہاتھی کا نام پھر تیلا بتایا تو اکبر نے کہا کہ اس کا نام درگشا ہونا چاہیئے۔ چنانچہ دوسرے دن جب تمام ہاتھی اکبر کے سامنے کھڑے کیے گئے تو اُس نے پھر تیلیہ کو درگشا کا خطاب دیکر تمام ہاتھیوں کا سردار بنایا اور راتب کا بھی اضافہ کیا۔ مہاوت کو بھی خلعت دیکر سرفراز کیا۔ اُس وقت فیلبان کو معلوم ہوا کہ قلعہ کا دروازہ توڑنے والا خود بادشاہ تھا۔

ان باغیوں نے اکبر کو بیحد تنگ اور دق کیا۔ جب وہ قلعہ فتح کرکے واپس ہوا تو اُس نے کئی مرتبہ فوج اُنکی سرکوبی کیلئے روانہ کی۔ سپہ سالاروں نے وہاں پہنچکر حسب حکم شاہی اُنکو قتل کیا۔ یہ باغی یا تو خاردار جھاڑیوں کی آڑ پکڑکر اور گانوں کی کچی دیواروں کے پیچھے چھپ کر فوج شاہی کا مقابلہ کرتے تھے۔ اُنکی بیبیاں تیر اور نیزے لئے ہوئے اُنکے پیچھے کھڑی ہوئی تھیں۔ جب شوہر بندوق کا فیر کرچکتا تھا تو عورت اس کو فوراً نیزہ دیدیتی تھیں اور بندوق لیکر بھرنا شروع کرتی تھی۔ یہ باغی اسی طرح مقابلہ کرتے رہے یہانتک کہ جب وہ بالکل کمزور ہو گئے۔ اور اُنہیں یقین ہو گیا کہ اب شاہی فوج کا مقابلہ دشوار ہے تو انھوں نے اپنی بی بیوں اور بیٹیوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کر دیا اور سب کے سب ایک مرتبہ شاہی فوج پر ٹوٹ پڑے۔ اور ایسا کرنے سے کئی مرتبہ غالب آ گئے۔

ہر مرتبہ جب کوئی سپہ سالار فتحیاب ہوتا تو باغیوں کے سر کاٹ کر وہ اس غرض سے آگرہ روانہ کرتا کہ شاہی محل کے سامنے آگاہی عوام کے لئے لٹکائے جائیں۔ چوبیس گھنٹہ کے بعد یہ سر وہاں سے علیحدہ کرکے یا تو سڑک اعظم کے درختوں میں لٹکا دیئے جاتے ہیں اور میناروں پر رکھ دیتے جاتے ہیں جو خاص اسی لئے تعمیر کئے گئے ہیں۔ ہر مینار پر سو سر رکھے جاتے ہیں۔ میں نے اکثر شہر میں ان دیہاتیوں کے سروں کے انبار دیکھے ہیں۔ ایک مرتبہ ایسے دس ہزار

سرسری نظر سے گذرے۔ سلطنت مغلیہ میں میں چونتیس سال تک مقیم رہا اور اس عرصہ میں مجھے اکثر آگرہ سے دہلی تک سفر کا اتفاق ہوا۔ ہر مرتبہ میں نے سڑک پر ایسے تازہ کٹے ہوئے سر درختوں میں لٹکتے ہوئے دیکھے۔ چوروں اور قزاقوں کی لاشیں بھی درختوں میں لٹکتی ہوئی پائی گئیں۔ جن کو رہزنی اور چوری کے جرم میں سزا دی گئی تھی۔ ان سروں اور لاشوں سے اس قدر بدبو پھیلتی ہے کہ راہ گیروں کا دماغ پریشان ہو جاتا ہے اور ناک بند کر کے جلد جلد قدم اٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ ×

اکبر کی زندگی میں یہ دیہاتی کچھ نہ کر سکے مگر اُس کے مرنیکے بعد انہوں نے جس طرح اکبر کی ہڈیوں سے انتقام لیا اُسکا حال ناظرین آیندہ ملاحظہ کریں گے۔

اکثر منجمین کا قول ہے کہ ستارہ مریخ ہندوستان کا بادشاہ ہے اس لئے یہاں کے جانور بیخوف اور مضبوط ہوتے ہیں اور جو مسافر یہاں کا پانی پی لیتا ہے اُس کو بھی لڑائی کا شوق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ میرا واقفکار ایک ارمنی مسمی بہ الے بڑدی (Alaberdy) تھا جو کچھ سامان تجارت فروخت کرنیکے لئے وارد ہندوستان ہوا تھا۔ سات روز کے بعد اُس کی یہ کیفیت ہو گئی کہ بات بات پر جھگڑتا اور ہر دفعہ دست بقبضہ ہوتا گویا جنگ پر آمادہ ہے۔ اُس کو سمجھایا گیا کہ وہ ایک سوداگر ہے اور اپنا مال فروخت کرنے یہاں آیا تھا اس قسم کا جھگڑا کرنا ہرگز مناسب نہیں۔ اُس نے اپنے جذبات فرو کرنے کی اس لئے کوشش کی کہ وہ بہادر نہ تھا۔ اگرچہ لڑنے بھڑنے کی خاص وجوہات نہ تھیں اور اُسے سمجھایا بھی گیا لیکن اُسکے دل میں یہی خیالات پیدا ہوتے رہے۔ ایسے خیالات کے پیدا ہونیکے وجوہات مجھے بتانے مناسب ہیں۔ اثنائے سفر میں خاص طور سے میں نے دیکھا کہ ان صوبجات کے بیلوں اور گایوں کے سینگ سامنے کی طرف خم اور نوکدار ہوتے ہیں۔ تمام سلطنت مغلیہ میں دیکھا گیا کہ اگرچہ مویشی زیادہ جسیم نہیں لیکن بہت وحشی ہوتے ہیں۔

جب اکبر نے ہاتھی کی مدد سے دروازہ توڑا جس کا ذکر ابھی کیا گیا تو ایک ہندو راجہ نے اکبر سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو اور بادشاہ خاص توجہ سے سماعت فرمائیں تو میں ایک بات گوش گذار کرنی چاہتا ہوں۔ اکبر نے اجازت دی تو راجہ نے عرض کیا کہ ہاتھی پر سوار ہوتے وقت سامنے سے اُسکی خرطوم پر پاؤں رکھ کر اوپر جانا جیسا اُس وقت رواج تھا۔ بادشاہ اور تمام امرا اسی طرح سوار ہوتے تھے) خطرہ سے خالی نہیں۔ اگر ہاتی مست ہو تو یہ رواج اور بھی خوفناک ہے اور ہاتھی کو اُس شخص کا مار ڈالنا بہت آسان ہے جو سامنے سے اُس پر سوار ہونے کی کوشش کر رہا ہو۔ یہ مناسب ہے کہ ہاتھی پر پہلو کی طرف سے بذریعہ زینہ سوار ہوا جائے۔ راجہ سے یہ سُن کر اکبر نہ صرف خوش ہوا بلکہ اس کے کہنے پر عمل کیا۔ اور اب ہاتھی پر اسی طرح سوار ہونیکا رواج ہو گیا۔ اکبر نے اپنی خوشنودی ظاہر کرنیکے لئے کہا کہ میں بھی تم کو ایک نصیحت کرتا ہوں اس کو یاد رکھنا۔ وہ یہ ہے کہ تم اپنے علاقہ کو چلے جاؤ۔ اگر اتفاقاً میں یا میرا کوئی جانشین کبھی تم کو بلائے تو ہرگز نہ آنا اور معافی مانگ لینا۔ کیونکہ ایک بڑا آدمی دوسرے بڑے آدمی کے دربار میں ٹھہر کر کبھی کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اور بڑے آدمی کو اپنے ہم رتبہ آدمی کے ساتھ ہرگز محبت نہیں ہوتی۔

اکبر نے یہ بات اس لئے کہی کہ وہ خود ان طریقوں سے واقف تھا کہ جس طرح وہ ان راجاؤں کے ساتھ پیش آتا جو حاضر دربار ہوتے تھے اور اُن کے ذلیل کرنیکے لئے موقع اور وقت کا متلاشی رہتا تھا۔ چنانچہ ایک راجہ سے اُس نے متعدد وعدے کئے۔ جب وہ حاضر دربار ہوا تو اُسے معلوم ہوا کہ بادشاہ وہ وعدے ایفا کرنے نہیں چاہتا۔ راجہ بہت بردل ہوا۔ ادھر اکبر نے اُسے ٹالنے کے لئے کہا کہ اگر راجہ اپنے علاقہ کو جانا چاہے تو اُسے روانگی کی اجازت مل سکتی ہے۔ یہ سُنکر راجہ اگرچہ خاموش رہا اور زبان سے ایک لفظ بھی نہ کہا مگر اُس کے چہرہ سے ظاہر ہوتا تھا کہ یہ توہین آمیز الفاظ اُسے پسند نہیں۔ یہ معلوم

کرکے اکبر نے خشم آلود آواز سے کہا کہ تم کو وطن جانے کی آزادی اُس وقت تک نہیں مل سکتی جبتک تم ہمارے سامنے زبان سے کچھ نہ کہو گے۔ راجہ بھی اپنے ارادہ میں ایسا مستقل تھا کہ وہ پھر بھی نہ بولا۔ اس پر اکبر نے حکم دیا کہ راجہ ہر روز حاضر دربار ہوا کرے تاکہ معلوم ہو کہ کبتک یہ نہیں بولتا۔ اکبر کو اس کا انتظار تھا کہ راجہ اگر کچھ گفتگو کرے تو اُس کو جانے کی اجازت دیدی جائے۔ مگر راجہ عرصہ تک حاضر دربار ہوتا رہا مگر کبھی زبان سے ایک لفظ نہ کہا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے مصاحبین کو حکم دیا کہ وہ اس بات کی تحقیق کریں کہ راجہ کو کس کام سے دلچسپی ہے۔ چنانچہ اُنہیں معلوم ہوا کہ راجہ شکار کا بیحد شوقین ہے اور جانوروں کے حالات سے خوب واقفیت رکھتا ہے۔ یہ معلوم کرکے اکبر نے مصاحبین کو ہدایت کی کہ جب راجہ حاضر دربار ہوا کرے تو ہمیشہ شکار اور جانوروں کے متعلق ذکر کیا کریں مگر ہر بات امر واقعی کے خلاف ہو۔ چنانچہ ایک روز بادشاہ نے ایک مصاحب سے مختلف جانوروں کے حالات اور عمر کی نسبت سوالات کئے جس کا جواب اُس نے غلط دیا جسکو سنکر بادشاہ نے اسکی بہت تعریف کی۔ راجہ نے یہ دیکھ کر اپنے ہاتھ ملے اور ہونٹ کاٹنے شروع کئے۔ اُس کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور چاہا کہ اس غلط بیانی کی تردید کرکے وہ بادشاہ سے صحیح جوابات عرض کرے۔ مگر چونکہ وہ دل میں نہ بولنے کا عہد کر چکا تھا اس لئے اس نے بولنے کی جرأت نہ کی۔ بادشاہ نے پھر مصاحب سے دریافت کیا کہ جوان اور بوڑھے شیر کی کیا شناخت ہے؟ اُسنے عرض کیا کہ اگر شیر اپنے ناخون زمین میں گاڑ کر اپنے پنجے اٹھائے اور زور سے ڈکارے تو جاننا چاہیئے کہ وہ بوڑھا ہے۔ یہ سنکر راجہ سے ضبط نہ ہوسکا اور بیساختہ جوش میں آکر اُس نے مصاحبین سے کہا کہ نہایت تعجب ہے ایسے شہنشاہ عظیم الشان کے دربار میں آپ سب اس قدر جھوٹ بولتے ہیں۔ جن باتوں سے آپ کو واقفیت نہیں اُن کو اس شدومد سے بیان کرکے آپ اپنی ہمہ دانی ثابت کرنی چاہتے ہیں۔ جب شیر اپنے ناخن زمین پر گاڑ کر پنجوں پر زور دیکر کھڑا ہوتا ہے اور زور سے آواز دیتا ہے۔ یہ علامت ہے کہ شیر جوان ہے

اور اپنی مادہ کو پکارتا ہے۔ اور جب وہ پاؤں پر زور دیکر چلتا ہے اور ناخن زمین میں گاڑنے کے وقت آواز دیتا ہے تو جاننا چاہیئے کہ شیر بوڑھا ہے اور اُسکی صحت اچھی نہیں۔ اکبر راجہ کے بولنے سے بہت خوش ہوا اور خلعت مع مالاء مروارید و ہاتھی عنایت فرماکر اُسے اپنے علاقہ کو جانے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ جانے سے پہلے اکبر نے راجہ سے اُسکے خیمے طلب کئے جو سرخ رنگ کے تھے اور بجائے اُن کے اور خیمے اور اپنے فراش خانہ سے عنایت فرمائے۔ اور راجہ کو حکم دیا کہ آیندہ وہ سرخ خیمے استعمال نکرے۔ اور یہ ایک قانون بنا دیا گیا کہ سوائے بادشاہ یا شہزادوں کے کوئی اور شخص سرخ خیمہ رکھے اور نہ استعمال میں لائے۔

اگرچہ کئی مرتبہ تھوڑے عرصہ کے لئے اکبر نے فتوحات کو روک کر آرام لیا لیکن وہ دوسرے ممالک کو فتح کرنیکا ایسا شایق تھا کہ حالت خواب میں بھی وہ اپنے جذبات کو نہ روک سکتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ سوتے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا اور ایک ہندو راجہ کے علاقہ کی طرف اشارہ کیا اور دوسرے ہاتھ سے ٹھوڑی پکڑ کر اس طرح حرکت دی کہ گویا کسی کو اعلان جنگ دیتا ہے۔ اکبر راجپوتوں کی تالیف قلوب کے لئے اپنی ڈاڑھی منڈایا کرتا تھا۔

شاہی محل کے سقہ نے اکبر کی یہ حرکات دیکھیں اور باہر آکر اکثر آدمیوں سے ذکر کیا کہ بادشاہ راجہ کرن[1] پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے۔ جب یہ خبر شہر میں مشہور ہوئی تو چند درباریوں نے بادشاہ سے استفسار کیا۔ یہ سنکر اکبر نہایت متعجب ہوا کیونکہ اُسنے اپنے اس ارادہ کا اظہار کسی سے نہ کیا تھا اور نہ کسی کو اسکا علم تھا۔ اس نے حکم دیا کہ اس خبر کے مشہور کرنے والے کا پتہ لگایا جائے۔ یہ معلوم ہوکر شاہی محل کا سقہ اس خبر کا شائع کنندہ ہے اکبر نے اُسے اپنے سامنے بُلاکر دریافت کیا کہ یہ خبر اُسے کہاں سے معلوم ہوئی۔ سقہ نے تمام حال بیان

[1] غالباً اس سے مراد لونکرن کچھواہا راجہ سانبھر سے مراد ہے (دیکھو ماثرالامرا جلد ۲)

کر کے عرض کیا کہ بادشاہ کے اشارہ کرنے سے میں نے یہ سمجھا کہ اس طرف سوائے راجہ کرن کی کوئی راجہ ایسا نہیں ہے جو بادشاہ سے منحرف ہو۔ اس بنا پر میں نے قیاس کیا کہ بادشاہ کا منشا اسی پر فوج کشی کرنے کا ہے۔ اور اس لئے میں سامان کرنے لگا۔ یہ سنکر بادشاہ نے کہا کہ اس کا کچھ قصور نہیں بلکہ میرا ہی قصور ہے۔ اور سقہ کی ترقی کر کے کسی دوسرے عہدے پر مقرر کر دیا۔

اس کے بعد اکبر نے اُن افغانوں کے مقابلہ میں لشکر روانہ کرنا چاہا جو دریائے سندھ (انڈس) کے اس طرف کابل تک آباد ہیں۔ ان میں کئی والیان ملک پہاڑوں کے درمیان آباد ہیں۔ یہ وحشی گورے رنگ کے مسلمان ہیں۔ ان میں سے ایک والی ملک تین لاکھ بہادر وحشی نیزہ باز جمع کر سکتا ہے۔ یہ جنگ میں سواروں کا استعمال نہیں کرتے۔ اکبر نے اسّی ہزار سوار اس قوم کے مغلوب کرنے کے واسطے روانہ کئے۔ اور اُس کو گمان تھا کہ میری عالمگیر فتوحات کی شہرت سُنکر یہ قوم تابع فرمان ہو جائیگی۔

یہ اسی ہزار سوار پہاڑوں کے راستہ سے روانہ ہوئے۔ مگر کسی کو یہ معلوم نہ ہوا کہ انکے ساتھ کیا واقعہ پیش آیا۔ کیونکہ ان میں سے ایک متنفس بھی بچکر واپس نہ آیا جس سے کچھ حال معلوم ہوتا۔ مگر یہ مشہور ہے کہ رہبر دہوکہ دیکر انہیں دشوار گذار اور غلط راستہ سے لیگیا۔ جب یہ ایک پہاڑ کے درہ میں داخل ہو گئے تو دونوں طرف سے راستہ بند کر دیا گیا۔ اور بلا جنگ یہ سب کے سب اسی درہ میں مر کر رہ گئے۔

اکبر نے ہندوستان میں جو فتوحات حاصل کیں انمیں اُس نے اُس توپخانہ سے کام لیا جو چینیوں کی ایجاد تھا کیونکہ کسی زمانہ میں یہ چینی ہندوستان کے مالک تھے۔ اس بحث کو میں آیندہ بالتفصیل لکھکر یہ بات ثابت کرونگا۔ باوجودیکہ اکبر نے لڑائیوں میں سینکڑوں مرتبہ توپیں چلتی ہوئی دیکھی تھیں مگر پھر بھی اُسے توپ کی چاندماری دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن یہ معلوم کر کے کہ اسکے گولنداز کچھ ہوشیار نہیں ہیں۔ اس نے گورنر سورت کو حکم بھیجا کہ وہاں سے

کوئی ہوشیار انگریز گولنداز روانہ کیا جائے۔ اُس وقت سورت میں ایک نہایت ہوشیار گولنداز موجود تھا (یہ مشہور ہے کہ سب سے پہلے انگریز سوداگر یورپ سے سورت میں آئے تھے) انگریز افسر کی اجازت کے بعد اُسے دربار میں روانہ کیا گیا اور اکبر نے پانسو روپیہ ماہوار پر ملازم رکھ لیا۔ مثل دیگر اہل یورپ کے انگریز بھی شراب پینے کے شوقین ہوتے ہیں جو اُن کو ہندوستان میں اس وجہ سے نہیں ملتی کہ مذہب اسلام میں اسکا استعمال ممنوع ہے اس وجہ سے انگریز گولنداز باوجود اس قدر تنخواہ ملنے کے خوش نہ تھا۔ ایک روز اکبر نے اسے نشانہ لگانیکا حکم دیا اور اس مقصد کے لئے محل شاہی کے مقابل دریا کے کنارے ایک کاغذ کے تختہ پر نشانہ بناکر لگایا گیا۔ گولنداز نے عمداً توپ کو اس طرح فیر کیا کہ گولہ نشانہ پر نہ لگا۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نہایت بددل ہوا اور خیال کیا کہ نشانہ بازی سے بالکل ناواقف ہے لہذا اُس نے دریافت کیا کہ جبکہ وہ فن نشانہ بازی میں ہوشیار و مشہور ہے تو پھر ایسی فاش غلطی کا کیا سبب ہے؟ انگریز نے جواب دیا کہ "مجھے نشانہ نظر نہیں آتا اگر میں شراب پئے ہوئے ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ گولا نشانہ پر نہ پڑتا"۔ بادشاہ نے شراب لانیکا حکم دیا جس کی محل شاہی میں تو کچھ ضرورت نہ تھی اور نہ وہاں موجود رہتی تھی۔ البتہ ہاتھیوں کو طاقت کے لئے دی جایا کرتی تھی اور اسی لئے تیار ہوا کرتی تھی۔

انگریز شراب کو دیکھ کر ایسا خوش ہوا کہ اُس نے عجلت کے ساتھ بوتل لیکر مُنہ سے لگالی اور ایسی بیصبری سے شراب پینے لگا جیسے مدت کا پیاسا پانی پیتا ہے۔ ایک سانس میں اُس نے کل بوتل پی لی۔ بادشاہ انگریزوں کو شراب کا اس قدر شائق دیکھکر متعجب ہوا۔ جب انگریز شراب پی کر چاق ہوگیا تو نشانہ کو دیکھکر کہا کہ اس کو ایک لکڑی پر لگاکر نصب کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ اور اس مرتبہ جو اس نے توپ فیر کی تو گولا ٹھیک نشانہ پر پڑا جس سے بادشاہ اور تمام درباری بہت مسرور ہوئے۔ یہی وجہ تھی کہ اکبر نے یورپین کو شراب کشی کی اجازت دیدی تھی۔ اور یہ قاعدہ اس وقت تک

جاری ہے کہ اپنے خرچ کے لئے ان لوگوں کو شراب کشی کی اجازت ملے۔ مذکورہ بالا واقعہ کے سبب سے اکبر کو یورپین ملازم رکھنے کا شوق ہوا اور بہت سے یورپین سنگتراش، سنار، مینا کرنے والے، ڈاکٹر، گولنداز ملازم رکھے گئے۔ ان میں زیادہ تر رومن کیتھولک تھے۔ انہوں نے بادشاہ کو عرضی دی کہ یا تو ہم لوگوں کو وطن جانے کی اجازت دی جائے اور یا ہم کو اپنی رسومات مذہبی بجالانے کی آزادی مرحمت فرمائی جائے۔ چونکہ بغیر پادری کے ان لوگوں کا رسومات مذہبی ادا کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے اکبر نے گوا سے ایک پادری بلوا کر تعمیر گرجا کی اجازت دیدی تمام ہندوستان کا بادشاہ ہوجانیکے بعد اکبر نے اپنے باپ کی تقلید کی اور اپنے دفن کر لئے مقبرہ بنانے کا ارادہ کیا۔ دہلی کی سڑک پر آگرہ سے تین فرسخ کے فاصلہ پر جانب غرب ایک باغ پسند کیا گیا جس کا نام سکندرہ رکھا۔ اس مقبرہ کا سنگ مرمر کا بڑا گنبد ہے چھت سنہری قلعی اور مختلف رنگوں کی نقاشی سے مزین ہے اور جابجا جواہرات لگے ہوئے ہیں باغ نہایت وسیع اور چاروں طرف سے محصور ہے جس میں جگہ جگہ کمرے بنے ہوئے ہیں اکثر جگہ انسانی تصویریں منقش ہیں مگر شاہ اورنگ زیب کے حکم سے اُن پر اس طرح سفیدی پھیر دی گئی ہے کہ تصویریں نظر نہیں آتیں۔ اور یہ اس لئے کیا گیا کہ مذہب اسلام میں تصویریں بنانی ممنوع ہیں۔ میں کئی مرتبہ اس مقبرہ کے دیکھنے کے لئے باغ میں گیا۔ کیونکہ اورنگ زیب کے تصویریں مٹانیکے حکم سے قبل مجھے ان تصویروں کے دیکھنے کا بہت شوق تھا۔ باغ کے دروازہ پر حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے کی اور حضرت مریم وغیرہ کی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

میں مقبرہ مذکور کے اندر جانیکا شایق تھا۔ آخر کار مقبرہ کے ایک افسر کے ذریعہ سے جو میرا دوست تھا اور بہ حیثیت میرے حکیم ہونے کے اُس کو بھی مجھ سے کام تھا۔ میں مقبرہ کے اندر جانے میں کامیاب ہوا۔ مجھ سے صرف یہ شرط کی گئی کہ مقبرہ میں داخل ہو کر اسی طرح آداب بجالاؤں جیسا کہ بادشاہ کی حیات میں کیا جاتا ہے۔ افسر مذکور نے مقبرہ

کا دروازہ کھولا اور پا برہنہ میں خاموشی سے آداب شاہی بجا لاکر غور سے ہر طرف دیکھنے لگا جیسا میں نے ابھی بیان کیا دیوار پر حضرت عیسیٰ کو صلیب دیئے جانے کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ اس سے داہنی طرف حضرت مریم کی تصویر تھی اور وہ حضرت عیسیٰ کو بہ حالت شیر خوارگی اپنی گود میں لئے ہوئے تھیں۔ بائیں جانب سینٹ اگنی شس کی تصویر اور گنبد کی چھت میں فرشتوں اور حوروں کی مختلف تصاویر تھیں۔ کثرت سے اگر دان رکھے ہوئے تھے جو ہر روز روشن کئے جاتے تھے۔ تمام گنبد مختلف پتھروں سے بنا ہوا ہے۔

مقبرہ کے باہر باغ میں بہت سے قرآن خواں بیٹھے ہوئے قرآن پڑھ رہے تھے گنبد کے اوپر سنہرا کلس تھا۔ سب سے زیادہ تعجب انگیز ان تصویروں کی موجودگی تھی۔ یہ تصویریں کسی مذہبی خیال سے نہیں بنائی گئی تھیں بلکہ اُس زمانہ میں یہ عجائبات میں شمار کی جاتی تھیں۔

جب شاہ اورنگ زیب سیواجی سے مصروف پیکار تھا تو ۱۶۹۱ء[5] میں دیہاتی باغی (جن کا حال میں قبل ازیں بیان کر چکا ہوں) اس مقبرہ میں گھس آئے اور تمام جواہرات اور طلائی سامان جو موجود تھا لوٹنے کے بعد قبر سے اکبر کی ہڈیوں کو نکال کر آگ میں جلا دیا اورنگ زیب ان دیہاتیوں کی یہ گستاخی دیکھکر نہایت برافروختہ ہوا اور اُنکی سزا دہی کے لئے بہادر خاں کو متعین کیا جس کا ذکر جائے مناسب پر کیا جائیگا۔

ایک عرصہ سے اکبر کو ان دو باتوں کی تحقیق کا شوق تھا (۱) یہ کہ بچہ کو اگر کسی زبان کی تعلیم نہ دی جائے تو وہ کونسی زبان میں گفتگو کریگا۔ (۲) دریائے گنگ کا دہانہ اور مخرج کہاں ہے۔ پہلے مقصد کے لئے اُس نے آگرہ سے چھ فرسنگ کے فاصلہ پر ایک مکان تعمیر کرایا جس میں مختلف کمرے تھے۔ اور اُس مکان میں بارہ لڑکوں کے رکھنے کا حکم دیا۔ اور

---

[5] سیواجی کا ۱۶۸۱ء میں انتقال ہوا پس کسی طرح یہ ممکن نہیں کہ ۱۶۹۱ء میں اورنگ زیب سیواجی سے مصروف پیکار ہو۔

ایسا انتظام کیا گیا کہ کیسی ہی حالت کیوں نہ ہو مگر کوئی شخص ان لڑکوں سے گفتگو نہ کرے اور نہ آپس میں یہ لڑکے ایک دوسرے سے بات کرسکیں۔ یہ انتظام اس لئے کیا گیا کہ بعض شخصوں کا قول تھا کہ یہ لڑکے بالغ ہو کر اُسی اصلی زبان میں گفتگو کریں گے جو سب سے پہلے انسان کی تھی۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ عبرانی انکی زبان ہوگی۔ ہندو مدعی تھے کہ یہ سنسکرت میں باتیں کریں گے۔

بارہ برس گذرنیکے بعد یہ بارہ لڑکے بادشاہ کی حضور میں پیش کئے گئے۔ اور ہر زبان کے دعویدار کو حکم دیا گیا کہ وہ اُسی زبان میں لڑکوں سے سوالات کرے۔ چنانچہ ہر زبان میں ان بچوں سے سوالات ہوئے مگر انہوں نے ایک سوال کا بھی جواب نہ دیا اور خوف زدہ معلوم ہوتے تھے۔ تمام عمر اُن کی یہی حالت رہی۔

گنگا کا منبع یا مخرج معلوم کرنیکے لئے چند صاحب عقل آدمی منتخب کئے گئے اور اُنکے لئے ملازم، سواری اور دیگر ضروریات کا انتظام سلطنت کی طرف سے کیا گیا۔ اسکے علاوہ کافی روپیہ خرچ کے واسطے دیا گیا۔ یہ کئی ماہ کے بعد سفر سے واپس آئے۔ اور عرض کیا کہ "ہم دریائے گنگ کے کنارہ کنارہ پہاڑوں پر چڑھتے رہے۔ گنگا کی دھار چھوٹی ہوتی گئی۔ آخر ہم ایسے پہاڑوں پر پہنچے جو برف سے پوشیدہ تھے۔ یہاں سے دقت و تکلیف کے ساتھ گذرنا ہوا جب ہم نے ان پہاڑوں اور جنگلوں کو بھی طے کرلیا تو ایک نہایت بلند پہاڑ کے دامن میں پہنچے اور دیکھا کہ اُس پہاڑ میں گائے کا مُنہ کھود کر بنایا گیا ہے اور اُس کے مُنہ میں سے ایک چشمہ ایسے زور سے جاری ہے کہ اُسکے سامنے قدم نہیں جم سکتے۔ ہم نے چاہا کہ اس پہاڑ کے دوسری طرف جاکر دیکھیں کہ یہ چشمہ کہاں سے آتا ہے لیکن کسی طرح یہ ممکن نہ ہوا اور ہم لوگ واپس ہوئے۔"

میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ درحقیقت دریائے گنگ ہی تھا یا کوئی دوسرا دریا تھا کیونکہ اگر دوبارہ اسکی تحقیقات کی گئی تو علاوہ روپیہ کے جان جانے کا اندیشہ ہے۔

اکبر کے ساتھ چند واقعات ایسے ہوئے جو یا تو اُسکے جانشینوں کے واسطے موجب ہدایت ہوئے اور یا ناظرین کی دلچسپی کا باعث ہونگے۔

پہلا واقعہ اکبر اور ایک بنئے (مہاجن) کا ہے۔ واضح ہو کہ بنئے (جن کا مفصل بیان اکبر کی وفات کے بعد کیا جائیگا) بہت حاضر جواب ہوتے ہیں۔ اکبر نے انکی آزمائش کرنی چاہی۔ اور انکے چوکر ایت (چودھری) کو طلب کیا۔ اس سے تمام بنیوں میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ اور خوفزدہ ہوکر زیر قلعہ اس لئے جمع ہوئے کہ انکے چودھری کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ بنیوں کا چودھری خوف سے کانپتا ہوا اور دل میں یہ خیال کرتا ہوا کہ ضرور اُس پر کوئی مصیبت نازل ہوگی داخل محل شاہی ہوا جب وہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا تو اکبر باغ میں نہر کے کنارہ چہل قدمی کر رہا تھا۔ بنئے کو دیکھ کر بادشاہ نے دریافت کیا کہ بتاؤ یہ پانی کس طرف جاتا ہے؟ بنئے نے حواس باختہ اور خوفزدہ ہوکر بلا ایک لفظ کہے اپنا سر ہلایا اور خاموش رہا۔ اس پر بادشاہ نے مصنوعی غصہ کا اظہار کرکے بنئے کو جواب دینے کی تاکید کی۔ بنئے نے دست بستہ ہوکر عرض کیا کہ جہاں پناہ! ایسے مشکل اور اہم سوال کا جواب دینے کے واسطے تیرہ روز کی مہلت عطا فرمائی جائے۔ یہ رخصت ہوا اور بادشاہ دل ہی دل میں ہنستے رہے۔ بنیا اس سوال سے متعجب تھا اور دل میں کہتا تھا کہ بادشاہ اس امر سے واقف ہے کہ پانی کہاں جاتا ہے۔ پس اس سوال میں ضرور کوئی راز پوشیدہ ہے۔ قلعہ سے نکلتے ہی تمام بنئے یہ بات معلوم کرنے کی غرض سے جمع ہوگئے کہ اُسے بادشاہ نے کیوں یاد فرمایا تھا۔ اُس نے نہایت آزردگی سے سب کو اپنے مکان پر آنے کو کہا تاکہ وہاں اطمینان سے وہ شاہی سوال کا حال بیان کرے۔ اُسکے مکان پر جب بنئے جمع ہوگئے تو اُس نے تمام حال بیان کرکے کہا کہ "میں نے جواب دینے کی اس لئے جرأت نہیں کی کہ بادشاہ کا ایسا سادہ اور معمولی سوال کرنا خالی از علت نہیں اور ضرور ہم پر کوئی مصیبت آنے والی ہے۔ یہ سُن کر تمام بنئے پریشان ہوگئے اور سوچنے لگے کہ اس مصیبت اور بربادی سے بچنے کی کیا تدبیر کی جائے۔ ان سب کو متردد دیکھ کر ایک بنئے نے اُٹھ کر کہا کہ اگر مجھے کچھ رقم دینے کا وعدہ کرو تو میں بغیر کسی کو نقصان پہنچائے بادشاہ کو جواب دے سکتا ہوں۔

جب تیرہ روز گذر گئے اور بادشاہ کا آدمی چودھری کو بلانے آیا تو اُس نے بیماری کا بہانہ کر کے حاضری سے معافی چاہی اور اپنی جگہ اپنا قائم مقام روانہ کرنے کی درخواست کی۔ جب یہ قایم مقام بادشاہ کے سامنے پہنچا تو اس سے بھی یہی سوال کیا گیا کہ "پانی کس طرف کو جاتا ہے"۔ یہ سُن کر ہوشیار بنیا سوچنے لگا گویا پہلے یہ سوال اُسکے گوش زد ہی نہیں ہوا اور پھر اُس نے بادشاہ سے ایک قصہ بیان کرنے کی اجازت چاہی۔ بعد اجازت اس نے بیان کرنا شروع کیا کہ کس طرح اُسنے اپنی شادی کی اور اُس کے خسر نے کس قدر روپیہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ بعد شادی جب حسب وعدہ روپیہ نہ دیا گیا تو اُس نے اپنے خسر سے طلب کیا اور خسر نے اُسکے مُنہ پر طمانچہ مارا۔ بنیہ یہ بیان کرتا جاتا تھا اور ہاتھوں سے بھی اشارہ کر کے بتاتا تھا۔ جب اُسنے خسر کے طمانچہ مارنے کا ذکر کیا تو اپنے سر پر ایسی دو ہتڑ ماری کہ اُس کی پگڑی نہر میں گر گئی۔ اُس نے متعجب ہو کر پگڑی کی طرف غور سے دیکھا کہ پانی کے ساتھ ساتھ بہہ رہی ہے۔ پھر وہ بادشاہ سے عرض کرنے لگا کہ حضور عالی مری پگڑی پانی لیے جا رہا ہے۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ جس طرف مری پگڑی جا رہی ہے اُسی طرف پانی جا رہا ہے۔ بادشاہ اُس کی ہوشیاری اور حاضر جوابی پر بہت ہنسا اور خلعت دیکر تمام بنیوں کا چودھری مقرر کر دیا۔

اس سے بھی زیادہ عجیب دوسرا معاملہ ہے جو اکبر کو پیش آیا۔ قبل اُس کے بیان کرنے کے یہ ظاہر کرنا ضرور ہے کہ سلطنت مغلیہ میں گداگر فقیروں کی مختلف اقسام ہیں۔ منجملہ اُنکے دو زیادہ مشہور ہیں۔ ایک بے قید یعنی آزاد۔ دوسرے بے ترس یعنی بیخوف۔

بے قید فقیر نہایت جاہل ہوتے ہیں۔ آزادی کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں۔ اور کسی کی اگرچہ وہ کسی درجہ کا ہو کچھ عزت نہیں کرتے۔ زبان ان لوگوں کی نہایت خراب ہوتی ہے۔ اکثر بلا تکلف ہر ایک بڑے آدمی کے مکان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ اگر دروازہ پر پہرہ دار روکتے ہیں تو یہ کل خاندان کو گالیاں دینی شروع کر دیتے ہیں اور اُنکی زبان سے مالک، اُسکی زوجہ، لڑکیاں، لڑکے، باپ، دادا، بچنے نہیں پاتے۔ انکی یہ حرکت مالک مکان کو ناگوار نہیں ہوتی

اور اخلاق کے ساتھ اُن سے گفتگو کر کے کچھ نذرانہ انکو رضامند کرنے کی غرض سے پیش کرتا ہے اور معافی چاہتا ہے۔ اگر کسی نے دروازہ پر تعرض نہ کیا تو یہ سیدھے مالک مکان کے پہلو میں جا کر بیٹھ جاتے ہیں اگرچہ ان کے پاؤں مٹی اور کیچڑ میں بھرے ہوئے، کمبل اوڑھے ہوئے، میلے کپڑے پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور بے تکلف مالک مکان کے مُنہ سے حقہ چھین کر آپ پینے لگتے ہیں۔ مالک اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہے اور کچھ رقم بطور نذرانہ انکی نذر کرتا ہے۔ یہ ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ اکثر اُس رقم پر راضی نہیں ہوتے جو انکو دیجاتی ہے۔ ایسی حالت میں ضرور ہے کہ اُنکی خواہش پوری کی جائے۔ یہ کبھی خدا کا واسطہ دیکر بھیک نہیں مانگتے۔ انکا مقولہ ہے کہ اگر خدا کا نام لے کر بھیک مانگی جائے تو خدا کی ناراضی کا سبب ہوگا کیونکہ بھیک بہ مقابلہ خدا کے بزرگی کے نہایت حقیر و ذلیل چیز ہے۔

بے ترس فقیر ہاتھ میں تیز چھری لیکر بھیک مانگتے ہیں۔ یہ دوکان کے سامنے کھڑے ہو کر بھیک طلب کرتے ہیں۔ اگر دوکاندار دینے سے انکار کرتا ہے تو یہ اپنے بازو سر یا پاؤں پر زخم لگا کر خون نکالتے ہیں اور دوکان میں پھینکتے ہیں۔ اکثر یہ فقیر بنیوں کی دوکانات پر بھیک مانگتے ہیں کیونکہ یہ بزدل اور ڈرپوک ہونے کی وجہ سے زخم اور خون کو دیکھ کر بلا تامل اُن کو اُس قدر بھیک دیدیتے ہیں جس کے یہ طالب ہوتے ہیں۔

ان فقیروں کو دیکھ کر اکبر نے قیاس کیا کہ جب یہ اپنے بدن کو زخمی کر لیتے ہیں تو ضرور ہے کہ یہ بڑے بہادر ہوں اور یقیناً یہ فوج کے لئے کارآمد ثابت ہونگے۔ لہذا اُس نے چار ہزار ایسے فقیر فوج میں بھرتی کئے اور اُن کو متھرا کے باغی دیہاتیوں کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا جب مقابلہ ہوا اور ہنوز لڑائی بھی شروع نہ ہوئی تھی کہ یہ گروہ کا گروہ مقابلہ سے روگردانی کر کے بے تحاشا بھاگ آیا۔ بادشاہ نے یہ خبر سُنکر ان فقیروں کو بُلا کر بھاگنے کا سبب دریافت کیا۔ درحالیکہ وہ ایسے بہادر ہیں کہ اپنے بدن زخمی کر لینے میں دریغ نہیں کرتے۔ مگر دشمن کے حملہ کا بھی انتظار نہ کیا اور بھاگ آئے۔ فقیروں نے ایسا مختصر جواب دیا کہ اکبر ساکت ہوگیا

اور اُسے اُنکے زخم لگانے کا سبب بھی معلوم ہوگیا۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ "جہاں پناہ۔ ہم لوگ اپنی رگوں، پٹھوں، ہڈیوں کو بچا کر بدن پر زخم لگاتے ہیں۔ مگر کمبخت دشمن تو مطلق اس کا لحاظ نہیں کرتا۔ اور بیدردی کے ساتھ بے سوچے سمجھے زخمی کر ڈالتا ہے۔ اور ہم دوسرے کے ہاتھ سے زخمی ہونا برداشت نہیں کر سکتے"۔ یہ سُن کر اکبر نے اُنہیں نکلوا دیا اور ان فقیروں کی نامردی اور بزدلی اُس پر ظاہر ہوگئی۔

اب میں دو واقعے ایسے تحریر کرتا ہوں جو اکبر کے جانشینوں کے لئے قابل تقلید ہیں۔ پہلا واقعہ یہ ہے کہ ایک چھوٹے درجہ کے ملازم کو اکبر نے ایک دم سے بڑا امیر بنا دیا۔ اپنے آپکو ایسا امیر کبیر دیکھ کر وہ ایسا خوش ہوا کہ دوسرے روز مجنوں ہوگیا۔ یہ دیکھ کر اکبر نے اپنے جانشینوں کے لئے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ کبھی کسی ادنیٰ عہدہ دار کو اس طرح امیر نہ بنائیں بلکہ جو اعزاز اور درجہ اُسے عطا کرنا منظور ہو اُس پر رفتہ رفتہ ترقی دیں۔ چنانچہ اس وقت تک اس پر عمل کیا جاتا ہے۔ یہ قاعدہ تو واقعی قابل تعریف ہے مگر دوسری ہدایت جو اکبر نے اپنے جانشینوں کو کی اُس کو میں شیطانی عمل خیال کرتا ہوں۔

اکبر نے اپنی دختر کی شادی ایک درباری امیر سے کی جس نے کچھ عرصہ بعد تخت حاصل کرنیکے لئے بغاوت اختیار کی لیکن تقدیر نے اُس کا ساتھ نہ دیا اور وہ قتل کر دیا گیا۔ اکبر نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا کہ آیندہ بادشاہوں کی لڑکیوں کی شادی نہ کی جائے۔ اورنگ زیب کے وقت تک اس قاعدہ پر عملدر آمد رہا اور اس بادشاہ نے اپنی دختروں کی شادیاں کیں جیسا ناظرین کو آیندہ معلوم ہوگا۔ اگرچہ شاہزادیوں کی شادی نہ کی جاتی تھی مگر پوشیدہ طور سے وہ اپنی تفریح سے خالی نہ رہتی تھیں۔

وہ واقعات یاد کر کے جو شیر شاہ اور ہمایوں کے مابین پیش آئے اکبر نے یہ بھی قاعدہ قرار دیا کہ آیندہ کسی افغان کو چار لاکھ روپیہ سالانہ سے زیادہ تنخواہ نہ دی جائے۔ اور کبھی اُنکو کسی صوبہ وغیرہ کا حاکم نہ بنایا جائے اُن کو محض سپاہیوں میں جگہ دی جایا کرے۔

اپنی دولت، ثروت، طاقت، فتوحات سے اکبر اس قدر مغرور ہو گیا تھا کہ دربار میں سوائے شہزادوں کے کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی۔ دربار مغلیہ میں ابھی تک یہی رواج ہے کہ دربار میں تمام درباری کھڑے رہتے ہیں صرف سفیروں اور ایلچیوں کو بیٹھنے کی اجازت ہوتی ہے۔ اس نے یہودیوں، عیسائیوں، مسلمانوں، ہندوؤں کے مذاہب سے کچھ باتیں انتخاب کر کے اور کچھ اپنی طرف سے ملا کر ایک نیا مذہب ایجاد کیا۔ اور اُسے بانی مذہب کہلانے کا ایسا شوق تھا کہ اپنا لقب جلال الدین اکبر مقرر کیا لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا کہ اکبر کی خواہش پوری ہو لہٰذا ایسے وقت میں بلکہ وہ دوسروں کی جانیں لینا چاہتا تھا اُس کا اور اُس کے بُرے افعال کا خاتمہ ہو گیا۔ جو اس طرح ہے۔

اکبر نہایت جنگ کا شایق اور شکاری تھا۔ اکثر کسی فتح کے بعد یا کسی دشمن پر چڑھائی کرنے سے پہلے اُس کا شغل یہ ہوتا تھا کہ وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ کوچ کرتا اور کسی جانور کو مار ڈالنے کیلئے بیچین رہتا اور اُسی حالت میں وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں بغیر کسی سامان حفاظت کے جاتا۔

ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ بادشاہ شیر کے شکار کے لئے پہاڑ میں گیا تھا۔ شیر کی تلاش میں وہ اپنے لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ آخر تھک کر وہ ایک درخت کے سایہ میں بیٹھ گیا۔ وہاں ایک بال دار سرخ رنگ کا سانپ اُسکی طرف آتا ہوا نظر پڑا۔ اکبر نے ترکش سے تیر نکال کر سر کیا اور سانپ کو مار ڈالا۔ اُسی وقت ایک ہرن سامنے آیا اکبر نے وہی تیر اُٹھا کر ہرن کے لگایا۔ جو فوراً گر کر مر گیا۔ اگرچہ تیر ایسا کاری نہ لگا تھا۔ ہرن کو جیسی حرکت دیکھ کر اکبر متعجب ہوا۔ اسی اثنا میں وہ شکاری بھی آ گیا جو اُسی ہرن کے تعاقب میں آ رہا تھا۔ اور جب اُس نے ہرن کو اُٹھانا چاہا تو دیکھا کہ اُس کا گوشت گل گیا اور ہر ایک عضو الگ الگ ہو گیا ہے۔ جب بادشاہ نے شکاری سے اس کا سبب دریافت کیا تو اُس نے عرض کیا کہ یہ ہرن کسی نہایت تیز زہر سے مرا ہے۔ اس پر بادشاہ نے اول سانپ کو مارنے اور اُسی تیر سے ہرن کو زخمی کرنیکا حال

بیان کر کے سانپ شکاری کو دکھایا۔ سانپ کو دیکھکر شکاری نے دست بستہ بادشاہ سے وہاں سے ہٹ جانیکو کہا۔ اور عرض کی کہ یہ سانپ ایسا زہریلا ہے کہ اسکی بو آدمی کو مارنیکے لئے کافی ہے۔ حضور چونکہ ہوا کے رُخ پر نہ تھے اس لئے کچھ نقصان ذات والا کو نہیں پہنچا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ یہ سانپ ایک شیشی میں بند کر کے اُس عہدہ دار کی تحویل میں دیا جائے جسکی سپردگی میں سمیات رہتے ہیں۔ تاکہ وقت ضرورت آسانی سے بہم ہو سکے۔ تمام سلاطین مغلیہ کا یہ خراب طرز عمل رہا جس کی مثال اول اکبر نے قایم کی تھی کہ ایک خاص عہدہ دار کی سپردگی میں تمام اقسام کے زہر موجود رہتے تھے۔ اور جب بادشاہ کو کسی امیر یا درباری کی خفیہ طور سے جان لینا منظور ہوتا تھا تو حسب الحکم تیز زہر قبا کی آستین وغیرہ پر لگا دیا جاتا تھا اور وہ قبا دربار میں اُس امیر کو عطا کی جاتی جو فوراً اُسے پہن لیتا۔ اور تھوڑی دیر بعد زہر کا اثر ہو کر وہ امیر مرجاتا اگر امیر مذکور حاضر نہ ہوتا تو بطور خلعت لباس اُس کے مکان پر بھیجدیا جاتا۔ اس طرح اکبر نے بہت سے امیروں شاہزادوں وغیرہ کو قتل کرا دیا۔ اور یہ وہ تھے جن سے اکبر کو بغاوت کا خوف تھا یا سرکشی کر کے خراج ادا نہ کرتے تھے۔

امرا کے زیر کرنے کا یہ طریقہ جو اکبر نے ایجاد کیا تھا وہ ابتک اُسکے جانشینوں میں جاری ہے۔ جن راجاؤں یا امیروں کے ساتھ بادشاہ کو ایسا عمل کرنا منظور ہوتا ہے اُس سے اظہار ناراضی کبھی نہیں کیا جاتا بلکہ برخلاف اس کے خاص طور سے اُس پر اظہار نوازش و الطاف کر کے منصب وغیرہ میں ترقی کی جاتی ہے اور اگر وہ دربار سے غیر حاضر ہوتے ہیں اُنکے پاس دوستانہ خطوط روانہ کئے جاتے ہیں۔ اس طرح یہ اپنی حفاظت کی طرف سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اور زہر قبا یا دوسرے لباس پر لگا دیا جاتا ہے جس سے وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ایک طریقہ اور بھی ہے جو خود اکبر کی موت کا باعث ہوا۔ واضح ہو کہ بادشاہ کا خود اپنے ہاتھ سے کسی کو پان دینا انتہا درجہ کی عزت افزائی خیال کی جاتی ہے۔ اکبر اکثر موقعوں پر

اپنے امرا کی اس طرح عزت افزائی کیا کرتا تھا۔ مگر جنکو یہ عزت بخشی جاتی تھی وہ تھوڑے عرصہ کے بعد زندگی کو خیرباد کہتے تھے۔ پانوں کا ڈبہ اکبر کے سامنے رکھا رہتا تھا جس کے تین خانے تھے۔ پہلے خانہ میں پان اور دوسرے خانہ میں مقوی گولیاں رہتی تھیں۔ تیسرے خانہ میں اُسی شکل وصورت کی زہر آلود گولیاں ہوتی تھیں۔ بادشاہ جس پر مہربان ہوتا اُسکو خاص اپنے ڈبہ سے پان اور ایک گولی دست خاص سے عطا کرتا۔ اور جس کو ہلاک کرنا چاہتا اُسے اُسی شکل کی زہر آلود گولی دیتا جس کو کھا کر فوراً یا کچھ دیر بعد وہ امیر دنیا سے رخصت ہو جاتا۔ ایک مرتبہ بادشاہ کو کسی درباری کو ہلاک کرنا منظور ہوا اور اُس درباری کو اطمینان دلانے کے لئے ڈبہ میں سے ایک زہر آلود اور ایک مقوی گولی نکال کر چاہتا تھا کہ مقوی گولی پہلے خود کھائے اور بعد ازاں زہر آلود گولی امیر کو عنایت کرے۔ مگر غلطی سے مقوی گولی کے دھوکہ میں اُس نے زہر آلود گولی کھالی اور مقوی گولی اُس امیر کو عطا کی۔ حلق سے اُترتے ہی اُس کو یہ غلطی محسوس ہوئی لیکن اب کیا ہو سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جس طریق سے وہ اوروں کو ہلاک کیا کرتا تھا اُسی کا وہ خود شکار ہو گیا۔ اور "چاہ کن را چاہ در پیش" کی مثل اُس پر صادق آئی۔

اُنچاس سال سات ماہ تین روز اُس نے سلطنت کی اور اپنے اکلوتے بیٹے جہانگیر کو اپنے بعد وارث چھوڑا۔ یہ سکندرہ میں اُسی مقبرہ میں دفن کیا گیا جو اُس نے خود تعمیر کرایا تھا۔ یہ پہلا بادشاہ تھا جس نے کامیابی کے ساتھ تمام ہندوستان پر حکومت کی اور جس کو کثرت کے ساتھ فتوحات حاصل ہوئیں۔ اس نے اپنے طرز عمل سے اپنے جانشینوں کے لئے بعض ایسی مثالیں قائم کیں جو انسان فانی کے لئے مناسب نہیں جس کو خدا کے سامنے تمام اعمال کا حساب دینا ہوگا اور جزا و سزا پائیگا۔ جیسا کہ مذہب اسلام تلقین کرتا ہے۔ بالاجمال نظر کرنے سے اکبر صاحب عقل اور منصف مزاج تھا۔

اکبر کے توپ خانہ کے حالات کے سلسلہ میں اور اُن حالات پر نظر کر کے جو اکبر کو

بینوں سے پیش آئے۔ میں اول چینیوں کا اور پھر ہنود کا حال بیان کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ ناظرین کو ان دونوں مضامین سے مزید واقفیت حاصل ہوگی اور اُن کو صاف طور سے معلوم ہو جائیگا کہ بہت ممکن ہے کسی زمانہ میں چینی ہندوستان کے مالک تھے۔

اہل چین کبھی ہندوستان کے مالک تھے

میرے خیال میں یہ مختصر بیان ناظرین کی تشفی کے واسطے کافی ہوگا۔ خصوصاً ایسی سورت میں جبکہ اکثر مورخین نے چینیوں کی سلطنت اور فتوحات کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے میں اس بات کے ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ زمانہ قدیم میں انکے قبضہ میں سوائے ملک چین کے اور کوئی ملک نہ تھا۔ بلکہ غالباً سوائے اس ملک کے جس پر یہ اب قابض ہیں کبھی یہ اور وسیع مملکت کے مالک تھے۔ اس کی تائید میں بہت سے دلائل پیش کر سکتا ہوں مگر چونکہ مجھے صرف سلطنت مغلیہ کی نسبت لکھنا منظور ہے لہذا یہ سوال دیگر محققین کی تحقیق کے لئے چھوڑتا ہوں۔ مجھے صرف یہ لکھنا ہے اور اس کا کافی ثبوت موجود ہے کہ کبھی چینی ہندوستان کے مالک تھے اور ان کو افغانوں نے اس ملک سے خارج کر دیا کیونکہ چینی اپنے ملک میں کسی دوسرے ملک کے باشندہ کو داخل نہ ہونے دیتے تھے اور جو ایسا کرنا چاہتا تھا اُسے قتل کر دیتے تھے۔

جو چیزیں میں نے یہاں دیکھیں اور جن کا مختصراً میں ذکر کرونگا اُن سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے اور میرے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ جو دلائل و واقعات میں نے تحریر کئے ہیں ان کو پڑھکر ناظرین خود فیصلہ کریں کہ چینی کبھی ہندوستان کے مالک تھے یا نہیں۔ بزمانہ قیام ہندوستان میں نے ایسی قدیم عمارتیں دیکھیں جن پر چینی تصویریں یا حروف پتھروں وغیرہ پر بنے ہوئے تھے۔ جس سے اس خیال کی تائید ہوتی ہے کہ چینی کبھی یہاں

رہتے تھے۔ دہلی سے دو فرسخ کے فاصلہ پر ایک جگہ خواجہ قطب الدین کے نام سے مشہور ہے۔ جہاں اسی نام کے ایک بزرگ کا مقبرہ ہے۔ اس جگہ میں نے متعدد مرتبہ اُس عمارت کو دیکھا ہے جو بڑے بڑے پتھروں سے بنی ہوئی ہے اور اُس کے صحن میں ایک کانسی کی لاٹ[۱] چٹان پر دفن ہے جو چار گز لمبی ہے اور نو بالشت کا اُس کا محیط ہے۔ اس ستون پر کچھ حروف کندہ ہیں۔ باوجودیکہ بہت تحقیقات اور کوشش کی گئی مگر آج تک معلوم نہ ہوسکا کہ ان حروف سے کیا مطلب ہے۔ وہاں کے باشندے اُن کو چینی حروف بتاتے ہیں۔

ملک دکن میں ایسی علامات بہت ملتی ہیں۔ چنانچہ اورنگ آباد سے چوبیس فرسخ کی فاصلہ پر ایک پہاڑ ہے جسے الورا[۲] کہتے ہیں۔ اس جگہ کئی غار کھود کر بنائے گئے ہیں جن میں کشادہ صحن، خوبصورت چھوٹے بڑے کمرے ہیں۔ گوشوں کے پتھروں پر چینی تصاویر بنی ہوئی ہیں۔ اور چند پانی کے حوض اور زینے بھی تعمیر کئے گئے ہیں۔ ایک بڑے کمرہ میں تیرہ سنگی تصویریں چٹان کو کاٹ کر بنائی گئی ہیں۔ ہر تصویر علیحدہ وضع کی ہے۔ ایک تصویر کی انگلی پر زخم ہے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہے اور خمیدہ ہوکر زخم پر پھونک مار رہی ہے اس کے نزدیک جو سنگی تصاویر ہیں اُن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب اس زخمی کو تعجب اور حیرت سے دیکھ رہی ہیں۔ چنانچہ ایک اپنے ہونٹ چاب رہی ہے۔ دوسری انگشت بدنداں ہے۔ تیسری تصویر اپنے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ رہی ہے۔ ایک تصویر ناک چڑھا رہی ہے۔ ایک رو رہی ہے۔ ایک کی آنکھوں سے خوف کے آثار نمایاں ہیں۔ ایک منہ کھولے ہوئے ہے۔ ایک اپنی زبان چاب رہی ہے۔ ایک ہاتھ باندھے ہوئے ہے۔ ایک

---

[۱] یہ لاٹ لوہے کی بنی ہوئی ہے۔ اس پر جو کتبہ کندہ ہے وہ قدیم ناگری (پالی) حروف میں ہے اور سب سے پہلے اُسے جیمس پرنسپ صاحب نے پڑھا تھا۔ اس کتبہ کا تعلق چینیوں یا چینی زبان سے مطلق نہیں۔

[۲] الورا اورنگ آباد سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر بسمت شمال و مشرق واقع ہے۔

زمین پر لات مارہی ہے۔ ایک مُنہ پر ہاتھ رکھے ہوئے ہے۔ ایک اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے ہے۔ یہ تمام تصاویر ہوشیاری اور صنعت کے ساتھ بنائی گئی ہیں جنکی شکلیں کسی قدر چینیوں سے مشابہ ہیں۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ قدیم چینیوں نے بنائی ہیں۔ ان سنگی تصویروں کے علاوہ اسی مقام پر ایک منہدمہ عمارت ہے جو مینار معلوم ہوتا ہے۔ اُس کے نیچے بہت سی سنگی تصویریں چینیوں سے مشابہ بنی ہوئی ہیں۔

میں نے جزیرہ سالسیٹ[۱] دیکھا ہے جو پرتگیزوں کی ملکیت ہے۔ اور قریب قصبہ بسین کے واقع ہے۔ اس جزیرہ کے درمیان میں ایک پہاڑ ہے جس پر مکانات ہیں اور سنگی تصویریں کندہ ہیں۔ اگر تم ایک تاریک غار میں جاؤ تو اُس میں تمہیں پانی کا شور سنائی دیگا۔ بغرض تحقیقات ایک پرتگیز نے روشنی لیکر اُس کے اندر جانیکی جرأت کی۔ اُسے ایک سرنگ نظر آئی جہاں سے پانی کے بہنے کی آواز آتی تھی۔ اُس نے اُس میں گھاس کا بنڈل ڈال دیا جو چھ فرسخ کے فاصلہ پر دریا میں موضع تھانہ کے نزدیک نکل آیا جو اسی جزیرہ کے متصل ہے جزیرہ کے باشندے اور بوڑھے بوڑھے تجربہ کاروں کا قول ہے کہ یہ سرنگ بہت پُرانی ہے اور اُس زمانہ کی بنی ہوئی ہے جب اہل چین ہندوستان کے مالک تھے۔ اُنہوں نے زمین کا حصہ کاٹ ڈالا تاکہ دریا ادھر کو بہنے لگے اور یہ قطعہ جزیرہ بن جائے۔ اگر سب سے تنگ موقع سے دریا کو عبور کیا جائے تو صاف طور سے پہاڑ کا کٹا ہوا حصہ نظر آتا ہے (جیسا میں نے خود دیکھا ہے) اور جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی ہاتھ نے یہ کام کیا ہے۔

ساحل کارومنڈل پر سمندر کے نزدیک سدراس ٹاپٹنم سے چار فرسخ کے فاصلہ پر ایک پہاڑی ہے جسے مہابلی پورم[۲] کہتے ہیں۔ وہاں بکثرت تصاویر کندہ ہیں جو چینیوں سے

[۱] سالسیٹ (ساشٹی) بمبئی کے شمال میں ایک جزیرہ ہے جو ایک پل کے ذریعہ سے بمبئی سے ملحق ہو گیا۔ یہ اٹھارہ میل لمبا اور دس میل چوڑا ہے اسکے وسط میں جو پہاڑی ہے وہ کنہیری کہلاتی ہے۔ تھانہ اس پہاڑی سے تین میل بجانب مغرب ہے (بمبئی گزیٹیر)

[۲] مہابلی پورم مدراس سے بجانب جنوب ۳۲ میل ہے۔ سدراس مہابلی پورم کے جنوب میں ۱۰ میل کے فاصلہ پر ہے (مدراس مینول)

مشابہ ہیں۔ اسی ساحل پر ایک قصبہ نیگاپٹنم[۵] ہے۔ قصبہ کے باہر سمندر کے کنارہ پر ایک مندر بنا ہوا ہے جو چینیوں کا مندر کہلاتا ہے۔ سنہ ۱۶۹۲ء میں ڈچوں اور یہاں کے مالک سے لڑائی ہوئی تھی۔ گورنر نیگاپٹنم وسواحل کارومنڈل نے اس مندر کا نصف حصہ گراکر اس پر توپ خانہ قایم کیا۔ اور آٹھ توپیں اس پر چڑھائیں۔ مندر گراتے وقت اُس کی دیواروں میں سے ایسی دھات کی بنی ہوئی تصویریں برآمد ہوئیں جو سونے سے مشابہ تھی۔ اس وقت تک بھی وہ شناخت نہیں ہوئی۔ تمام تصویریں چینی وضع کی تھیں۔

اکبر کے توپخانہ کی نسبت میں نے ایک بات محفوظ رکھی ہے جس کو میں اب بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مرا یہ بیان اہل یورپ میں حیرت واستعجاب پیدا کردیگا۔ کیونکہ میرا خیال ہے کہ توپ کے موجد اہل چین ہیں۔ یورپ کے مشہور مورخین نے لکھا ہے کہ سنہ ۱۳۸۰ء میں برٹولڈو نگرو (Bertoldo Nigro) ساکن جرمنی نے توپ ایجاد کی۔ لیکن اکبری توپخانہ میں جو توپیں ہیں وہ اس زمانہ سے بہت پُرانی ہیں۔ میں نے خود بڑی توپیں دیکھی ہیں جو نہایت عمدہ دھات کی بنی ہوئی ہیں اور جنکی نالیں مثل ڈھول کے ہیں۔ اُن کے غیر مکمل ہونیسے ثابت ہے کہ یہ بہت قدیم زمانہ کی بنی ہوئی ہیں۔ اور سوائے اہل چین کے کسی کو توپ کی ایجاد کا فخر حاصل نہیں ہے۔ اور ثابت ہے کہ قدیم زمانہ میں چینی ہندوستان کے مالک تھے۔

بنیوں کا بیان

بعض ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں کہ مورخوں کو وہ باتیں لکھنی پڑتی ہیں جو اور کسی جگہ نہیں لکھی جاتیں۔ اگرچہ پہلے میں نے مختصراً بنیوں کا کچھ حال لکھا ہے جو سلطنت مغلیہ

[۵] سمندر کے کنارہ پر ضلع تنجور میں ایک قصبہ ہے جو مدراس سے ۱۶۰ میل ہے۔ یہاں اینٹوں کا ایک مینار ۷۰ فٹ اونچا بنا ہوا ہے جو چینیوں یا بودھوں نے بنایا ہے۔ اگرچہ وہ چینی مینار کہلاتا ہے (مدراس مینول)۔

میں بکثرت ہیں۔ اُس موقع کو خیال کرکے جو اکبر کو پیش آیا یہ مناسب خیال کیا گیا کہ میں خاص طور سے ان کا حال تحریر کروں۔

بنئے ہندوؤں کی ایک شاخ میں سے ہیں جو گوشت اور مچھلی نہیں کھاتے۔ اور صرف غلہ، ترکاری، دودھ اور گھی پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ چونکہ یہ گائے کی پرستش کرتے ہیں اسلئے گائے پالنے کے بہت شائق ہوتے ہیں۔ یہ گئو رکھشا پر اپنی نجات کا دارومدار سمجھتے ہیں۔ مرتے وقت گائے کی دُم ہاتھ میں دیدی جاتی ہے تاکہ اسی حالت میں اُن کا دم نکلے اور انکی بخشش گناہان کا باعث ہو۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ ایسی صورت میں گائے انکو بہشت میں لیجائے گی۔ اور آگ کے شعلے جو بداعمالی کی وجہ سے اُن کو پکڑنا چاہیں گے وہ نزدیک نہ آسکیں گے۔ ان کا یہ احمقانہ اعتقاد کیسا مضحکہ خیز ہے کہ اگر گائے مرنیوالے پر پیشاب کردے تو بجائے اس کے کہ گائے کو ہٹایا جائے یہ بہت خوشی سے ظاہر کرتے ہیں کہ اس مقدس جانور کی یہ خاص عنایت اور مہربانی ہے جس سے مرنیوالا گناہوں سے پاک ہوگیا۔

اگرچہ گائے کی پرستش بنیوں سے خصوصیت نہیں رکھتی بلکہ کل ہندو اسے عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن بنئے اس امر میں خاص طور سے زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ اور اس میں یہاں تک مبالغہ کیا جاتا ہے کہ اگر کسی سے کوئی گناہ سرزد ہوجاتا ہے تو وہ اپنے برہمن کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور برہمن مذکور اُسے گائے کا گوبر اُس کے پیشاب میں حل کرکے اور اُس میں گھی دودھ شکر ملاکر اُسے پلاتا ہے۔ اور پھر وہ گناہ سے پاک ہوجاتا ہے لیکن پھر بھی بطور کفارہ کے وہ اپنی ذات کو کسی تکلیف میں مبتلا کرتا ہے۔ چنانچہ میں نے ایک ایسے ہی شخص کو دیکھا کہ اُس نے اپنے لبوں میں ایک قفل ڈال رکھا تھا۔

قدرتی طور سے بنئے نہایت بزدل ہوتے ہیں اور ہتھیار نہیں اُٹھاتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاس کبھی کوئی ہتھیار، چاقو، یا اور کوئی ایسا آلہ جس سے نقصان پہنچ سکے نہیں رہتا یہ سوال کا جواب دینے میں بہت ہوشیار ہوتے ہیں۔ جیسا قبل ازیں میں نے بیان کیا ہے

اگر اُن سے دریافت کیا جائے کہ آج کیا دن ہے تو بھی وہ مذبذب جواب دیں گے حالانکہ کاروبار کے متعلق اگر سوال کیا جائے تو نہایت مستعدی سے جواب دیتے ہیں۔ اول وہ فضول جواب دیکر عقب گذاری کرنا چاہتے ہیں یا لاعلمی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر سائل زیادہ اصرار کرتا ہے تو وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ "کیا تمہیں معلوم نہیں کل جمعرات تھی" اگر دوسرے شخص نے بھی یہی سوال کیا تو یہ کہتے ہیں کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ کل شنبہ ہے۔ اگر سائل نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو نہایت تامل کے ساتھ کہیں گے "کہ ہر شخص آج جمعہ بتاتا ہے"۔

برخلاف اس کے اگر کاروبار کے متعلق گفتگو کی جائے تو فوراً نہایت معقول جواب دیتے ہیں۔ اور حساب وکتاب میں ایسے تیز ہوتے ہیں کہ بہت جلد بلا غلطی کئے ہر قسم کا حساب لگا دیتے ہیں۔ کسی جانور کا مارنا گناہ سمجھتے ہیں۔ اسی لئے اگر انکے بدن پر کوئی جوں، کھٹمل، مکھی، چیونٹی یا اور کوئی کیڑا بیٹھ جاتا ہے تو اُسے آہستہ سے پکڑ کر فاصلہ پر کسی محفوظ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ اکثر بنیوں کے گھروں میں ایسے جانور پلے رہتے ہیں۔ اور کسی ضرور تمند آدمی کو اُجرت دیکر تمام رات یہ اُس جگہ بند رکھتے ہیں جہاں اس قسم کے کیڑے رکھے جاتے ہیں۔ یا پلنگ پر جس میں کھٹمل محفوظ ہیں سُلا دیتے ہیں۔ اور اس طرح ان کیڑوں کے لئے خوراک بہم پہنچائی جاتی ہے۔ بنئے بہ نسبت آدمیوں کے جانوروں کے لئے بہت خیرات کرتے ہیں۔ اپنے مکانوں کی دیواروں میں یہ سوراخ بنا دیتے ہیں تاکہ پرند اُن میں اپنے گھونسلے بنالیں۔ ایسے جانوروں کو یہ خوراک دیتے ہیں اور کسی قسم کا انہیں نقصان نہیں پہنچاتے۔

ملک گجرات میں سمندر کے نزدیک شہر کھمبات ہے۔ وہاں انہوں نے مریض پرندوں کے لئے شفاخانہ قایم کر رکھا ہے۔ جس میں تنخواہ دار معالج رہتا ہے۔ ایک مرتبہ مریض شکرہ آیا جو دیگر جانوروں کے ساتھ رکھا گیا۔ مگر اُس نے اُنہیں مارنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر اُنہوں نے یہ کہکر شکرہ کو نکال دیا کہ یہ فرنگیوں کی نسل سے معلوم ہوتا ہے۔

بنئے دریائے گنگا کی بہت تعظیم کرتے ہیں اور اُن کے اعتقاد میں اس دریا میں نہانے

سے انسان گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مردہ کی راکھ اور ہڈیاں اس میں ڈالدی جائیں تو بھی متوفی کی بخشش میں کوئی شک نہیں رہتا۔ چنانچہ اکثر امیروں کے مردے جلانیکے بعد (جیساکہ ہندوستان میں دستور ہے) دور دور دراز فاصلہ سے انکی راکھ اور ہڈیاں بڑے سامان اور جلوس کے ساتھ دریائے گنگ میں ڈالنے کے واسطے لائی جاتی ہیں۔

بنئے اس دریا کا پانی پیتل کے ظروف میں بھر کر بطور تبرک نزدیک و دور لیجاتے ہیں۔ اور معتقدین کو یہ پانی نذر کرکے انعام حاصل کرتے ہیں۔ اکثر راجے ہمیشہ اسی دریا کا پانی پیتے ہیں اور اس کام کے لئے اونٹوں کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے جو ہر روز پانی لاتے ہیں۔ اگرچہ دو یا تین ماہ کی راہ ہو۔ بنیوں میں ایک اور رواج ہے کہ جب کوئی مرنے لگتا ہے تو اس کو گنگا کے کنارہ لاکر اس دریا کے پانی کے چھینٹے دے دے کر مار ڈالتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی معتقد خود گنگا کے کنارے پر آکر پڑ جاتا ہے اور وہیں مر جاتا ہے اور دیگر آیندہ روندہ ہندو اسے دریائے مذکور میں بہا دیتے ہیں۔ میں نے خود بھی ایسا دیکھا ہے۔

مری رائے میں ان لوگوں کا اسی قدر حال لکھنا کافی ہے جن کو انسان بھی نہیں کہہ سکتے۔ اور جو سلطنتِ مغلیہ میں بکثرت پائے جاتے ہیں۔

سلطان نورالدین جہانگیر

یہ سچ ہے اور تجربہ اس کی تصدیق کرتا ہے کہ بیٹا اس چیز کے بڑھانیکی کوشش کرتا ہے جو اس کو باپ سے وراثت میں ملتی ہے۔ بعض بیٹوں میں وہ عادات و خصائل موجود نہیں ہوتے جو اُن کے بزرگوں میں تھے۔ اکثر ہندوستان میں دیکھا گیا ہے کہ ایک بادشاہ جنگجو اور فتوحات کا شائق تھا۔ مگر اس کے جانشین میں یہ صفات موجود نہ تھیں۔ چنانچہ یہی حال جہانگیر کا تھا اور یہ مطلق فتوحات کا شائق نہ تھا اور چاہتا تھا کہ جو درخت اس کے باپ نے نصب کیا ہے

یہ اُس کے پھل کھا رہا ہے۔

جہانگیر عمدہ کھانوں، موسیقی، ناچ کا بہت شوق رکھتا تھا جس قدر وہ ان مشاغل کا شوقین تھا اُسی قدر وہ مذہب اسلام کا مخالف تھا۔ اسی لئے وہ عمداً ایسے کام کرتا جو مذہب اسلام میں کسی طرح جائز نہ تھے۔ مثلاً روزہ نہ رکھتا، شراب پیتا سور کا گوشت کھاتا وغیرہ وغیرہ ان افعال سے وہ مسلمانوں کی تحقیر کرنا چاہتا تھا۔ جیسا میں آئندہ بیان کرونگا۔

ایک مرتبہ اُس نے عیسائی پادریوں سے دریافت کیا کہ سور کے گوشت کا کیسا مزہ ہوتا ہے؟ اُنہوں نے کہا کہ اُس کا خاص مزہ اور خوشبو ہوتی ہے جو اور کسی گوشت میں نہیں جہانگیر ان پادریوں کے مکان پر گیا اور وہاں خوب شراب پی اور سور کا گوشت کھا کر نہایت پسند کیا۔ اس کے بعد اُس نے عام طور سے بلا اخفا ان دونوں چیزوں کا استعمال کیا مولویوں نے کئی مرتبہ اُسے آگاہ کیا کہ شراب اور سور کا گوشت کسی طرح جائز نہیں اور صریح طور سے قرآن میں اس کی ممانعت موجود ہے۔ مولویوں کا بار بار سمجھانا اُسے ایسا ناگوار ہوا کہ ایک روز تمام مولویوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ کس مذہب میں شراب پینی اور سور کا گوشت کھانا جائز ہے۔ سب نے بالاتفاق کہا کہ سوائے عیسائیوں کے تمام مذاہب انکے استعمال کی ممانعت کرتے ہیں۔ یہ سُن کر جہانگیر نے سب کے سامنے اپنا عیسائی ہونیکا منشا ظاہر کیا۔ اور حکم دیا کہ درزیوں کو بلا کر اُس کا لباس یورپین وضع کا تیار کرایا جائے اور انگریزی ٹوپی تلاش کی جائے مولوی اس امر سے حیرت زدہ ہو گئے۔ اور آپس میں مشورہ کر کے قرار دیا کہ خاموشی اختیار کر کے بادشاہ کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ مجھ سے ایسے شخصوں نے یہ حکایت بیان کی جو خود اس جلسہ میں موجود تھے۔ ان مولویوں کو وہ ایسی آسانی سے مرعوب دیکھ کر ہر موقع پر ضداً ایسی حرکات کرتا جو اُن کے خلاف ہوتیں۔ چنانچہ اس نے خالص سونے کے سور بنوا کر اپنی خوابگاہ میں رکھے تھے۔ جب خواب سے بیدار ہوتا تو اُن کو دیکھ کر کہا کرتا کہ ان سوروں کی تصاویر کو دیکھنا کسی مسلمان کی صورت دیکھنے سے بہتر ہے۔ جہانگیر کے انتقال کے بعد اُس کے

فرزند شاہ جہاں نے ان تصاویر کو قلعہ لاہور میں شاہی تخت گاہ کے سامنے دفن کرا دیا۔

مجھے حاکم لاہور کے ہمراہ اکثر اس جگہ بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے اور حاکم موصوف مجھ سے اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر اُس کے قبضہ میں اس قدر دولت ہوتی جس قدر ہمارے بیٹھنے کی جگہ دفن ہے تو وہ آج امیر کبیر ہوتا۔

اس حاکم کا نام امانت خان[۵] تھا اور عہد جہانگیری کا ملازم تھا۔ میرا اور نیز تمام عیسائیوں کا بڑا دوست تھا۔ اکثر انجیل کے متعلق گفتگو کیا کرتا۔ مذکورۂ بالا گفتگو اُس دیوانخانہ میں ہوتی تھی جس میں جہانگیر دربار عام کیا کرتا تھا جو ۳۰۰ قدم طویل اور ۲۰۰ قدم عریض تھا۔

ایک بات جو اُس نے مسلمانوں کی دلشکنی کے لئے اختیار کی وہ روزہ رکھنے کا انکار تھا جیسا کہ سال بھر میں ایک ماہ ہر مسلمان روزے رکھتا ہے۔ روزہ کی حالت میں مسلمان دن کو کھاتے پیتے نہیں بلکہ تمام دن انہیں سونے میں گذرتا ہے اور رات کھانے پینے اور دیگر کاموں و تفریح میں بسر ہوتی ہے۔ جہانگیر بالکل اس کے برعکس کرتا اور اس مہینہ میں کوئی دن ایسا نہ ہوتا تھا کہ دوپہر کو وہ دربار عام نہ کرتا ہو اور کم و بیش دو گھنٹہ تک لوگ دق نہ ہوتے ہوں۔ جہانگیر خود بھی سب کے سامنے کھاتا پیتا اور دوسروں کو مجبور کرتا جن کی صورت سے روزہ دار ہونا ظاہر ہوتا۔ اس سے یہ مطلب ہوتا تھا کہ اُن کا روزہ ٹوٹ جائے۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ کھانے سے انکار کرے۔ کیونکہ ممکن تھا کہ بادشاہ ناراض ہو کر اُسے شیروں کے آگے ڈلوا دے یہ شیر ہمیشہ اُس کے سامنے موجود رہتے تھے اور جس کو سزائے موت دینی منظور ہوتی تھی وہ اُن کے سامنے ڈال دیا جاتا تھا۔ علاوہ اس کے ایک تھالی میں بہت سے نشتر اُس کے سامنے رکھے رہتے تھے۔ جب کوئی سپاہی ٹھوڑی پگڑی باندھے یا اکڑتا ہوا اُس کے سامنے

---

[۵] ظاہرا اس سے مرزا معین الدین خافی مراد ہے۔ جسے شروع سلطنت جہانگیر میں امانت خاں کا خطاب عطا ہوا۔ یہ اول ۱۰۵۰ھ (۱۶۴۰ء) میں ملازمت شاہی میں داخل ہوا۔ ۱۰۹۵ھ (۱۶۸۳-۸۴ء) میں وفات پائی۔ یہ شاہ نواز خاں صاحب ماثر الامرا کا دادا تھا۔ تاریخ خافی خاں میں اسے سابق دیوان لاہور لکھا ہے۔

آتا تو اُس کو پاس بُلا کر نشتر یا سوئی اُسکی ناک میں چبھوتا۔ اگر وہ تکلیف کا اظہار کرتا تو بیڑی ہتکڑی ڈال کر وہ دربار سے یہ کہکر باہر نکلوا دیا جاتا کہ جو سپاہی اتنے چھوٹے سے نشتر کا زخم برداشت نہیں کر سکتا تو وہ برچھی اور تلوار کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے۔ برخلاف اسکے اگر کوئی سپاہی اس تکلیف سے خوف نہ کھاتا اور اس زخم سے ناگواری کا اظہار نہ کرتا تو اُس کی تنخواہ دوچند کرکے دربار میں بے حد تعریف کی جاتی۔ اور ظاہر کیا جاتا کہ یہ شخص سپاہی کہلائے جانے کا مستحق ہے اور ایسا ہی شخص لڑائی کے قابل ہے۔

ایک سپاہی نے شیر مارا اور اُس کی کھال کا کوٹ پہن کر فخریہ حاضر دربار ہوا۔ یہ دیکھکر جہانگیر نے بندوق سرکی اور گولی اُس کے پاؤں میں لگی اور وہ گر گیا۔ جہانگیر نے کہا کہ ایسا نہ کیا جاتا تو میرے شیر غضبناک ہو جاتے۔

اگر کوئی نوجوان اوباش عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتا تو جہانگیر اُس کو کسی رذیل میلی ناپاک، غلیظ، بدبودار عورت کے ساتھ ایک کمرہ میں بند کرکے اُس کی بدکاری کی سزا دیتا۔

ایک مرتبہ جہانگیر شراب کے چند جام پی چکا تھا کہ شاہی حکیم جو نہایت پابند مذہب تھا حاضر ہوا۔ حالت نشہ میں بادشاہ نے اُس کے قتل کے لئے تیر و کمان طلب کی۔ بیگم نے جو پس پردہ موجود تھی حکم دیا کہ خالی بید کے تیر لائے جائیں تاکہ حکیم کو کچھ نقصان نہ پہنچے۔ چنانچہ ایسے ہی تیر حاضر کئے گئے۔ بادشاہ نے حکیم کو پے در پے کئی تیر لگائے مگر حکیم اُسی طرح کھڑا رہا۔ یہ دیکھ کر اور درباریوں نے بیگم صاحبہ کے حکم سے اُس کو زمین پر گر جانیکا اشارہ کیا۔ حکیم زمین پر لیٹ گیا گویا کہ مر گیا۔ جہانگیر نے کہا کہ میں بھی اسے مارنا ہی چاہتا تھا۔ اس نے یہ حرکت اسلئے کی کہ وہ مسلمانوں کو ناپسند کرتا تھا۔

بعض اشخاص کہتے تھے جہانگیر عیسائی ہونا چاہتا تھا اور اس لئے وہ مسلمانوں کو ذلیل کرتا۔ کئی مرتبہ اُس نے مولویوں کو پادریوں کے ساتھ اپنی موجودگی میں مذہبی مناظرہ کرنیکا حکم دیا اور ہمیشہ پادری غالب رہتے تھے۔ ایک دفعہ مولویوں نے جواب سے عاجز آکر کہا

کہ ہم کیا جواب دیں جو اہل علم ہیں وہ جانتے ہیں کہ ہمارے اعتراضات نہایت قوی ہیں اور انجیل میں تحریف کی گئی ہے منجملہ دیگر مولویوں کے یہ بات قاضی نے کہی تھی۔ یہ اعتراض سنکر فوراً پادری نے بادشاہ سے عرض کیا کہ میں حضور معلیٰ اور تمام دربار کے سامنے یہ امر ثابت کرنیکے واسطے تیار ہوں کہ اس انجیل میں جو میرے ہاتھ میں ہے تحریف نہیں کی گئی اور یہ اصلی خدا کا کلام ہے۔ اور یہ اس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ گھاس کا ایک انبار لگایا جائے اور اس پر میں انجیل اور قاضی صاحب قرآن لے کر بیٹھیں۔ پھر گھاس کے انبار میں آگ لگا دی جائی اس کے بعد خود حضور عالی اور تمام درباریوں کو معلوم ہو جائیگا کہ کون مذہب حق ہے۔

اس گفتگو سے قاضی خوف زدہ ہوا کیونکہ اُسے علم تھا کہ جہانگیر کا مزاج ایسا واقع ہوا ہے کہ ممکن ہے وہ اس کا تجربہ کرنے کا حکم دے پس اُسنے اپنا سر جھکا لیا۔ چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا اور ایسی دہشت طاری ہوئی کہ اُس کا پاخانہ خطا ہو گیا اور تمام دربار میں بو پھیل گئی۔ جب یہ بدبو بادشاہ تک پہنچی تو مثل درباریوں کے اُس نے بھی ناک بند کر کے کہا کہ پادری اپنے مذہب کی حقیقت ثابت کرنے کے لئے آمادہ ہے مگر بوجہ خوف قاضی سے غلطی سرزد ہو گئی۔ اس کے بعد پادری سے کہا کہ آج سے تمہارا نام پادری آتش رکھا گیا۔ مذکورہ بالا پادری کا نام جوزف ڈاکوسٹا (joseph da costa) تھا مگر اس واقعہ کے بعد وہ پادری آتش کہا جاتا تھا[۵۱]

جہانگیر لاہور میں اپنے اُس محل میں بیٹھا ہوا تھا جو اُس نے دریائے راوی کے کنارہ پر[۵۲]

۵۱ جہانگیر نے اپنی تزک میں جزوی جزوی باتوں کا ذکر کیا ہے۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنے عیوب بھی لکھ دیئے ہیں۔ مگر اس واقعہ کا کہیں ذکر نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے اپنے مذہب کی حمایت میں یہ فرضی قصہ تصنیف کر لیا ہے۔ دوسرے اگر یہ قصہ صحیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس سے قاضی کی کمزوری ثابت ہوتی ہے نہ کہ مذہب اسلام کی۔ اگر قاضی اس مباہلہ کو منظور کر لیتا تو ہمارا اعتقاد ہے کہ وہی غالب ہوتا۔

۵۲ جہانگیر کے مہرالنسا (نورجہاں) پر عاشق ہونیکا قصہ کتب تواریخ میں اس طرح لکھا ہے کہ بہ ایام شہزادگی یہ دو کبوتر ہاتھ میں لئے آرہا تھا کہ محل میں سامنے مہرالنسار آئی اس نے یہ دونوں کبوتر مہرالنسار کو دیئے اور شہزادہ کسی دوسرے

تعمیر کیا تھا۔ کہ اُس نے ایک پردہ دار کشتی آتے ہوئے دیکھی۔ جب وہ کشتی اُس جگہ پہنچی جہاں بادشاہ تھا تو اُس نے دیکھا کہ کشتی میں نہایت حسین عورت بیٹھی ہوئی ہے جس کو دیکھ کر جہانگیر کا دل ہاتھ سے جاتا رہا اور اُس پر عاشق ہوگیا۔ اور یہ حالت ہوگئی کہ ہجر معشوق میں خواب و خور حرام ہوگیا۔ تمام پیاموں اور ہدیوں و وعدوں کے جواب میں اُس عورت نے بھی جواب دیا کہ وہ ایک ذی عزت سپاہی شیر افگن خان کی زوجہ ہے اور جب تک اُس کا شوہر زندہ ہے وہ کسی دوسرے مرد کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھ سکتی۔ چونکہ بادشاہ اُس کے عشق میں بیخود تھا اُس نے حاکم پٹنہ کے پاس حکم روانہ کیا کہ شیر افگن خان جس وقت ہمارا فرمان لیکر وہاں پہنچے تو اُسے فوراً قتل کر دینا۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اگرچہ شیر افگن خاں بالکل لاعلم تھا مگر پھر بھی اس بہادر نے پانچ آدمیوں کو مدافعت میں قتل کیا۔ شیر افگن خان کے قتل کے بعد جہانگیر نے اُس کی زوجہ کو محل میں داخل کر لیا۔ اس شرط پر کہ وہی خاص ملکہ شمار کی جائیگی۔ اور اُس کا باپ پورے اختیارات کے ساتھ وزیر سلطنت مقرر کیا جائے اور بھائی و قریبی رشتہ دار امرا اور درباریوں میں داخل کئے جائیں۔

اس خوشی میں جہانگیر نے آٹھ روز تک جشن کیا اور تمام درباریوں کو معافیاں و انعامات دیئے گئے نئی ملکہ کو نورجہاں بیگم کا خطاب عطا ہوا۔ یہ بیگم تمام سلطنت پر حکمرانی کرتی تھی۔ اور ایسی صاحب عقل و دانش تھی کہ واقعی ملکہ بننے کے قابل تھی۔ اس کے نام کا سکہ مضروب ہوا۔ جس پر بارہ برجوں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں اور وہی سکہ رائج الوقت تھا۔

جہانگیر بیحد شراب پینے کا عادی تھا مگر نورجہاں نے ایسی تدابیر کیں کہ وہ کم شراب پینے لگا۔ اور آخر یہ قرار پایا کہ بادشاہ نو پیالوں سے زیادہ کبھی شراب نہ پیئے گا۔ اور وہ بھی نورجہاں کے

کام کو چلا گیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر مہر النسا کے ہاتھ سے چھوٹ کر اڑ گیا۔ جب شہزادہ آیا تو مہر النسا نے کبوتر کے اُڑ جانیکا حال بیان کیا۔ اس نے دریافت کیا کہ آخر کبوتر کس طرح اُڑ گیا تو مہر النسا نے دوسرے کبوتر کو چھوڑ کر اُڑا دیا اور عرض کیا کہ صاحب عالم اس طرح اڑ گیا۔ اُس کے بیساختہ پن پر اسی وقت سے جہانگیر اس پر عاشق ہوگیا۔

ہاتھ سے۔ اگر اس مقدار سے زیادہ کبھی شراب طلب کی گئی تو ہرگز نہ دی جائیگی۔ اس عہد کو زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ایک دن بادشاہ محل میں گانا سُننے اور شراب نوشی میں مشغول تھا تو پیالے ختم ہو گئے۔ محفل رقص و سرود جاری تھی۔ بادشاہ نے اور شراب طلب کی مگر بیگم نے صاف طور سے کہہ دیا کہ تو پیالے ختم ہو چکے اور اب زیادہ شراب نہ دی جائیگی۔ جہانگیر نے صرف ایک جام اور طلب کیا لیکن نورجہاں نے صاف انکار کر دیا۔ جب جہانگیر نے دیکھا کہ بیگم کسی طرح شراب نہیں دیتی اور نہ آسکے طلب کرنے پر توجہ کرتی ہے تو بادشاہ نے بدمزاج ہو کر اُسے پکڑ لیا اور نوچنا کھسوٹنا شروع کیا۔ نورجہاں نے بھی جواب میں ایسا ہی کیا۔ کسی کی مجال نہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان میں دخل دیتا۔ گانے والیوں نے یہ دیکھ کر غل مچانا، رونا چلانا، کپڑے پھاڑنا شروع کیا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی انہیں نقصان اور تکلیف پہنچا رہا ہے ان کا غل و شور سُنکر بادشاہ و ملکہ جو مصروفِ جنگ تھے سبب دریافت کرنیکے لئے کمرہ سے باہر نکل آئے۔ مگر جب معلوم ہوا کہ گانے والیوں نے یہ چال چلی تھی تو دونوں ہنس پڑے اور اس طرح ان عاشق و معشوق کی لڑائی کا خاتمہ ہوا۔ بادشاہ ان گانے والیوں سے بہت خوش ہوا اور اُنہیں معقول انعام عطا فرمایا۔

مگر نورجہاں انداز معشوقانہ کے ساتھ رضامند نہ ہوئی بلکہ پہلے سے زیادہ اظہار ناراضی کرتی رہی۔ بادشاہ نے ہرچند معافی چاہی مگر اس نے کچھ خیال نہ کیا۔ اور جو تحائف بادشاہ بھیجتا ان کو واپس کر دیتی۔ آخر ایک درمیانی کی معرفت نورجہاں نے کہا کہ اگر بادشاہ میرے قدموں پر سر رکھکر معافی چاہے تو یہ جھگڑا فیصل ہو سکتا ہے۔ بادشاہ اگرچہ نورجہاں کی ہر خواہش پوری کرنیکے لئے موجود تھا مگر اُسے خیال ہوا کہ اگر میں نے ایسا کیا تو میری سخت توہین ہو گی اور لوگ طرح طرح کے چرچے کریں گے۔ اس لئے اس نے محل کی ایک بوڑھی عورت سے مشورہ کیا۔ اُس عورت نے بادشاہ کو یہ ترکیب بتائی کہ جب نورجہاں باغ میں چہل قدمی کر رہی ہو تو آپ اُس کے نزدیک اس طرح کھڑے ہوں کہ آپ کا سایہ ملکہ کے پاؤں پر پڑے۔ اُس وقت آپ محبت آمیز الفاظ میں

ملکہ سے معافی طلب فرمالیں۔ وہی عورت نورجہاں کو کسی بہانہ سے باغ میں لائی اور بادشاہ نے وہی ترکیب کی جو بوڑھی عورت نے بتائی تھی۔ جب بادشاہ کا سایہ نورجہاں کے قدموں پر آگیا تو جہانگیر نے کہا کہ "لو دیکھو میرا سر تمہارے قدموں پر ہے" اس طرح دونوں میں صلح ہوگئی۔

بیگم نے اس ملاپ کی خوشی میں بادشاہ کی دعوت کی اور آٹھ روز تک جشن ہوتا رہا۔ اُس نے حکم دیا کہ باغ اور محل کے تمام حوض عرق گلاب سے بھر دیئے جائیں اور کوئی اُن میں ہاتھ مُنہ نہ دھوئے۔ علی الصباح وہ بیدار ہوتے ہی حوضوں کے ملاحظہ کے واسطے گئی تاکہ کوئی اُن کو ہاتھ وغیرہ دھو کر خراب نہ کر دے۔ اُس نے دیکھا کہ عرق کے اوپر ایک قسم کی چکنائی تیر رہی ہے اُسے گمان ہوا کہ ضرور کسی نے کوئی چکنی چیز حوض میں ڈال دی ہے۔ یہ معلوم کرنے کی غرض سے کہ یہ کس قسم کی چکنائی ہے اُس نے ایک خادم کو حکم دیا کہ وہ ہاتھ سے اس دُہنیت کو جمع کر کے ملاحظہ کرائے۔ جب ایسا کیا گیا اور بار بار بیگم نے اُسے سونگھا تو اُسے معلوم ہوا کہ عرق گلاب پر یہ روغن مثل شبنم کے آگیا ہے وہ نہایت خوش ہوئی اور جلد جلد اُسے جمع کر کے اپنے لباس وغیرہ پر ملکر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جہانگیر آرام میں تھا۔ بیدار ہونے پر اُس نے اس خوشبو کی بہت تعریف کی۔ نورجہاں نے تمام قصہ بیان کیا اور اس طرح ہندوستان میں عطر گلاب ایجاد ہوا[لے]۔ اس وقت سو روپیہ فی تولہ اسکی قیمت تھی۔ اس زمانہ میں چونکہ گلاب بکثرت پیدا ہوتا ہے۔ لہذا اب عطر گلاب کی قیمت پندرہ روپیہ فی تولہ ہے۔

میں نے نورجہاں کے ابتدائی خاندانی حالات معلوم کرنیکی کوشش کی تو مجھے تحقیقاً معلوم ہوا کہ یہ ایک ایرانی کی لڑکی تھی جو ایک ارمنی سوداگر کے ساتھ شتربانوں میں ملازم ہو کر ہندوستان آیا تھا۔ اُس کے ہمراہ اُس کی حاملہ زوجہ بھی تھی۔ قلعہ قندہار کے پاس اُس کی لڑکی پیدا ہوئی۔ کسی سوداگر نے ترس کھا کر ایک گدھا مار بیٹا اُسے دیدیا تاکہ اُس پر یہ اپنی زوجہ کو سوار کر لے۔ اسی حالت غربت اور عسرت میں جو لڑکی پیدا ہوئی تھی وہ یہی مشہور ملکہ نورجہاں تھی۔ اس

لے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ واقعہ شالامار باغ کا ہے جو شہر لاہور سے باہر ہے۔

بیگم کے اثر سے تمام دربار مغلیہ ایرانی امراء سے بھرا ہوا تھا۔

اس بادشاہ کو رعایا کے آرام و آسائش اور سلطنت کی زیب و زینت کا بہت شوق تھا۔ لہذا اُس نے حکم دیا کہ سڑک اعظم پر ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک درخت نصب کئے جائیں۔ چنانچہ شہر ملتان سے الہ آباد تک پانسو تیرہ فرسخ یہ درخت لگائے گئے اور ہر فرسخ پر ایک مینار بنایا گیا تاکہ مسافر کو اپنی منزل کا اندازہ رہے۔ ایسے مینار کے نزدیک ایک ایک گاؤں بھی آباد کیا گیا۔ اس سڑک پر سرائے، باغات، دیہات بکثرت ہیں

اس کام کے ملاحظہ کے لئے بادشاہ نے خود لاہور سے آگرہ تک سفر کیا۔ ایک شب جبکہ اپنے خیمہ میں یہ مشغول شراب نوشی تھا تو اُس نے گیدڑوں کی آواز سنی (گیدڑ یعنی شغال بھیڑیئے کی قسم کا ایک جانور ہے جو ایران و ہندوستان میں بکثرت ہوتا ہے) بادشاہ نے انکے شور کرنے کا سبب دریافت کیا تو درباریوں نے عرض کیا کہ جہاں پناہ کی تشریف آوری کی خبر سنکر یہ سردی سے بچنے کے لئے کچھ کپڑا چاہتے ہیں۔ یہ سنکر بادشاہ نے اُن کو سراپا خلعت اور دوشالے عطا کرنے کا حکم دیا۔ دوسری شب کو پھر ان جانوروں کی آواز آئی تو بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہ اب کیوں شور مچاتے ہیں؟ درباریوں نے عرض کیا کہ اب یہ کوئی درخواست نہیں کرتے بلکہ حضور عالی کا شکریہ ادا کر کے بندگان عالی کی جان و مال کو دعا دیتے ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا کیونکہ سلاطین مغلیہ تعریف اور خوشامد کو بہت پسند کرتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ اس قسم کی خوشامد و چاپلوسی شاہان یورپ کے نزدیک تو قابل تضحیک امر خیال کیا جاتا ہے مگر شاہان مغلیہ اور اُنکے درباری و امراء اس کو قابل تعریف سمجھتے ہیں اگرچہ وہ خود ان باتوں کو جھوٹ اور خلاف واقع مانتے ہیں مگر پھر بھی وہ ان کو سنکر خوش ہوتے ہیں اس موقع پر میں اس قسم کی چند مضحکہ خیز مثالیں بیان کرتا ہوں جن میں مبالغہ سے

کام نہیں لیا گیا۔ اگر بادشاہ یا کوئی شاہزادہ کسی معمولی ہاتھی یا گھوڑے کو دیکھ کر کچھ تعریفی الفاظ زبان سے نکال دے تو تمام درباری اور امرا یہی کہیں گے کہ "اس ہاتھی کا دنیا بھر میں جواب نہیں نہ ایسا شاندار ہاتھی کبھی نظر سے گذرا۔ اور طاقت کا تو یہ حال ہے کہ کوئی ہاتھی اس کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتا۔ ایک مرتبہ اس نے پانچ جنگی آہن پوش ہاتھیوں سے مقابلہ کیا اور ہم نے دیکھا کہ اس نے سب کو بھگا دیا"

اگر میں ان خوشامدیوں کی تمام باتیں لکھوں تو ناظرین مجھے بے عقل خیال کریں گے اگر بادشاہ نے کسی گھوڑے کی تعریف کر دی تو درباری کہیں گے یہ ایسا صاحب ہمت ہے کہ اگر آگ کا پہاڑ بھی سامنے ہو تو اُس سے بھی گذر جائے۔ اگر تمام توپ خانہ ایک دم اس کے سامنے فیر کیا جائے تو بھی اُس کو کوئی پروانہ ہوگی۔ باگ کے ایک اشارہ سے یہ اُس جگہ پہنچ جائے جہاں جانے کا راکب کا ارادہ ہو۔ لڑائی کے وقت یہ ایک جست میں دریا کے پار اُڑ سکتا ہے۔ ناظرین مجھے معاف کریں۔ واقعی امر یہ ہے کہ خوشامدانہ باتیں دربار میں ہوتی ہیں اُن کا بجنسہ لکھنا قطعی ناممکن ہے۔ برخلاف اس کے اگر بادشاہ یا کوئی شہزادہ عمدہ ہاتھی یا گھوڑے کو دیکھ کر ناپسندیدگی کا اظہار کرے تو درباری اُس کی اس قدر برائیاں کریں گے جس قدر ایک ہاتھی یا گھوڑے میں ہونی چاہئیں۔ گویا وہ تمام عیوب کا مجموعہ ہے۔

یہی حال آدمیوں کی نسبت ہے بادشاہ کا کسی معمولی آدمی کی تعریف میں ایک لفظ کہہ دینا کافی ہے۔ پھر درباری اُس کو تمام صفات کا مجموعہ قرار دیکر آسمان پر چڑھا دیں گے۔ اگر کسی بدصورت عورت کی بھی کچھ تعریف کر دی گئی تو حاضرین اُسے رشک حور قرار دینے میں دریغ نہ کرینگے۔ اور اگر کسی خوبصورت خوش سیرت عورت سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا تو درباری اُسے دنیا میں بدترین عورت قرار دیں گے۔

جہانگیر نیک مزاج بادشاہ تھا مگر سوا سے مسلمانوں کے وہ سب کو فائدہ پہنچانیکی کوشش کرتا ایک راجپوت راجہ جو پچیس ہزار سواروں کا افسر تھا اپنے دل میں اس لئے کشیدہ تھا کہ بادشاہ

نے اُس کی کوئی درخواست منظور نہیں کی تھی۔ اور وہ مع اپنے سواروں کے خلاف قاعدہ طبل ونقارہ بجاتا ہوا شہر میں داخل ہوا۔ اس راجہ نے دریا کے کنارے محل شاہی کے سامنے اپنے لشکر کو ٹھیرایا۔

جہانگیر راجہ کی اس گستاخی پر برہم ہوا اور اُسے سزا دینی چاہی۔ مگر ایک چھوٹے آدمی کے مقابلہ میں فوج بھیجنی مناسب نہ سمجھی اور صرف رسالہ کے ایک سپاہی مہابت خان[ل] کو اس کام کے انجام دینے کے لئے تجویز کیا۔

ایک روز جہانگیر شکار کو گیا تھا اور اپنے لشکر سے علٰحدہ ہوگیا۔ صرف مہابت خان ہمراہ تھا۔ اُس وقت بادشاہ کو بھوک معلوم ہوئی۔ مہابت خان نے بندوق چلا کر آگ نکالی اور کچھ روٹیاں پکا کر نمک کے ساتھ بادشاہ کو کھلائیں۔ اُسی روز سے بادشاہ کا خیال تھا کہ مہابت خان کو کچھ انعام دیکر اس کی تلافی کرے۔

جہانگیر نے اس کو خفیہ طور سے بلا کر دریافت کیا کہ آیا وہ راجہ کو قتل کرسکتا ہے؟ مہابت خاں نے جواب دیا کہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کرنا اُس کا فرض ہے۔ پھر عرض کیا کہ تعمیل ارشاد کرنے کیلیے ایک موتیوں کے ہار، جواہرات کے زیور، اور خلعت کی ضرورت ہوگی۔ علاوہ اس کے میر منشی شاہی کو اُس کے ہمراہ کیا جائے اور ایک کشتی مع چند ملاحوں کے بھی عطا فرمائی جائے۔ جہانگیر نے اُس کی درخواست منظور کرکے تمام سامان اُس کے ہمراہ کردیا۔ مہابت خان یہ تیاری کرکے آٹھ بجے رات کو شہر سے روانہ ہوا۔ جب راجہ کے خیمہ گاہ میں پہنچا تو پہرہ دار سپاہی کے دریافت کرنے پر اس نے جواب دیا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے کچھ پیام راجہ کو پہنچانا چاہتا ہے مہابت خان

ل ۔ زمانہ بیگ مخاطب بہ مہابت خاں خانخاناں سپہ سالار ابن غیور بیگ کابلی نے ۱۰۴۴ھ (۱۶۳۵ء ۱۶۳۴ء) میں وفات پائی۔ جہانگیر کی تخت نشینی سے پہلے عہد طفولیت سے ہی یہ جہانگیر کا ملازم تھا۔

جس راجہ کو اس نے دغا سے قتل کیا وہ اوجینا راجہ پرگنہ بھوجپور (بہار) تھا جو موجود راجہ ڈمراؤں کا مورث تھا۔ (ماثر الامرا)

نے اپنے ہمراہیوں کو یہ ہدایت کردی کہ وہ سب دروازہ پر موجود رہیں اور جس وقت تمام پہرہ دار وغیرہ سو جائیں تو وہ کھانسنا شروع کردیں جس سے وہ معلوم کرلیگا کہ سب پر نیند کا غلبہ ہوگیا۔

مہابت خان خیمہ میں داخل ہوا اور نہایت خندہ پیشانی واطمینان کے ساتھ راجہ کو مخاطب کرکے کہا کہ "مجھے بادشاہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ آپ کو اس بات سے مطلع کروں کہ بادشاہ کو آپ کے ساتھ کس قدر محبت ہے اور حضور کس قدر آپ کی عزت کرتے ہیں۔ یہ صرف زبانی باتیں نہیں ہیں بلکہ اظہار عنایت کی غرض سے یہ موتیوں کا ہار، یہ مرصع زیور، اور یہ بیش قیمت خلعت آپ کے لئے روانہ فرمایا ہے۔ آپ کی شجاعت ودلیری مسلم ہے اور بادشاہ کی خواہش ہے کہ آپ کو کسی اور بڑے عہدہ پر سرفراز فرماکر آپکی عزت افزائی فرمائے"

راجہ مخر یہ ان شاہی عطیوں کو لیکر نہایت خوش ہوا۔ اور مہابت خان سے اظہار احسانمندی کے طور پر خندہ روئی کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔

مہابت خان نے راجہ کو مغالطہ دینے کے لئے مکاری سے اُسکے اس طرز عمل کی تعریف کی کہ وہ طبل ونقارہ بجاتا ہوا داخل شہر ہوا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو راجپوتوں کی کبھی ایسی عزت نہ ہوتی ان باتوں میں نصف شب گذر گئی۔ راجہ کے ہمراہی راجپوتوں پر کچھ تو نیند کا غلبہ ہوا اور کچھ افیون کے نشہ کی وجہ سے جسکے یہ بہت عادی ہوتے ہیں اُٹھنے لگے اور راجہ تنہا رہ گیا۔

راجہ کو تنہا دیکھکر اور دروازہ سے اپنے ہمراہیوں کے کھانسنے کی آواز سنکر مہابتخان نے دلمیں خیال کیا کہ بادشاہ کی تعمیل حکم کا اب موقع ہے۔ راجہ سے کہا کہ بادشاہ تم پر ایسا مہربان ہے کہ وہ نہیں چاہتا کہ تمہارے دل پر کچھ میل رہے یا دوسرا کوئی تمہاری برابری کرسکے۔ لہذا حضور عالی نے مجھے یہ بھی حکم دیا ہے کہ میں آپ کو مطلع کروں کہ آپ صوبہ بنگالہ کے صوبہ دار (ولیسرائے) کئے گئے۔ یہ کہکر اُس نے ایک کمخواب کا خریطہ نکالا اور دونوں ہاتھوں پر رکھکر راجہ کے سامنے پیش کیا اور اُسی وقت راجہ کے سینہ پر ایسا کاری خنجر لگایا کہ جس کی ضرب سے تمام انتڑیاں اور آنتیں کٹکر باہر نکل آئیں اور راجہ مرگیا۔ یہ خنجر اُسی

زیں خریطہ میں پوشیدہ تھا۔ دروازہ سے اپنے ہمراہیوں کو لیکر بہ عجلت وہاں سے نکل کر لب دریا سے بذریعہ کشتی فوراً روانہ ہوگیا۔

بادشاہ محل میں بے صبری کے ساتھ منتظر تھا۔ ملاحوں کی آواز سنکر بادشاہ نے دریافت کیا کہ مہابت خان کیا ہوا؟ اس بہادر سپاہی نے جواباً عرض کیا کہ "جہاں پناہ! حضور کے اقبال سے راجہ قتل کر دیا گیا"۔ یہ سن کر بادشاہ مطمئن ہوا اور اسے اپنے درباریوں میں داخل کر لیا۔

جہانگیر نے اپنے والد اکبر کے اس قاعدہ کے خلاف کہ کوئی شخص ادنیٰ عہدہ سے ایک دم بڑے رتبہ پر نہ پہنچایا جائے اس سپاہی کو مہابت خان کا خطاب دیا اور بہت تھوڑے عرصہ میں اس کا بڑے سپہ سالاروں میں شمار ہونے لگا۔ اس نے راجپوتوں کے ساتھ دوستانہ برتاؤ کیا اور اس لئے راجپوت اس کی طرف بہت مائل رہے۔

اگرچہ دنیاوی بادشاہوں کی شان و شوکت کا یہ بھی ایک جزو ہے کہ اپنے امرا و درباریان کی تعریف کریں لیکن ہمیشہ وہ ان کے اثر و قوت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ اکثر کسی امیر کی خیر خواہی ان کی رائے میں بغاوت خیال کی جاتی ہے۔ یہی معاملہ مہابت خان کے ساتھ پیش آیا۔ یہ اپنے آقا کا دلی خیر خواہ ہونیکے علاوہ اس رتبہ و منصب عطا ہونے کی وجہ سے اس قدر بادشاہ کا ممنون احسان اور شکر گذار تھا کہ ہر وقت اظہار وفاداری کے موقع کا متلاشی رہتا۔ اس لئے یہ علاوہ ان درباریوں کے جو خلقی طور سے حاسد تھے بادشاہ کے خسر آصف خان[۵] وزیر اور خود بیگم کے حسد کا شکار ہوا۔ اور مکر و حیلہ سے اس کو قتل کرنے کی سازش کی گئی۔ دس ہزار سوار مختلف راستوں پر اسکے مار ڈالنے کے لئے متعین کئے گئے۔ مہابت خان کو اس کا علم ہوگیا۔ اور وہ سیدھا درانہ محل شاہی میں داخل ہوا

---

[۵] اعتماد الدولہ مرزا غیاث طہرانی نورجہاں بیگم کا باپ اور جہانگیر کا خسر تھا جس نے ۱۰۳۱ھ / ۱۶۲۱ء / ۱۶۲۲ء میں وفات پائی۔ آصف خان نورجہاں کا بھائی تھا۔ (ماثر الامرا)

بادشاہ کے اس قدر نزدیک گیا جہاں امیروں اور درباریوں کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ جہانگیر نے اس کی جرات و گستاخی پر متعجب ہو کر دریافت کیا کہ مہابت خان تم کیا چاہتے ہو اس دلیر سپاہی نے عرض کیا کہ غلام چاہتا ہے کہ بندگان عالی اس وقت تابعدار کے مکان پر تشریف لیجا کر نگخوار کی عزت افزائی فرمائیں۔ کیونکہ اس کی سخت ضرورت ہے۔ یہ کہکر اس نے بادشاہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ جہانگیر اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر کچھ معترض نہ ہوا اگرچہ دل میں خوف سے لرزہ پیدا ہو گیا تھا۔ یہ معہ اُن چند سپاہیوں کے جو اس کے ہمراہ تھے شاہی محل سے روانہ ہوا اور دروازہ پر جہانگیر کو اپنے ہاتھی پر سوار کیا اور خواصی میں اپنے ایک راجپوت سپاہی کو بٹھا دیا جو ایک آنکھ سے کانا ہاتھ میں تلوار لئے ہوئے تھا۔ چند قدم چلنے کے بعد بادشاہ نے ظاہر کیا کہ سپاہی کے کپڑوں سے بساندہ اور بو آتی ہے لہذا اسے تبدیل کر دیا جائے۔ مہابت خان نے جواب دیا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور کا ایک سپہ سالار اگر میرے سپاہی کی مثل بہادر ہوتا تو غلام حضور کو اس طرح اپنے مکان پر لیجانے کی کبھی جرات نہ کر سکتا تھا جیسے اس وقت لیجا رہا ہے۔

یہ اُس راستہ کو طے کرتا ہوا چلا جس پر اُس کے قتل کرنے کے لئے سوار مقرر کئے گئے تھے مگر کسی نے مہابت خان سے اس خوف کی وجہ سے تعرض نہ کیا کہ کہیں راجپوت بادشاہ کو مار نہ ڈالیں۔ اسی طرح بادشاہ مہابت خان کے مکان میں داخل ہوا۔

اگرچہ بیگم اور کل امراء کو یقین تھا کہ مہابت خان بادشاہ کو قتل کر کے خود تاج شاہی اپنے سر پر رکھے گا۔ اور تمام شہر پریشان تھا۔ مگر مہابت کو اس کا خیال بھی نہ تھا۔ چنانچہ جس وقت بادشاہ مہابت خان کے مکان میں پہنچا تو وہ اپنے آقا کو سب سے اعلیٰ مکان میں بٹھا کر خود دست بستہ بہ ادب اُس کے سامنے کھڑا رہا۔ اور مختلف قسم کے میوہ جات اور عطریات پیش کئے

بادشاہ نے شراب طلب کی اور بیگم کو اپنے پاس بلانا چاہا۔ مہابت خان نے عرض کیا کہ شراب پینا کچھ اچھا کام نہیں۔ البتہ بیگم صاحبہ ضرور تشریف لائیں گی مگر بالفعل حضور

صبر فرمائیں۔

تمام رات بادشاہ نے شراب نہیں پی۔ ہر شخص کو امید تھی کہ صبح کو مہابت خان بادشاہت کا دعویٰ کریگا۔ صبح کو اس وفادار اور خیر خواہ سردار نے بادشاہ سے اس طرح گفتگو کی کہ "موت کے خوف سے اور اپنی جان بچانے کی غرض سے مجبوراً فدوی کو یہ گستاخانہ طریقہ اختیار کرنا پڑا۔ بدمعاشوں اور درانداز وں سے نجات پانے کے لئے غلام نے بندگان عالی کی ذات خاص کو اپنی پناہ قرار دیا ہے"۔

اس کے بعد مہابت خان نے جہانگیر کی طرز حکومت پر نیک نیتی اور صاف دلی سے نکتہ چینی کی۔ اور عرض کیا کہ یہ حضور کے ہرگز شایانِ شان نہیں ہے کہ ایک عورت آپ کی سلطنت پر حکمرانی کرے۔

اس کے علاوہ اُس نے اپنی نمک حلالی، وفاداری اور خیر خواہی کے مختلف ثبوت پیش کئے۔ اس تمام گفتگو کے بعد اُس نے میان سے تلوار نکال کر بادشاہ کے سامنے رکھ دی۔ اور جہانگیر کے قدموں پر سر رکھ کر عرض کیا کہ اگر بادشاہ کے نزدیک میں قصوروار ہوں یا میری طرف سے کچھ شک ہے تو اپنے دست مبارک سے بادشاہ مجھے اُسی تلوار سے قتل کر دے جو بارہا اُس کے دشمنوں کے گلے پر چل چکی ہے۔

جہانگیر نے اُسے مطیع و فرماں بردار پاکر اپنے گلے سے لگالیا اور ارشاد کیا کہ ہرگز خوف نہ کرنا چاہیئے کسی کی مجال نہیں جو تم کو نقصان پہنچا سکے۔ اور قرآن مجید کی قسم کھا کر اُسے یقین دلایا کہ بادولت ہمیشہ تم کو وفادار ملازم سمجھیں گے۔ اور ہمیشہ حمایت کرتے رہیں گے۔ اور جو نصیحتیں تم نے نیک نیتی سے کیں ہیں اُن کا میں مشکور ہوں۔

بادشاہ نے اظہار عنایت کے طور پر بیگم کو بھی وہیں طلب کیا۔ مہابت خان نے اعلیٰ پیمانہ پر دعوت کا سامان کیا اور تین روز تک جشن ترتیب دیا۔

بیگم صاحبہ نے مختلف ہدیہ اور تحفے مہابت خان کو دیئے اور بہ قسم اُس سے بیان کیا

کہ بادشاہ اُس کے یہاں کھانا کھانیکے واسطے تشریف لیجانا چاہتے ہیں۔ اب سکندر کو یقین ہوگیا کہ کل جس نے اُس کے ساتھ شراب پی تھی وہ بادشاہ تھا لہذا اُس نے کچھ جواب نہ دیا گویا اُس نے کچھ سُنا ہی نہیں۔ جب بادشاہ بالکل نزدیک پہنچ گیا اور چوبدار نے جواب کا تقاضا کیا تو سکندر نے نیچی نظریں کریں گویا اُسے خبر نہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ اور جواب دیا کہ "جو شخص شرابی کی بات کا یقین کرے اُس کا سر اس موگری سے توڑ ڈالنا چاہیے"۔ یہ سُن کر بادشاہ ہنس پڑا اور اُسے انعام دینے کا حکم دیا۔ سکندر کو اس قدر رقم مل گئی کہ وہ اپنا کام چھوڑ کر فارغ البالی سے بسر کرنے لگا۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ہے کہ بادشاہ ہاتھی پر سوار جا رہا تھا۔ دور سے ایک شرابی نے دیکھ کر شور مچانا اور دریافت کرنا شروع کیا کہ کیا تم یہ ہاتھی فروخت کرتے ہو؟ جہانگیر نے شرابی کی گرفتاری اور دوسرے روز اپنے سامنے پیش کرنے کا حکم دیا۔ جب شرابی پیش ہوا تو اُس سے دریافت کیا کہ تم ہاتھی خریدنا چاہتے ہو؟ اُس نے جواب دیا کہ خریدار با ہر کا رہنے والا تھا میں تو صرف دلال ہوں۔ بادشاہ نے اس جواب سے خوش ہو کر اُسے انعام میں ایک ہاتھی مرحمت فرما دیا۔

اکثر موقعے ایسے پیش آئے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر مطلق مغرور نہ تھا۔ اکثر جہانگیر ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا تھا۔ اور متعدد ہاتھی کھانوں، میووں، اور شراب نوشی کے ظروف وغیرہ سے لدے ہوئے ہمراہ رہتے تھے۔ کئی ہاتھیوں پر گوشت اور کھانا پکتا جاتا تھا۔ دیگر ہاتھیوں پر آلات موسیقی لئے ہوئے گویئے ہوتے تھے۔ کئی ہاتھیوں پر ڈھول اور نقارے ہوتے تھے۔ جو بہت شور و غل کرتے تھے۔ جہانگیر شراب نوشی اور کھانے میں مصروف ہوتا تھا۔

اس سامان کے ساتھ ایک روز جہانگیر اُس چوک سے گذر رہا تھا جو محل شاہی کے سامنے تھا۔ وہاں کچھ بے قید فقیر (آزاد یا بے نوا) جمع تھے انہوں نے چلانا شروع کیا کہ

"بادشاہ! تو تنہا کھاتا پیتا ہے اور ہمیں شریک نہیں کرتا" یہ سُنکر بادشاہ ہاتھی سے اُتر پڑا اور اُن فقیروں کے ہمراہ بیٹھ کر کھانے اور شراب پینے لگا۔ فقیر ساتھ کھاتے جاتے تھے اور معاملات سلطنت پر بھی نکتہ چینی کرتے تھے۔ جہانگیر اُنکی گفتگو خاموشی سے سُنتا رہا اور آخر میں وہ رونے لگا اور فقیروں کو رخصت کر دیا۔

جہانگیر ایسا نرم دل تھا کہ ذراسی بات اُس کے رونے کے لئے کافی تھی۔ اگر بیگم کبھی اس کے اصرار پر شراب نہ دیتی تو جہانگیر کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے اُس کا رونا موقوف کرنے کے لئے صرف یہ کافی تھا کہ بیگم ایک جام شراب نذر کرتی جس سے یہ خوش ہو جاتا۔ جیسے اسے خوش کرنیکے لئے ایک ہدیہ کافی تھا اسی طرح ایک خفیف بات اس کے رُلانے کے لئے کافی تھی۔

باوجود ایسا نرم دل ہونے کے وہ سختی سے اس بات کی نگرانی کرتا تھا کہ کوئی امر خلاف انصاف نہ ہونے پائے۔ جیسے عام رعایا اس سے خوش تھی ویسی ہی اہلکار اس سے ہر وقت خوف زدہ رہتے تھے۔ وہ ہمیشہ ان کو انصاف کے سیدھے راستہ پر چلانا چاہتا تھا۔ اگر کسی اہلکار یا افسر سے کوئی غلطی یا ناانصافی ظہور میں آتی تو یہ بلاتامل اُس کو شیروں کے سامنے ڈلوا دیتا تھا جو ہمیشہ اُس کے دربار میں موجود رہتے تھے۔

ایک روز یہ دریا کے کنارے پر بیٹھا ہوا تھا کہ اس نے ایک ظرف دریا میں بہتا ہوا نظر آیا۔ جسے اُس نے طلب کر کے دیکھا تو معلوم ہوا کہ اُس میں ایک لاش ٹکڑے ٹکڑے کی ہوئی ہے۔ فوراً اُس نے تحقیقات کرنے اور قاتل کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ اور یہ بھی کہدیا کہ اگر قاتل گرفتار نہ ہوا تو تمام افسران متعلقہ کے سر قلم کئے جائیں گے منجملہ دیگر تحقیقات کے افسران نے تمام کوزہ گروں سے ایک ایک ظرف طلب کیا۔ اور اس سے معلوم ہو گیا کہ وہ ظرف جس میں لاش تھی کس کمہار کا بنایا ہوا ہے۔ کیونکہ یہاں کے کوزہ گروں کا قاعدہ ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ظرف پر ایک خاص نشان بنا دیتے ہیں۔ آخرکار افسران اس طریقہ

سے کامیاب ہوئے اور قاتل گرفتار ہو کر سزایاب ہوا۔

ایک دن شکار سے واپسی کے وقت جہانگیر نے دیکھا کہ ایک راجپوت کو سزائے موت دینے کے لئے لیجا رہے ہیں۔ بادشاہ کے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس نے ایک مسلمان عورت کے ساتھ جبراً زنا کیا ہے۔ جہانگیر نے عورت کو سامنے طلب کر کے دریافت کیا کہ بتاؤ راجپوت کے بدن پر بال تھے یا مثل اُسکے چہرے کے وہاں بال نہ تھے۔ عورت نے یہ خیال کیا کہ راجپوتوں میں جس طرح داڑھی منڈانے کا دستور ہے اُسی طرح یہ اپنے تمام بدن کے بال بھی منڈاتے ہونگے۔ اس لئے عورت نے بالوں کا نہ ہونا بیان کیا۔ بادشاہ نے اُس کا معائنہ کرایا تو معلوم ہوا کہ عورت کا بیان غلط ہے۔ لہذا جہانگیر نے راجپوت کو تو چھوڑ دیا اور عورت کو بجائے اُس کے سزائے موت دی گئی۔ اور افسر تحقیقات کنندہ پر جرمانہ کیا۔

منجملہ اور عمدہ کاموں کے جو جہانگیر نے کئے ایک یہ بھی تھا کہ یہ عیسائی پادریوں کے ساتھ خاص مہربانی سے پیش آتا تھا۔ لاہور میں اس نے ان پادریوں کو ایک مکان اور گرجا مرحمت فرمایا۔ اس بادشاہ کے عہد سلطنت میں یورپ کے باشندوں کو بالکل مذہبی آزادی تھی۔ یہ عیسائی پادری بادشاہ کے لڑکوں کو بھی تعلیم دیتے تھے۔ جہانگیر کے ایک لڑکے نے جو بادشاہ ہوا بوجہ کسی رنج کے جو اُس کو ان پادریوں سے پہنچا تھا گرجے کو جلوا دیا اور اُس کا گھنٹہ آگرہ بھیجدیا جس کا ذکر میں آیندہ کرونگا۔ کیونکہ اُس کے لڑکوں کی حالات بیان کرنے کا موقع نہیں۔

نورجہاں کے بطن سے جہانگیر کے کوئی لڑکا نہ تھا۔ دوسری بیگموں سے دو لڑکے سلطان بلاقی[لہ] اور سلطان خورم تھے۔ سلطان بلاقی کے (جو ولیعہد تھا) دو لڑکے تھے

لہ سلطان بلاقی کا اصلی نام داور بخش تھا اور یہ خسرو ابن جہانگیر کا بیٹا تھا۔ یعنی سلطان داور بخش عرف بلاقی جہانگیر کا پوتا تھا نہ کہ بیٹا۔ خسرو نے ۱۰۳۱ھ (۱۶۲۲ء) میں جہانگیر کے سامنے بعمر ۳۶ سال وفات پائی۔ بموجب

جن کا ذکر آیندہ آئیگا۔ سلطان خورم کے دو لڑکے دارا اور شجاع ہونے کے علاوہ ایک بیگم حاملہ تھی۔ کچھ غیر معمولی علامات دیکھ کر جہانگیر نے یہ ہدایت کر رکھی تھی کہ جس وقت بچہ پیدا ہو اسی وقت اطلاع کی جائے اگرچہ کسی جگہ قیام ہو۔ اگر آرام میں ہوں تو بیدار کر دیا جائے۔

بیگم موصوف کے لڑکا پیدا ہوا اور فوراً جہانگیر کو اطلاع دیگئی۔ جہانگیر نے کہا کہ اگر یہ شاہزادہ بادشاہ ہوا تو تمام ہندوستان کو فتح کریگا۔ یہ بچہ جس کی نسبت یہ پیشنگوئی کی گئی تھی اورنگ زیب تھا جو اس وقت تختِ مغلیہ پر متمکن ہے۔

سلطان خورم نے باپ کی توجہ سلطان بلاقی کی طرف دیکھ کر اور یہ معلوم کرکے کہ اسکو ولیعہد کرنا چاہتا ہے بغاوت اختیار کی۔ کئی لڑائیاں ہوئیں اور سلطان خورم کو شکست ہوئی آخری شکست کے بعد یہ ہوگلی کے قریب سے گذرا۔ یہ موضع جہانگیر نے پرتگیزوں کو دیدیا تھا۔ پرتگیزوں نے حملہ کرکے ممتاز محل کی دو کنیزوں کو گرفتار کرلیا۔ بیگم نے اُنکے پاس پیام بھیجا کہ بجائے شاہزادہ کے امداد کرنے کے یہ مناسب نہیں کہ تم اُس کو لوٹ لو۔ لہذا دونوں کنیزوں کو واپس دیدیا جائے۔ پرتگیزوں نے بیگم کے پیام پر کچھ توجہ نہ کی۔ اور آخر میں پرتگیزوں کو سخت نقصان اُٹھانا پڑا جیسا ناظرین کو آیندہ معلوم ہوگا۔

شاہی فوج کے تعاقب سے مجبور ہو کر سلطان خورم نے شاہ بیجاپور کے ملک میں پناہ لی۔ یہ قصبہ جونیر میں رہتا تھا جو بسین[۵۱] سے تیس فرسخ کے فاصلہ پر ہے اور جو پرتگیزوں کے قبضہ میں تھا۔ بعد ازاں شاہ بیجاپور نے ایک اپنا محل مع باغ جس میں انگور کے درخت بکثرت تھے شاہزادہ کے رہنے کے لئے دیدیا۔ میں نے یہ مکان اپنی نظر سے دیکھا ہے۔ غرض اس طرح جہانگیر اپنے فرزند کے حملہ سے محفوظ رہا۔ اگرچہ اُسی نے آیندہ سلو

(بقیہ صفحہ گزشتہ) شرع محمدی سلطان بلاقی محجوب الارث ہوگیا تھا۔

۵۱ بسین بمبئی سے ۲۸ میل بجانب شمال واقع ہے۔ جونیر ضلع پونا میں ہے اور بمبئی سے ستر میل گوشہ شمال و مغرب میں واقع ہے۔ ان دونوں قصبوں میں ستر میل کا فاصلہ ہے۔ خورم کچھ زمانہ تک جونیر میں رہا تھا۔ (ماثر الامرا۔ حال اسلام خاں)

کے لئے یہ بُری مثال قایم کی تھی۔ دراصل سلطان خورم نے یہ فعل جہانگیر سے سیکھا تھا۔ جس نے اپنے باپ اکبر کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کی تھی۔

جہانگیر نے اپنے باپ کی تقلید کر کے شہر لاہور میں شاہی محل کے سامنے اپنا مقبرہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس مقبرہ کی تعمیر میں اُس نے بہت روپیہ صرف کیا۔ اور گنبد میں جواہرات نصب کئے۔ یشب، نیلم، فیروزہ وغیرہ بیش قیمت جواہرات شاہ اورنگ زیب کے حکم سے اکھاڑ لئے گئے۔ اور بجائے اُنکے کم قیمت پتھر لگا دیئے گئے۔ یہ پتھر مختلف پھولوں کی شکل میں ترشے ہوئے تھے۔

جہانگیر کی وفات سے چند سال پہلے وزیر نے اُس کے سامنے ایک ایرانی کو پیش کر کے بہت تعریف کی اور کہا کہ یہ شخص تمام ایران میں بہت مشہور ہے یہانتک کہ شاہ ایران بھی اس کے نمک خوار ہیں۔ یہ سُنکر بادشاہ نے اُسے اعلیٰ منصبداروں میں شامل کر کے قاسم خان کا خطاب دیا۔ ایرانیوں کا قاعدہ ہے کہ ہمیشہ اپنے ہم قوم لوگوں کی سفارش کر کے داخل دربار شاہی کرتے ہیں اور اس لئے سلطنتِ مغلیہ میں ایرانی بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہیں لیکن اس کے علاوہ وزیر اس کا کسی معاملہ میں ممنون احسان تھا اور اس طریقہ سے تلافی کرنی چاہی۔ جس وقت اور لوگوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ یہ شخص ایران میں نمک فروشی کیا کرتا تھا تو اُس نے وزیر سے جواب طلب کیا کہ کیوں ایسے شخص کی اس قدر تعریف کیگئی وزیر نے عرض کیا کہ فدوی نے اس امر سے حضور کو آگاہ کر دیا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ میں نے عرض کیا تھا کہ شاہ ایران اس کے گھر کا نمک کھاتے ہیں کیونکہ تمام سلطنت ایران کے نمک کا ٹھیکہ اسی کے پاس تھا۔ یہ سُن کر جہانگیر نے اُس کو قاسم خان نمکین کے لقب سے ملقب کر دیا۔

میں شہر لاہور میں اس کے مکان میں سات برس تک مقیم رہا۔ جو حاکم لاہور نے مجھے رہنے کے واسطے دیا تھا۔ اس کے بعد قاسم خان نے وفات پائی۔

جہانگیر کا یہ قانون تھا کہ کسی ملازم شاہی کی وفات کے بعد اُس کا تمام مال و اسباب و مکانات وغیرہ سلطنت کی ملکیت ہو جاتے تھے۔ اسی طرح رعایا میں سے جو لاولد مرتا اُسکے ساتھ بھی اسی قانون کا برتاؤ کیا جاتا۔

جن اشخاص پر یہ عنایتیں اور مہربانیاں کی جاتی ہیں اکثر انکی حالت میں تنزل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وہ بحالت زعم اپنے آپ کو قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ بعینہ یہی حالت اُن انگریزوں کی ہوئی جو ہندوستان میں مقیم تھے۔ حاکم صورت اور انگریزوں میں کچھ اختلاف تھا۔ مگر اُن عنایتوں پر بھروسہ کر کے جو جہانگیر ہمیشہ یورپین کے ساتھ کرتا تھا۔ انگریزوں نے بندرگاہ سے اُن جہازوں کی روانگی روک دی جو شاہ و وزیر کے حکم سے مکہ جانیکے واسطے مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ اور اسی طرح دیگر سوداگروں کے جہازوں کو بھی معطل کر دیا۔

جہانگیر نے حکم بھیجا کہ انگریزوں کو بغیر برہم کئے اس جھگڑے کا فیصلہ کیا جائے۔ متعدد مرتبہ مختلف معاملات میں انگریزوں کی شکایت کی گئی اور آخر بادشاہ نے برہم ہو کر انگریزوں کی گرفتاری کا حکم جاری کیا۔ انگریزوں نے جب تعمیل حکم شاہی میں مزاحمت کی تو جہانگیر نے قتل کی سزا دی۔ اور جو انگریز آگرہ و سورت یا گرد و نواح میں تھے وہ قتل کئے گئے۔ یہ واقعہ ۱۶۲۲ء میں جہانگیر کی وفات سے دو برس قبل وقوع میں آیا۔[لہ]

مذکورہ بالا تمام واقعات سے یہ ظاہر ہے کہ جہانگیر نہایت عیش پسند تھا۔ موسم گرما میں بہ نظر تفریح یہ کشمیر کو روانہ ہوا۔ اور سرما میں یہ لاہور کو واپس آ رہا تھا کہ راہ میں بیمار ہوا اور لاہور پہنچنے سے پہلے وفات پائی۔ جنازہ لاہور لایا گیا اور اُس مقبرہ میں دفن ہوا جو اُس نے اپنے لئے تعمیر کرایا تھا۔

جہانگیر نے بائیس سال سات ماہ اور گیارہ روز سلطنت کی۔

لہ سورت کے یہ واقعات وہی معلوم ہوتے ہیں جنھیں ہنٹر صاحب نے اپنی تاریخ میں ۱۶۲۳ء میں ہونا لکھا ہے۔

سلطان بلاقی

جہانگیر کے انتقال کے بعد اُس کے بڑے بیٹے[۵۷] سلطان بلاقی نے بلا کسی مخالفت کے تختِ سلطنت پر قبضہ کیا۔ اُس کا خیال تھا کہ اُس کے بھائی کے سوا کوئی مخالف نہیں ہے۔ چونکہ وہ وہاں موجود نہ تھا بلکہ بیجاپور تھا اس لئے سلطان بلاقی بالکل مطمئن تھا۔ اپنے باپ کی طرح اسے بھی ناچ گانے اور لہو و لعب سے بہت شوق تھا اور وقت کا زیادہ حصہ اسی شغل میں گذرتا۔ تاہم اُس نے شاہ بیجاپور کو متنبہ کیا کہ اگر وہ سلطان خرم کو کسی قسم کی مدد دیگا یا اُسے اپنے ملک سے بدر نہ کریگا تو لشکر کشی کر کے اُس کی تمام سلطنت تباہ و برباد کردی جائے گی۔

شاہ بیجاپور کے پاس جب یہ پیام پہنچا تو وہ نہایت خوف زدہ ہوا۔ اور اُسی روز سے اُس نے سلطان خرم کی نگرانی شروع کردی تاکہ وہ وہاں سے کسی دوسری جگہ نہ چلا جائے اور اس طرح اُس نے سلطان بلاقی کو رضامند رکھنا چاہا۔ سلطان خورم مع اپنی بیگموں، چاروں فرزندوں دارا، شجاع، اورنگ زیب، مراد بخش اور تین لڑکیوں بیگم صاحبہ، جہاں آرا بیگم، روشن آرا بیگم کے وہاں قید تھا۔ سلطان خورم کی ایک بیگم حاملہ تھی جس کا سیب کھانے کو بہت دل چاہتا تھا مگر نہ تو سیبوں کا موسم تھا اور نہ وہاں دستیاب ہو سکتے تھے۔ خورم پریشان ہو کر سیب تلاش کرنے مکان سے باہر نکلا۔ راستہ میں ایک فقیر سے ملاقات

---

۵۷ بلاقی (داور بخش) جہانگیر کا پوتا تھا جیسا کہ اس سے پہلے ایک نوٹ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ بمقام لاہور سے آصف خان نے بمقابلہ شہریار تخت نشین کیا۔ شہریار جہانگیر کا پانچواں فرزند تھا۔ اور نور جہاں اسکی طرفدار تھی (تاریخ الفنسٹن صاحب) فارسی مورخین کہتے ہیں کہ بلاقی قتل کردیا گیا۔ مگر انگریزی مورخین لکھتے ہیں کہ ۱۶۳۳ء میں وہ ایران میں دیکھا گیا (تاریخ الفنسٹن صاحب) منوچی یعنی مصنف کے بیان سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔

سلطان داور بخش عرف بلاقي خلف
اکبر سلطان جہانگیر

ہوئی جس نے خورم کو دو سیب دیئے اُن کو لیکر خورم نہایت خوش ہوا۔ اور فقیر سے تھوڑی دیر ٹھیرنے کی درخواست کی۔ سیب بیگم کو دیکر خورم نے واپس آکر نہایت عاجزی کے ساتھ فقیر سے کہا کہ مجھے آپ کوئی ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں کہ ایسے وقت میں میری امداد فرمائی۔ میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے مطلع فرمایئے میرا یہ خیال صحیح ہے یا نہیں۔ فقیر نے اقرار کیا اور کہا جو تیرا خیال ہے وہ درست ہے۔ یہ دونوں بہت دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اور فقیر نے اُسے بہت باتوں سے آگاہ کیا۔

منجملہ اور باتوں کے جو فقیر نے کیں یہ بھی کہا کہ جب کبھی تم بیمار ہو تو اپنے ہاتھوں کو سونگھنا اگر سیب کی بو محسوس ہو تو سمجھ لینا کہ بیماری خطرناک نہیں ہے۔ اگر [illegible] تو یقین کرنا کہ تمہاری زندگی ختم ہے اور اُس کو مرض الموت [illegible] خورم نے فقیر سے دریافت کیا کہ میرے بعد میرے لڑکوں میں کون بادشاہ ہوگا؟ فقیر نے اورنگ زیب کو بتایا جو اُس وقت بچہ تھا۔[1]

یہی وجہ تھی کہ سلطان خورم کو اورنگ زیب کے ساتھ کچھ محبت نہ تھی۔ چونکہ اورنگ زیب اپنے تمام بھائیوں میں زیادہ گورا تھا اس لیے سلطان خورم اُس روز سے اُسے مارِ سفید کہا کرتا تھا۔ کئی مرتبہ خورم نے اورنگ زیب کو مار ڈالنا چاہا مگر اُس کی بڑی بہن روشن آرا بیگم کی وجہ سے اس کی جان بچگئی اور خداوند عالم نے اُسے خورم کی گوشمالی کیلئے زندہ و سلامت رکھا۔

خورم کو بیجاپور سے مخلصی کی کوئی اُمید نہ تھی کہ اسی اثنا میں اُسے آصف خان وزیر کا خط موصول ہوا جو اُس کا خسر تھا۔ خورم کی بیگم اور نورجہاں دونوں سوتیلی بہنیں اور آصف خان کی لڑکیاں تھیں۔[2] آصف خان نے خط میں لکھا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ فوراً وہاں سے

---

[1] اورنگ زیب سنہ ۱۶۱۸ء میں پیدا ہوا۔ اگر یہ گفتگو سنہ ۱۶۲۷ء میں ہوئی تو اُس وقت اس کی عمر تقریباً نو برس کی ہوگی۔

[2] یہ بالکل غلط ہے۔ ارجمند بانو بیگم مخاطب بہ ممتاز محل نورجہاں کی بھتیجی تھی نہ کہ سوتیلی بہن۔ کیونکہ ممتاز محل زوجۂ شاہجہاں آصف خاں کی دختر تھی۔ آصف خاں نورجہاں کا بھائی تھا نہ کہ باپ۔

روانہ ہوکر مہابت خاں حاکم برہان پور سے ملیں۔ اگر آپ یہاں تشریف لے آئیں تو یقیناً آپ بادشاہ ہوں گے۔ یہاں سب سامان تیار ہے۔

خورم نے یہ دیکھ کر کہ سلطان بیجاپور نہ کچھ امداد دینے کا وعدہ کرتا ہے اور نہ کہیں دوسری جگہ جانیکی اجازت دیتا ہے۔ اپنے بیمار ہونے کا بہانہ کیا۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو شاہ بیجاپور نے اپنے معتمد کو خورم کے پاس بھیجا تاکہ معلوم ہو کہ خورم درحقیقت بیمار ہے یا نہیں۔ خورم نے پہلے سے انتظام کر رکھا تھا جس وقت اُس کے آنے کی خبر معلوم ہوئی تو ایک بکرا ذبح کیا گیا اور تھوڑا سا خون خورم نے پی لیا۔ اُس معتمد کے پہنچتے ہی خورم نے قے کردی جس میں وہی خون برآمد ہوا۔ یہ دیکھ کر شاہ بیجاپور کے مرسلہ معتمد کو یقین ہوگیا کہ سلطان خورم نے خون کی قے کی ہے اور کوئی امید اُس کی زیست نہیں۔ چنانچہ واپس جاکر اُس نے اپنے آقا سے تمام حال بیان کیا اور خورم کی زندگی کی طرف سے قطعی ناامیدی ظاہر کی۔ کچھ عرصہ بعد حرم سرا سے رونے اور ماتم کا شور بلند ہوا۔ اور ظاہر کیا گیا کہ سلطان خورم نے وفات پائی۔ ماتمی لباس پہنکر خورم کے ہمراہی شاہ بیجاپور کے پاس آئے اور خورم کی لاش لیجانے کی اجازت طلب کی تاکہ اُس کو خاندانی قبرستان میں دفن کریں۔ شاہ مذکور نے اجازت دیدی اور ایک تابوت تیار کیا گیا۔ تمام ہمراہی روتے اور ماتم کرتے اُس کو لے کر روانہ ہوئے۔

جب یہ خبر سلطان بلاقی کو پہنچی تو وہ نہایت خوش ہوا کہ اُس کے سب سے بڑے دشمن کا نام دنیا سے مٹ گیا اور اب کوئی اُس کا مقابلہ کرنے والا یا دعویدار سلطنت نہیں رہا۔

غرض یہ قافلہ جب خورم کا مصنوعی جنازہ لئے ہوئے برہانپور پہنچا تو مہابت خاں بھی اس جنازہ کے ساتھ ہوا اور اسی طرح یہ سب مضافات آگرہ میں داخل ہوئے۔ جب جنازہ قریب آگرہ پہنچا تو آصف خاں خسر سلطان خورم نے سلطان بلاقی سے درخواست کی کہ اُسے مع ایک پورے رسالہ کے شرکت جنازہ کی اجازت دی جائے کیونکہ خاندان شاہی کا یہی دستور ہے۔ سلطان بلاقی کو چونکہ مطلق اس خفیہ معاملہ کا علم نہ تھا بلکہ وہ جوش مسرت سے

محفل رقص وسرود میں بیٹھا ہوا شراب نوشی میں مصروف تھا۔ بلا تکلف اجازت دیدی اس کے وہم وگمان میں بھی یہ امر نہ تھا کہ چند دقیقہ بعد اس کی حکمرانی کا خاتمہ ہو جائیگا۔

آصف خان شہر سے روانہ ہو کر جب اس قافلہ میں پہنچا تو سلطان خورم کو زندہ اور بخیریت پایا۔ اور اسے ہاتھی پر بٹھا کر مع رسالہ داخل شہر ہوا۔ آگے آگے نقارہ بجتا تھا اور تمام سوار ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے "شاہ جہاں زندہ باد" کا نعرہ لگاتے تھے۔ ان سب نے سلطان بلاقی کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کی۔

بلاقی خورم کے اس طرح زندہ واپس آنے اور اس قدر تھوڑے عرصہ میں تمام لشکر کو اس کا طرف دار ہو جانے پر حیرت زدہ ہو گیا۔ جب اس نے یہ دیکھا تو اپنی جان بچانے کے واسطے راہ فرار اختیار کی۔

شاہجہاں بادشاہ

خورم نے شاہ جہاں کے لقب سے تخت نشین ہو کر سب سے پہلے سلطان بلاقی کو گرفتار کرنے کی فکر کی۔ مگر وہ کسی طرح ہاتھ نہ آیا۔ اور یہاں سے بھاگ کر وہ ایران چلا گیا اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا نام سلاطین مغلیہ کی فہرست میں داخل نہیں کیا گیا۔

شاہجہاں جب سلطان بلاقی کو گرفتار نہ کر سکا تو اس نے مختصر لشکر لاہور روانہ کیا جہاں بلاقی کے دو فرزند مقیم تھے۔ اور یہ سخت احکام جاری کئے گئے کہ جس مکان میں وہ رہیں اس کا در تیغا کر دیا جائے۔ وہ لاہور میں اس دیوانخانہ میں تھے جہاں جہانگیر دربار کیا کرتا تھا۔ نہایت بیرحمی کے ساتھ ان کو اس مکان میں بند کر کے باہر سے دروازہ تیغا کر دیا گیا۔ آج تک وہ مکان اسی طرح بند ہے۔

سلاطین مغلیہ کا یہی دستور ہے کہ جس مکان میں کسی بادشاہ کا انتقال ہوتا ہے وہ تیغا کر دیا جاتا ہے اور پھر کبھی نہیں کھولا جاتا۔

شاہ جہاں نے مقام ہوگلی پرتگیزوں کے مقابلہ میں لشکر روانہ کرنیکا ارادہ کیا جنہوں نے ممتاز محل کی دو کنیزوں کو پکڑ لیا تھا۔ قاسم خان کی سرکردگی میں جب لشکر شاہی ہوگلی کے قریب پہنچا تو اُس نے پرتگیزوں سے رقم کثیر لیکر معاملہ طے کر لیا اور ایک روز کی راہ پر ہٹ گیا۔ مگر دوسرے روز پھر ہوگلی کی طرف بڑھا اور پرتگیزوں سے کہا کہ بادشاہ کا یہی حکم ہے کہ یہ جگہ لیلی جائے حتی الامکان پرتگیزوں نے مدافعت کی مگر آخر اُنہوں نے اطاعت قبول کر لی اور قاسم خان نے پانچ ہزار پرتگیزوں کو گرفتار کر لیا جن میں پادری بھی تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی بھی یہی مرضی تھی کہ پرتگیزوں کو سزا دی جائے۔ کیونکہ وہ دریائے گنگ کی راہ سے بھی نہ بھاگ سکے جس کے کنارہ پر ہوگلی آباد ہے۔ اس وقت دریائے گنگ میں پانی اس قدر کم ہو گیا کہ جس میں جہاز کشتی نہ چل سکتی تھی۔ اور اس وقت کے سوا ایسا موقع کبھی نہیں ہوا اس موقع پر میں ان پرتگیزوں کی سرکشی اور غرور کا حال بیان کرنا نہیں چاہتا بلکہ آیندہ لکھوں گا۔ قاسم خان ان قیدیوں کو لیکر روانہ ہوا۔ مگر مشیت خدا یہ جاری ہوئی کہ ان کے پہنچنے سے پہلے ممتاز محل[1] کا انتقال ہو گیا۔ شاہجہاں نے رقم کثیر خرچ کر کے اس کا مقبرہ آگرہ میں محل شاہی کے مقابل تعمیر کرایا۔ یہ دو منزلہ مقبرہ ہے۔ نیچے کی منزل میں بیگم کی قبر ہے اور کوئی مرد یہاں نہیں جا سکتا یہ عورتوں اور خواجہ سراؤں کی نگرانی میں ہے۔

اس میں شک نہیں کہ پرتگیزوں کے پہنچنے کے وقت اگر ممتاز محل زندہ ہوتی تو وجہ اُس غصہ اور اشتعال کے جو اُسے تھا انکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتی جیسا کہ اُس نے عہد کیا تھا۔ تاہم پرتگیز نقصان سے محفوظ نہ رہ سکے۔ بعضوں نے بوجہ خوف کے یا اس لئے کہ اُن کی بی بیاں اُن کو مل جائیں اپنا مذہب تبدیل کر دیا۔ کیونکہ عورتوں کو شاہجہاں نے اپنے امرا میں

[1] ۷ جولائی ۱۶۳۲ء کو ممتاز محل نے وفات پائی۔

کو تقسیم کر دیا تھا۔ اور اُن میں جو بہت خوبصورت تھیں وہ شاہی حرم سرا میں داخل کر دی گئیں جن میں سے بعض کا میں آئندہ تذکرہ کرونگا۔

کل پادری نہایت استقلال سے اپنے مذہب پر قایم رہے۔ اُن کا قول تھا کہ خدا ہمارا محافظ ہے۔ شاہجہاں کچھ بھی کرے مگر وہ اپنا مذہب کسی طرح تبدیل نہ کریں گے۔ علاوہ ان پادریوں کے کچھ دنیا دار عیسائیوں نے بھی اپنا مذہب نہ بدلا لیکن کچھ تو چند درباریوں اور ایک ارمنی کی سفارش سے اور کچھ ایک وِنیس کے رہنے والے میرے رفیق مسمی بہ ہرنومو ورنیو (Hieronomo Veroneo) کے بطور فدیہ روپیہ ادا کرنے سے رہا کئے گئے۔ یہ رہا شدہ پرتگیز شہر آگرہ میں رہنے لگے اور اس وقت تک بھی بعض کی اولاد موجود ہے۔

بعد وفاتِ ممتاز محل شاہجہاں نے دہلی کو منتخب کر کے وہاں نیا شہر آباد کیا اور اُسی کو دارالسلطنت قرار دیا۔ اس شہر کی تعمیر میں پُرانی دہلی اور تغلق آباد کا ملبہ کام آیا۔ اس شہر کا نام شاہجہان آباد رکھا گیا اور بہت سا روپیہ اس کی تعمیر میں صرف ہوا۔ جب شہر کی بنیاد رکھی گئی تو چند واجب القتل مجرموں کو بطور قربانی بنیاد میں دفن کیا گیا۔ شہر مذکور دریائے جمن کے کنارے ایک مسطح زمین پر آباد کیا گیا ہے۔ اور اس کا محیط نصف چاند کی شکل کا ہے۔ بارہ دروازے ہیں۔ پُرانی دہلی مثل اور موضعوں کے اب ایک موضع ہے۔

شہر پناہ اینٹ اور پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ ہر سو قدم کے فاصلہ پر مستحکم برج بنے ہوئے ہیں لیکن ان برجوں پر توپیں چڑھی ہوئی ہیں۔ شہر کے دروازوں میں خاص دو دروازے ہیں۔ ایک وہ جو آگرہ کی طرف ہے اور دوسرا جو لاہور کی سمت ہے۔

شہر کے اندر خوبصورت اور بڑے بڑے بازار ہیں جن میں ہر قسم کی اشیا فروخت ہوتی ہیں۔ خاص بازار اُس سڑک سے شروع ہو کر جو قلعہ کو جاتی ہے

مذکورہ بالا دروازوں تک گئے ہیں۔

شرفا اور امرا کے مکانات نہایت عمدہ ہیں مگر باقی مکانات حس پوش ہیں اگرچہ یہ بھی اندر سے آراستہ اور آرام دہ ہیں۔ شہر کے مغرب کی طرف دریائے جمن بہتا ہے اور اس طرف فصیل نہیں ہے۔ شہر کے شمالی گوشہ میں غرب رویہ شاہی قلعہ ہے۔ قلعہ کے سامنے یعنی قلعہ اور دریا کے درمیان ہاتھیوں کی لڑائی کے لئے ایک میدان چھوٹا ہوا ہے۔ یہ تماشہ دیکھنے کے واسطے بادشاہ دریچہ میں اور بیگمات پس پردہ بیٹھتی ہیں۔ اس میدان میں بادشاہ امرا اور راجگان وغیرہ کو درشن دیتے ہیں۔ شاہی بالا خانہ کے نیچے تزک و احتشام کی طور پر شب و روز ایک مست ہاتھی رہتا ہے۔

قلعہ شاہی سنگ سرخ کی بلند دیواروں سے محصور ہے۔ اور ایک پل بارہ دروں کا بنا ہوا ہے جس سے اس قلعہ کا سلیم گڑھ سے اتصال ہوتا ہے جو دریائے جمن کے جزیرہ میں بنا ہوا ہے۔ قلعہ سلیم گڑھ سلیم شاہ افغان کا تعمیر کردہ ہے۔

قلعہ کے دو دروازے ہیں اور درمیان میں ایک میدان چھوٹا ہوا ہے۔ شاہجہاں نے شمال و جنوب کی طرف دو وسیع باغات نصب کئے۔ چونکہ دریائے جمن سے ان باغوں کی آب پاشی نہیں ہوسکتی تھی لہذا کثیر روپیہ خرچ کر کے شاہجہاں نے شہر سرہند سے ایک نہر نکالی جو دہلی سے تقریباً سو فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ یہ نہر قلعہ میں داخل ہوتی ہے اور آبپاشی باغات کے علاوہ قلعہ کے حوض وغیرہ اس پانی سے بھرے جاتے ہیں بادشاہ کے حکم سے ان حوضوں میں مختلف رنگ کی خوبصورت مچھلیاں چھوڑی گئیں۔ جن کے طلائی نتھنیاں پڑی ہوئی ہیں۔ اور ہر نتھنی میں ایک یاقوت اور دو موتی ڈالے گئے۔ یہ پانی تمام قلعہ میں سوائے دریا کی طرف کے دورہ کرتا رہتا ہے۔ قلعہ کے مقابل بجانب مشرق جامع مسجد ہے اور ہفتہ میں ایک مرتبہ بادشاہ وہاں نماز ادا کرنے تشریف لے جاتے ہیں۔

شاہجہاں نے یہ خیال کرکے کہ جس طرح اُس نے ہوگلی میں پرتگیزوں پر فتح پائی اسی طرح آسانی کے ساتھ وہ انکی مقبوضات پر تسلط حاصل کرلیگا. لہذا اُس نے اپنے فرزند اورنگ زیب کو جس کی عمر اس وقت پندرہ سال کی تھی متعین کیا کہ وہ دمان کو پرتگیزوں سے چھین لے لیکن پرتگیزوں نے بہادری سے مقابلہ کیا اور قلعہ ایسا مضبوط تھا کہ اورنگ زیب اُسے مفتوح نہ کرسکا تین ماہ بعد مجبوراً اورنگ زیب کو وہاں سے بہت آدمیوں کا نقصان اُٹھاکر واپس ہونا پڑا۔

اورنگ زیب یہ دیکھکر کہ پرتگیز شجاعت سے مدافعت کررہے ہیں اور وہ اُن کا کچھ نہیں کرسکتا اس نے لوئس ڈی میلوڈی سمپیو (Luis de Mello de Sampayo) حاکم قلعہ کے پاس پیام بھیجا کہ اس طرح تو قلعہ کی دیواروں میں پناہ لیکر ہر شخص لڑ سکتا ہے. لوئس ڈی میلو کو یہ الفاظ ناگوار ہوئے اور اُس نے جواباً کہلا بھیجا کہ کل وہ بذات خود میدان میں آئیگا اور علامت کے طور پر اپنی ٹوپی سر سے اُٹھائیگا تاکہ ہر شخص کو اُس کی موجودگی کا علم ہوجائے اور کسی کو شبہ باقی نہ رہے۔ چنانچہ دوسرے روز وہ حسب وعدہ میدان میں آیا اور اورنگ زیب کے سپاہیوں نے حملہ کرکے اُسے قتل کردیا۔ باقی پرتگیز قلعہ میں لوٹ گئے اور بدستور مدافعت میں مشغول رہے۔

شاہجہاں نے اورنگ زیب کو دمان فتح کرنیکے واسطے اس لئے روانہ کیا تھا کہ اُسے اپنے تمام بیٹوں میں شجاع اور بہادر خیال کرتا تھا۔ اسی لئے سلطان بلخ[۱] کے مقابلہ میں بھی اورنگ زیب کو روانہ کیا۔ اورنگ زیب نے حدود بلخ پر حملہ کیا۔ دشمن کی فوج چونکہ زیادہ تھی لہذا میدان اُسی کے ہاتھ رہا۔ اگر میر بابا اورنگ زیب کا برادر رضاعی فوراً کمک نہ کرتا تو قریب تھا کہ اورنگ زیب قید ہوجائے۔

اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب نہایت شجاع اور بہادر تھا مگر اُسکی حرکات مکرو فریب سے خالی نہ تھیں۔ یہ مصنوعی عابد وزاہد بن کر میدان جنگ میں زمین پر بوریا بچھاکر

۱؎ ۱۶۴۷ء میں یہ مہم روانہ کی گئی تھی (تاریخ الفنسٹن صاحب)

سو یا کرتا تھا جو خود اُس کے ہاتھ کا بنایا ہوا تھا۔ یہ اپنے ہاتھ سے ٹوپیاں بنا کر بازار میں فروخت کی غرض سے بھیجتا اور ظاہر کرتا کہ ہمیشہ وہ مزدوری کرکے اپنی گذر اوقات کرتا ہے۔ یہ ہمیشہ سادی اور ارزاں غذا کھاتا۔ اکثر مولیاں، سیم، جو اور اسی قسم کی ترکاری و اناج پر بسر کرتا۔ عام طور سے خیرات بہت تقسیم کرتا۔ روزے بہت رکھتا اور طرح طرح کی ریاضات و مجاہدات میں مصروف رہتا۔ ہر وقت نماز یا تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتا۔ جب باہر نکلتا تو تسبیح ہاتھ میں ہوتی۔ ہر موقع پر خدا کا نام زبان پر جاری رہتا گویا اسے دنیا میں کسی سے کچھ مطلب ہی نہیں۔ بظاہر یہ حالت تھی مگر درحقیقت اندرونی طور سے وہ نہایت عیش و آرام میں زندگی گذارتا تھا۔ چند فقرا نے جن سے اس کا بہت ربط و ضبط تھا اسے چند تسخیر کے اعمال تعلیم کئے تھے جن کو یہ ہمیشہ اس لئے پڑھا کرتا تھا کہ اپنے دوست اور طرف دار پیدا کرے۔

قلعہ قندہار پر قبضہ کرنیکے واسطے شاہجہاں نے کوچ کیا جو علی مردان خان ایرانی نے اپنے بادشاہ سے باغی ہوکر بخوشی حوالہ کر دیا تھا اور شاہ عباس نے اس طرح پھر قلعہ مذکور کو چھین لیا تھا۔

جنگل میں ایک بکرا اپنے گلہ سے بھاگا۔ چرواہا بھی پکڑنے کے واسطے اُس کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ بکرا بھاگتا ہوا ایک بلند پہاڑی پر چڑھ گیا۔ بعد ازاں وہ ایک چٹان کے راستہ سے قلعہ میں چلا گیا۔ چرواہا بھی اُس کے ساتھ اُسی راستہ سے قلعہ میں پہنچ گیا۔ اور بلا کسی کو خبر ہوئے یہ اُس خفیہ راستہ سے واپس آیا۔ باہر آکر چرواہے نے شاہ عباس سے تمام حال بیان کیا۔ اُس نے چرواہے کے ہمراہ کافی سپاہ قلعہ قندھار پر قبضہ کرنیکے لئے روانہ کی۔ یہ سپاہ چرواہے کی رہنمائی سے اُسی خفیہ راستہ سے قلعہ میں داخل ہوئی اور رات کو اور تمام پہرہ دار سپاہیوں کو قتل کرکے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ شاہ جہاں نے تین مرتبہ حملہ کرکے اس قلعہ کو لینا چاہا مگر ناکامیاب رہا۔ قندہار کے سفر میں ایک روز شاہجہاں کو ایک فقیر ملا جسے

اس نے کچھ دینا چاہا۔ مگر اورنگ زیب نے منع کیا اور عرض کیا کہ فقیر کے پاس کافی روپیہ موجود ہے جو اُس کی کمر سے بندھا ہوا ہے۔ اس سے اورنگ زیب کو اپنی کرامت کا اظہار منظور تھا بادشاہ نے فقیر کی جامہ تلاشی کا حکم دیا اور اُس کی کمر کے پٹکہ سے چالیس طلائی سکے برآمد ہوئے شاہجہاں نے اپنے فرزند سے کہا کہ جو کچھ تم نے بیان کیا اگر یہ مصنوعی اور سازشی کارروائی نہیں ہے تو بیشک تم ولی ہو۔ اورنگ زیب نے یہ دیکھ کر کہ اُس کا حیلہ کارگر ہوا اور بادشاہ اُس پر بھروسہ کرنے لگا اپنی مصنوعی اور ظاہری پرہیزگاری کو اور زیادہ کر دیا۔ اور یہ سب اس لئے تھا کہ شاہجہاں اُسکے دم میں آکر اس کے منصب وغیرہ میں ترقی کر دے۔ بعد کو معلوم ہوا کہ اس فقیر کو پہلے سے سکھا پڑھا کر شاہجہاں کے سامنے بھیجا گیا تھا۔ مگر بعض سادہ لوح اس کی ایسی باتوں سے اسے ولی اللہ اور صاحب کشف و کرامت سمجھنے لگے۔ مگر اس کا باپ شاہجہاں اپنے لڑکے کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھا اور اُسے فقیر کے وہ کلمات اچھی طرح یاد تھے جو بیعت کے وقت اُس ولی اللہ نے کہے تھے اس لئے یہ اس کے ظاہری زہد و اتقا پر کچھ توجہ نکرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ بادشاہ نے اس کے منصب کی ترقی نہ کی۔ حالانکہ اپنے دوسرے فرزندوں کے ساتھ یہ پدرانہ محبت کا اظہار کرتا تھا۔ اور سب سے زیادہ شاہجہاں شہزادہ دارا شکوہ سے مانوس تھا۔ اس ترجیح دینے سے اورنگ زیب کو حسد پیدا ہوا اور اس فکر میں ہوا کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ اپنے بھائی دارا کو نقصان پہنچائے جس سے اُسے دلی نفرت تھی۔

شاہجہاں نہیں چاہتا تھا کہ عین دربار میں کوئی جھگڑا ہو لہذا اُس نے حکم دیدیا تھا کہ دربار میں ہر روز ایک شہزادہ حاضر ہوا کرے۔ مگر اورنگ زیب کو از رُوئے حسد سے دارا کو نقصان پہنچائے بغیر کہاں چین تھا۔ یہ نیزہ دیکر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور منتظر رہا کہ دارا شکوہ قلعہ سے باہر نکلے۔ جب دارا قلعہ سے چلا تو اورنگ زیب نے برابر آکر گھوڑے کو اس طرح مہمیز لگائی کہ اُس کی لات سے دارا کی پالکی اُلٹی ہو گئی۔ اس توہین و تحقیر کی دارا نے شاہجہاں سے شکایت کی۔

شاہجہاں کو یہ دیکھ کر کہ اُس کے بیٹوں میں روز بروز کشیدگی زیادہ ہوتی جاتی ہے خوف ہوا کہ کوئی نیا جھگڑا پیدا نہ ہو۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ شاہ شجاع کے پسر سلطان محمود کی نسبت اورنگ زیب کی دختر سے ہو چکی ہے۔ اس لئے اُس نے شاہ شجاع کو حاکم بنگالہ اور اورنگزیب کو حاکم ملتان اور مراد بخش کو حاکم گجرات مقرر کر کے روانہ کر دیا۔ اپنے فرزند اکبر دارا کو اپنے پاس رکھا۔

اورنگ زیب کو معلوم ہو گیا کہ شاہجہاں کو نہ اس سے محبت ہے اور نہ اس پر بھروسہ ہے۔ اس نے نہایت عاجزانہ عرضداشتیں اپنے باپ کی خدمت میں روانہ کیں جن میں پیشبندی کے طور پر عمدہ الفاظ میں اپنے بھائی دارا کا بھی ذکر کیا۔ دارا کی خدمت میں بھی اس نے متعدد خطوط روانہ کئے اور اپنی حرکت پر اظہار افسوس کر کے جو بے عقلی سے سرزد ہوئی تھی معافی طلب کی۔ اُس نے دارا کو یہ بھی لکھا کہ وہ خود اور اُس کے بیٹے ہر خدمت کے لئے تیار ہیں۔ اور وہ دارا کو اپنا باپ سمجھتا ہے۔ دارا صاف دل آدمی تھا اُس نے بھی جواباً برادرانہ محبت کے اظہار میں خطوط روانہ کئے۔ اورنگ زیب نے یہ دیکھ کر کہ سب معاملہ درست ہو گیا اپنے بڑے بھائی داراشکوہ کو لکھا کہ ملتان کی آب و ہوا اُس کے مزاج کے موافق نہیں اور ہمیشہ علیل رہتا ہے اس لئے والد بزرگوار سے کہکر دارا اُسکی تبدیلی ملتان سے دکھن کو کرا دے۔

اورنگ زیب کی یہ درخواست چالاکی سے خالی نہ تھی۔ وہ خوب جانتا تھا کہ سرزمین دکھن اُس کے مطلب کے موافق ہے۔ وہاں وہ بیجاپور و گولکنڈہ کی سلطنتوں کی وجہ سے زیادہ فوج رکھ سکتا ہے۔ دکن سے زرخیز ملک ہونے کے سبب سے اور نیز اسلئے کہ وہاں مختلف قسم کی کانیں ہیں کافی دولت بہم ہو سکتی ہے جو کسی وقت اُس کے کام آئے گی۔

جب یہ عرضداشت شاہجہاں کی حضور میں پیش ہوئی تو شہزادہ دارا کے اصرار سے منظور کی گئی۔ اور اورنگ زیب کا تبادلہ ملتان سے دکن کو کر دیا گیا۔ شاہ جہاں کا ہرگز

منشا نہ تھا کہ یہ درخواست منظور کی جائے مگر دارا کے سخت اصرار سے وہ مجبور ہوگیا اور کہا کہ "دارا تم ایک زہریلے سانپ کی حمایت کرتے ہو اور کبھی نہ کبھی تم کو اس کے زہر سے شدید نقصان پہنچے گا"

اورنگ زیب نے دکن پہنچکر اپنی قوت و طاقت بڑھانی شروع کی۔ دولت آباد کے متصل اُس نے اپنے نام سے شہر اورنگ آباد آباد کیا اپنے باپ اور بھائیوں کے تباہ و برباد کرنیکے لئے اُس نے سامان بغاوت فراہم کرنا شروع کر دیا۔

قبل اس کے کہ شاہجہاں کی معزولی تک کی لڑائیوں کا حال لکھا جائے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اول اس کی عادات و خصائل بیان کروں۔

اگرچہ شاہجہاں نے باپ کا مقابلہ کرکے اپنی جنگجوئی کا پورا ثبوت دیا مگر تاہم وہ گانا سننے اور ناچ دیکھنے کا اُسی قدر شوقین تھا جس قدر اس کا باپ جہانگیر تھا۔ اُس کا زیادہ وقت مختلف اقسام کے باجے اور غزل و ٹھمریوں کے سننے میں صرف ہوتا تھا۔ وہ گویوں کا بہت شایق تھا خصوصاً ایک گوئیے کو نہایت عزیز رکھتا تھا جو علاوہ شاعر ہونیکے مسخرہ بھی تھا۔

اس گوئیے کو شاہی محل کے پہرہ دار سپاہی اکثر دق کیا کرتے تھے۔ یہ ایسے جاہل ہوتے ہیں کہ کسی کو بغیر کچھ لئے نہ داخل ہونے دیتے ہیں اور نہ باہر نکلنے دیتے ہیں سوائے افسروں یا امرائے دربار کے کہ جن سے یہ ڈرتے ہیں سب کے ساتھ ان کا یہی طرز عمل ہوتا ہے جب کبھی یہ گویا محل شاہی میں جاتا تو اس کو بہت دیر تک دروازہ پر قیام کرنا پڑتا۔ اور یہ سپاہی اُس وقت تک اُس کو نہ جانے دیتے جبتک کچھ وصول نہ کر لیتے یا وہ وعدہ نہ کرتا اس بلا سے نجات پانے کے لئے اُس نے یہ ترکیب کی کہ چند اشعار تصنیف کرکے اعلیٰ درجہ کی دھن رکھی۔ اور بادشاہ کے سنانے کے لئے جب محل میں جانا چاہا تو حسب معمول پہرہ داروں نے روکا۔ اس نے وعدہ کیا کہ دربار شاہی سے آج جو کچھ انعام ملیگا وہ

سب کا سب سپاہیوں کی نذر کیا جائیگا۔ اُس نے نہایت خوبی سے اُن اشعار کو گایا اور بادشاہ نے خوش ہوکر اُسے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کا حکم دیا۔ بجائے خوش ہونے کے گویا رونے لگا اور اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر اپنا سینہ پٹینا شروع کیا۔ بعد آداب اُس نے عرض کیا کہ بجائے ہزار روپیہ کے اُس کی پشت پر ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ یہ سنکر بادشاہ نے مُسکرا کر اس درخواست کی وجہ دریافت کی تو اُس نے جواب دیا کہ شاہی پہرہ دار بغیر کچھ لئے آنے نہیں دیتے لہذا آج اُن سے وعدہ کیا تھا کہ دن بھر میں جو حاصل ہوگا یا جو کچھ سرکار شاہی سے عطا ہوگا وہ سب اُنکی نذر ہوگا۔ اس لئے ہزار کوڑے اُن سپاہیوں کو دینا چاہتا ہوں اور بجائے اُس کے پہرہ داروں کی پشتوں پر کوڑے لگائے جائیں۔ بادشاہ یہ سُنکر بیساختہ ہنسا اور گویئے کی حسب خواہش حکم جاری کردیا کہ پہرہ داروں کو ہزار کوڑے لگائے جائیں۔ جب پہرہ داروں نے شکایت کی تو اُس نے یہی جواب دیا کہ جو وعدہ تھا وہ پورا کیا گیا اور جو کچھ ملا تھا وہ نذر کر دیا۔ الغرض پہرہ داروں کو تازیانے لگائے گئے اور گویئے کو ایک ہزار روپیہ اور گھوڑا مرحمت ہوا۔ گھوڑا جو اُسے عطا ہوا تھا اتفاقاً اُس کی کمر درست نہ تھی۔ اُس نے گھوڑے کی گردن میں گھانس کا گٹھا باندھ دیا۔ جب بادشاہ برآمد ہوئے تو اُس پر سوار ہوکر بادشاہ کو اُس کی رفتار دکھائی۔ بادشاہ نے گھوڑے کی گردن میں گھاس کی گٹھری باندھنے کا سبب دریافت کیا اور فرمایا کہ اس سے گھوڑے کو چلنے میں دقت ہوتی ہے۔ اُس نے دست بستہ عرض کیا کہ گھوڑے کی پشت خراب ہے اور ضرورت ہے کہ وزن برابر رہے اس لئے ایسا کیا گیا۔ شاہجہاں نے خوش ہوکر اُسے دوسرا گھوڑا عطا فرمایا۔

اس واقعہ کے بعد پہرہ داروں نے پھر کبھی اُس سے مزاحمت نہ کی کہ مبادا پھر انہیں کوڑے لگائے جائیں۔

انہیں پہرہ داروں کے متعلق ایک حکایت اور لکھنی چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ شاہجہاں

ایک ادنی عہدہ دار پر بہت مہربان تھا اور اُسے اعلیٰ منصب دیکر ایک مہم پر روانہ کرنا چاہا جب یہ دربار سے واپس ہوا تو تمام امرا و درباری اُس کے مکان پر مبارکباد دینے آئے لیکن شاہی طبیب نہ تو خود آیا اور نہ کسی کی معرفت مبارکباد بھیجی۔ افسر مذکور کو اگرچہ اس کا خیال ہوا مگر یہ خود طبیب کے مکان پر گیا مگر حکیم صاحب لکھتے رہے اور اس کی نہ تعظیم کی اور نہ خاص طور سے توجہ کی۔ سوائے اسکے کہ معمولی طور سے اُس کو بیٹھنے کو کہکر پھر لکھنے میں مشغول ہو گئے۔ اس افسر کو امید تھی کہ حکیم صاحب اب ضرور اُسے مبارکباد دیں گے۔ اور یہی اُس کے آنکی غرض تھی۔ مگر حکیم صاحب لکھتے ہی رہے اور زبان تک نہ ہلائی۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد افسر نے جانے کی اجازت چاہی اور حکیم صاحب نے نہایت ملایم آواز سے اُسے رخصت کیا۔ افسر نے رنجیدہ ہوکر بادشاہ کی حضور میں اُس توہین آمیز برتاؤ کا ذکر کیا جو حکیم صاحب سے ظاہر ہوا تھا چونکہ بادشاہ اس افسر پر بہت شفقت و عنایت کرتا تھا لہذا آزردہ ہوکر اُس نے حکیم کو بُلا کر جواب طلب کیا۔ حکیم نے عرض کیا کہ "جہاں پناہ! ایسے ایسے سردار تو حضور ایک دم میں سیکڑوں بنا سکتے ہیں مگر مثل میرے ایک بھی حضور سے نہیں بن سکتا۔ کیونکہ چالیس برس میں مینے علم طب حاصل کیا ہے اور اسی وجہ سے مجھ میں اور اس افسر میں زمین و آسمان کا فرق ہے" بعد کو اصل بات یہ معلوم ہوئی کہ یہ شخص جو اب سردار فوج بنایا گیا تھا کسی زمانہ میں پہرہ دار سپاہی تھا۔ اور ہمیشہ یہ حکیم کو دق کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے حکیم نے اس کے ساتھ کج خلقی کا برتاؤ کیا۔ چاہ کن را چاہ در پیش۔

شاہجہاں صرف موسیقی ہی کا شائق نہ تھا بلکہ اُس کے دربار میں پہلوان بھی موجود رہتے تھے۔ اور اکثر وہ اپنے سامنے اُن کو کشتی لڑاتا۔

معمولی طور سے اُسے شیر کے شکار کا بھی شوق تھا اور اس مقصد کے لئے بہت سے وحشی بھینسے پلے رہتے تھے جنکے لمبے لمبے سینگ ہوتے تھے۔ یہ آپس میں بھی اور شیر سے بھی لڑائے جاتے ہیں۔

جب بادشاہ شکار کا ارادہ کرتا ہے تو اول شکاری مطلع کئے جاتے ہیں اور یہ لوگ شیر کی تلاش میں جاتے ہیں جنگل میں گائے، گدھے، بکریاں مختلف مقامات پر روانہ کی جاتی ہیں تاکہ شیر یہ جنگل چھوڑ کر کسی دوسری جگہ نہ چلا جائے۔ بادشاہ ایک بلند ہاتھی پر اور شہزادے دوسرے ہاتھیوں پر سوار ہو کر روانہ ہوتے ہیں۔ یہ سب کھلے ہوئے حوضوں (ہودوں) میں بندوقیں لئے ہوئے چلتے ہیں۔ جنگل کا چاروں طرف سے بذریعہ جال محاصرہ کر کے صرف ایک جانب راستہ چھوڑ دیا جاتا ہے اور اسی راستہ سے بادشاہ اور شکاری داخل ہوتے ہیں۔ جال کے باہر سپاہی کھڑے رہتے ہیں جنہیں شیر کے زخمی کرنیکا اختیار نہیں ہے۔ اگرچہ شیر بالکل جال کے قریب آجائے۔ یہ سپاہی ہر طرح محفوظ رہتے ہیں کیونکہ جال ایسا مضبوط ہوتا ہے کہ شیر اس کو توڑ کر باہر نہیں نکل سکتا۔

بادشاہ جس وقت جنگل میں داخل ہوتے ہیں اس وقت یہ ترتیب ہوتی ہے کہ سامنے ایک سو سے زیادہ بھینسوں کی قطار ہوتی ہے۔ ہر بھینسے پر ایک آدمی سوار ہوتا ہے جسکی ٹانگیں بغرض حفاظت چمڑے سے پوشیدہ ہوتی ہیں۔ ایک ہاتھ میں چوڑی تلوار اور دوسرے ہاتھ میں باگ ہوتی ہے جو بھینسے کی ناک میں چھدی ہوئی ہوتی ہے۔ ان کے عقب میں بادشاہ کا ہاتی ہوتا ہے اور اسکے بعد شہزادے اور اعلیٰ مرتبے اور منصب کے درباری و امرا ہوتے ہیں۔

جنگل میں جب اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں شیر ہیں تو بھینسوں کو نصف دائرہ کی شکل میں آہستہ آہستہ آگے بڑھایا جاتا ہے۔ جب شیر نظر آجاتے ہیں تو ان کو بیچ میں لیکر بھینسوں کا حلقہ بنالیا جاتا ہے۔ اپنے آپ کو محصور دیکھ کر ہر شیر باہر نکلنے کی کوشش کرتا ہے اور جس طرف چاہتا ہے جست کرتا ہے۔ جب موقع ہوتا ہے تو بھینسوں کی پشت پر جو سوار ہوتے ہیں وہ پھرتی سے کود جاتے ہیں اور بھینسے حملہ کر کے شیروں کو اپنے سینگوں سے چھید کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ اگر کوئی شیر نکل کر بھاگتا ہے تو بادشاہ یا تو خود گولی

لگاتا ہے اور یا اُس کے حکم سے کوئی دوسرا شخص اُس کو مار ڈالتا ہے۔

کبھی بغیر بھنبوں کے صرف ہاتھیوں پر شیر کا شکار کھیلا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اندیشناک ہے۔ ایک مرتبہ زخمی شیر شاہجہاں کے ہاتھی کو لپٹ گیا اور ہاتھی کے سر پر اپنے پنجے جاکر لٹک گیا۔ فیلبان زمین پر گر پڑا۔ بادشاہ نے فوراً بندوق اُٹھا کر شیر کے سر پر گولی لگائی لیکن اس پر بھی شیر نے ہاتھی کو نہ چھوڑا۔ ہاتھی یہ دیکھ کر کہ وہ اپنی خرطوم کو کام میں نہیں لاسکتا وہاں سے بھاگا اور ایک بڑے درخت سے شیر کو دبا کر چورا چورا کر دیا۔ اس وجہ سے شاہجہاں نے حکم دیا کہ آیندہ ہاتھیوں کے سر سے آخر خرطوم تک چمڑے سے حفاظت کی جایا کرے جس میں لوہے کی کیلیں لگی ہوئی ہوں۔ علاوہ شکاریوں کے ایک اور عہدہ دار موجود رہتا ہے جس کا فرض ہے کہ شکار ہوتے ہی شیر کی موچھوں کے بال اپنی سپردگی میں لیلے۔ چنانچہ جب شیر مرجاتا ہے تو یہ عہدہ دار اُس کے مُنہ پر گردن تک ایک چمڑے کا تھیلا چڑھا کر مُہر کر دیتا ہے۔ جب شیر بادشاہ کے سامنے لایا جاتا ہے تو وہ عہدہ دار حاضر ہوتا ہے جس کی تحویل میں زہر رہتا ہے اور شیر کی موچھیں اُکھاڑ کر بطور زہر کے محفوظ رکھتا ہے۔

تمام دنیا جانتی ہے کہ مسلمان عورتوں کے شائق ہوتے ہیں۔ اُن میں کم وبیش ایسے اشخاص ملیں گے خصوصاً امرا و بادشاہ جن کو چند عورتیں کفایت نہیں کرتیں۔ اپنی ہوس پوری کرنیکے لئے وہ ہمیشہ عورتوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ شاہجہان بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھا علاوہ اُن عورتوں کے جو شاہی حرم سرا میں تھیں یہ امراد شرفا کی عورتوں سے آشنائی کرکے اُن کی عفت و عزت خراب کرتا۔ اور یہی امر اُس کی خرابی اور موت کا باعث ہوا۔

ان عورتوں میں قابل ذکر زوجہ جعفر خان[۱] ہے۔ شاہجہان کو اس عورت کی محبت پیدا ہوگئی

---

[۱] جعفر خان ہمشیرہ آصف خان کا بیٹا تھا۔ اور آصف خان کی دختر فرزانہ بیگم سے اسکی شادی ہوئی تھی۔ اور اس طرح زوجہ جعفر خان شاہجہاں کی سالی ہوئی۔ یہ روایت غلط اور غیر معتبر معلوم ہوتی ہے۔ جعفر خان منصب وزارت پر فائز ہوا اور ۱۰۸۲ھ (۱۶۷۱ء) میں وفات پائی۔ (ماثر الامرا)

اور اُس کے شوہر کی جان لینی چاہی مگر اس نے منت وسماجت کر کے بادشاہ کو آمادہ کر دیا کہ اُس کا شوہر حاکم پٹنہ کر کے روانہ کر دیا جائے اور ایسا ہی کیا گیا۔

اس موقع پر یہ بیان کرنا بیجا نہ ہوگا کہ شاہجہاں کو اطلاع ملی کہ زوجہ خلیل اللہ خان[۵] تیس لاکھ روپیہ کی قیمتی پاپوش پہنتی ہے اور اس پر بیش قیمت جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ جب خلیل اللہ خان حاضر دربار ہوا تو بادشاہ نے غضبناک ہو کر کہا کہ "تمہاری زوجہ کے ایسی بیش قیمت پاپوش پہننے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے قبضہ میں بیحد دولت ہے۔ اور بغیر غبن کئے اس قدر دولت کا بہم ہونا ناممکن ہے۔ لہذا جلد سے جلد تم حساب داخل کرو"۔ یہ سن کر خلیل اللہ خان تو ساکت رہا اور کچھ جواب نہ دے سکا لیکن اُسکے ایک دوست نے جو حاضر دربار تھا خلیل اللہ خان کی طرف سے جواب دینے کی اجازت چاہی۔ اور عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت مشکوک نہوں خلیل اللہ خان کی تمام دولت یہی جوتے ہیں۔ کیونکہ اُس کی زوجہ ہر روز اُس کے مُنہ پر جوتیاں لگانے کی عادی ہے اس لئے اُس کی زوجہ نے اپنی دولت بھی اُسے دیدی ہے۔ یہ سُن کر بادشاہ نے ہنس کر گردن جھکا لی اور کہا کہ اس کیلئے یہی سزا کافی ہے کہ اس کی زوجہ بدمزاج ہے۔ تمام درباری بھی مُسکرائے۔ خلیل اللہ خان نے دربار سے نکل کر اپنے دوست سے اظہار ناراضی کیا کہ کیوں اُس نے بادشاہ کے سامنے ایسا نامہذب جواب دیکر اُس کی توہین کی۔ اُس کے دوست نے جواب دیا کہ آپ کو میرا احسان ماننا چاہئے اگر ایسا جواب نہ دیا جاتا تو ممکن نہ تھا کہ آپ بغیر سزا بچ جاتے۔ یہ معاملہ تو گذر گیا مگر خلیل اللہ خان نے اپنی بقیہ عمر بے قدری کے عالم میں گذاری۔

---

[۵] خلیل اللہ خان خلف اصغر میر میراں یزدی کی زوجہ آصف خاں کی پوتی تھی۔ اور ممتاز محل کے رشتے کی طرف سے شاہجہاں کی بھتیجی ہوئی۔ خلیل اللہ خان نے ۲ر رجب ۱۰۷۲ھ ہجری (۲۱ر فروری ۱۶۶۲ء) کو وفات پائی۔ اس کا بڑا بھائی اصالت خاں میر بخشی تھا جس نے ۱۰۵۷ھ ہجری میں وفات پائی۔

(مآثر الامرا)

بعض مصنفین[1] لکھتے ہیں کہ خلیل اللہ خاں کو داراشکوہ کے دربار میں جوتے لگائی گئے مجھے خوب معلوم ہے کبھی ایسا نہیں ہوا۔ کیونکہ مذکورہ بالا واقعہ کے بعد خلیل اللہ خان نہ کبھی گھر سے باہر نکلا نہ کوئی اُس کی عزت کرتا تھا نہ شاہی رسالہ میں وہ نائب سپہ سالار رہا۔ اُن مصنفین نے بازاری عام آدمیوں سے سُنکر ایسے بے سر و پا قصے لکھدیئے ہیں۔

شاہجہاں اپنے برادر نسبتی شائستہ خان کی زوجہ پر بھی ڈورے ڈالے بغیر نہ رہا۔ اس کی بانی مبانی بیگم صاحبہ دختر شاہجہاں تھی جس نے اپنے باپ کے منشا کی مطابق زوجہ شائستہ خان کو اپنے یہاں دعوت میں مدعو کیا۔ جب کھانا ختم ہو چکا تو شاہجہاں نے اس پارسا عورت کو خراب کیا۔ شاہجہاں کی حرکت کا اس عورت پر یہ اثر ہوا کہ گھر جا کر نہ اس نے کچھ کھایا اور نہ لباس تبدیل کیا۔ اسی حالت رنج و غم میں اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ شائستہ خان بھی وقت مناسب پر بدلہ لینے کی امید پر خاموش رہا۔ جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔

جعفر خاں اور خلیل اللہ خاں کی بیبیوں کی آشنائی کا حال ایسا مشہور تھا کہ جب زوجہ جعفر خاں دربار میں جاتی تو فقیر چلا کر کہتے تھے کہ "او شاہجہاں کے ناشتے ہمیں بھی یاد رکھنا" اسی طرح خلیل خاں کی زوجہ سے کہتے کہ "او شاہجہاں کی غذا ہمیں نہ بھولنا" یہ عورتیں ان باتوں سے بُرا نہ مانتی تھیں اور فقیروں کو خیرات تقسیم کرتی تھیں۔ شہوانی خیالات کی تکمیل کے لئے شاہجہاں نے دس گز لمبا اور چار گز چوڑا کمرہ بنایا تھا جس میں بڑے بڑے آئینے لگے ہوئے تھے۔ علاوہ جواہرات کے ایک کروڑ پچاس لاکھ روپیہ کا صرف سونا اس کمرہ میں صرف ہوا تھا۔ چھت میں ہر آئینہ کے گرد سُنہری حاشیہ بنا ہوا تھا جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے اور آئینوں کے کونوں پر موتیوں کی لڑیاں لٹکتی تھیں۔ دیواریں سنگ یشب کی تھیں۔ اس قدر دولت صرف اس لئے صرف کی گئی تھی کہ اس مکان میں اپنی معشوقہ کے ساتھ بیٹھ کر وہ حیا سوز حرکات اور اداؤں کا معائنہ کر سکے۔

---

[1] یہاں مصنف کی مراد برنیر سے معلوم ہوتی ہے جس نے اپنے سفر نامہ میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہجہاں کو سوائے عورتوں کی تلاش کے اور کوئی کام ہی نہ تھا اُس نے محل میں ایک سالانہ ہجوم مقرر کیا تھا جس میں سوائے عورتوں کے کوئی مرد نہ جا سکتا تھا۔ یہ ہجوم آٹھ روز تک رہتا تھا اور ہر درجہ اور عمر کی خوبصورت عورتیں اس میں مختلف دکانیں لگاتیں تھیں چونکہ ان عورتوں کا منشا بادشاہ کو اپنی طرف مائل کرنے کا ہوتا تھا لہذا ذی رتبہ اور ذی عزت عورتیں اس ہجوم میں نہ جاتی تھیں۔ ان آٹھ دن میں بادشاہ ہر روز دو مرتبہ سیر کے واسطے تخت رواں پر بیٹھ کر جاتا تھا۔ جس کو چند تاتاری عورتیں اُٹھائے ہوئے ہوتی تھیں چند عورتیں طلائی عصا لئے ہوئے تخت کا حلقہ کئے رہتی تھیں۔ بہت سے خواجہ سرا اور خزانچی عورت روپیہ لئے ہمراہ ہوتے تھے۔ اور گانے والی عورتوں کا ایک طائفہ بھی ہوتا تھا۔

شاہجہاں کو جو عورت پسند آجاتی اُس کی دوکان پر جاکر خندہ پیشانی اور نرمی سے گفتگو کرتا اور کچھ چیزیں پسند کرکے ادائگی قیمت کا حکم دیتا۔ اسکے بعد اپنی پسندیدگی کا اشارہ کرکے بادشاہ آگے بڑھ جاتا۔ جو عورتیں اردلی میں ہوتی تھیں وہ ان معاملات اور اشاروں کو خوب سمجھتی تھیں بادشاہ کے جاتے ہی اُن کو اُس عورت کو قابو میں لانے کی فکر ہوتی تھی اور کوشش کرکے عین وقت پر اُس عورت کو شاہی خلوت گاہ پر پہنچا دیتیں۔ ایسی بہت سی عورتیں تو دولت سے مالا مال ہوکر محل سے باہر چلی آئیں۔ اور بہت سی عورتوں نے خواصوں میں نوکری کرلی تھی یہ آٹھ روز بڑی چہل پہل سے گذرتے۔ رقص و سرود کے علاوہ طرح طرح کے کھیل تماشے ہوتے تھے۔ قلعہ کا دروازہ ہر وقت بند رہتا تھا۔ اور اُس میں سوائے بادشاہ کے کوئی دوسرا مرد نہ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اس ہجوم کے موقع پر عورتوں کا شمار کیا گیا تو تیس ہزار عورتوں سے زیادہ تھیں۔

شاہجہاں کو جس قدر عورتوں کی طرف توجہ تھی اُس کا بیان کرنا ناممکن ہے۔ مگر اس پر بھی اُس کی ہوس کم نہ ہوتی تھی۔ علاوہ اس کے اُس نے عام عورتوں کو جن میں اکثر رقاصہ تھیں بہت زیادہ آزادی دیدی تھی۔ جو سلطنت کو کچھ رقم بطور محصول ادا کرتی تھیں۔

ان میں ایک قوم کنچنی کہلاتی ہے اور ہفتہ میں دو مرتبہ انہیں حاضر دربار ہونا پڑتا ہے اور ایک خاص مقررہ جگہ پر یہ ناچتی گاتی ہیں۔ اس خدمت کے صلہ میں اُنہیں معقول تنخواہ ملتی ہے۔ بوجہ خوبصورتی بہ نسبت دیگر عورتوں کے انکی زیادہ قدر کی جاتی ہے۔ تقریباً پانسو کنچنیاں جب دربار کو جاتی ہیں تو نہایت زرق برق کی پوشاک پہنے آراستہ رتھوں میں سوار ہوتی ہیں یہ سب کی سب بادشاہ کے سامنے ناچتی ہیں۔

بادشاہ نے ایک کنچنی کو پسند کر کے داخل حرم سرا کیا اور خواصوں میں شامل کر لیا۔ چند امرا نے عرض کیا کہ اس درجہ کی عورت کا محل سرا میں داخل ہونا کسی طرح مناسب نہیں شاہجہاں نے جواب دیا کہ ”متاع نیک ہر دوکان کہ باشد“

ایک مرتبہ جبکہ یہ کنچنیاں حاضر دربار تھیں تو خلیل اللہ خان نے کسی کنچنی سے اشارہ بازی کی جسے بادشاہ نے دیکھ لیا۔ اور ناراض ہو کر خلیل اللہ خاں کو سزا دینی چاہی کہ اُس نے آداب شاہی کو ملحوظ نہیں رکھا۔ مگر زوجہ جعفر خان کی سفارش سے بادشاہ نے اسکا قصور معاف کر دیا۔

معمولی طور سے یہ کنچنیاں شہر میں اکثر جگہ کھلے میدان میں چھ بجے شام سے نو بجے رات تک گایا کرتی تھیں اور ایسے موقعوں پر متعدد مشعلیں روشن ہوتی ہیں۔ اس گانے اور ناچنے سے اُنہیں ہر روز کافی رقم حاصل ہو جاتی ہے۔ شاہجہاں ظاہری صورت کے علاوہ حُسن سیرت کا بھی متلاشی تھا۔ اس لئے وہ اکثر عورتوں سے مختلف سوالات کر کے اُنکی عقل و ذکاوت کا امتحان لیتا۔ چنانچہ اسی طرح اس نے اپنی چار خواصوں کا امتحان لیا اور ایک سے دریافت کیا کہ صبح ہو گئی یا نہیں۔ خواص نے عرض کیا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی کیونکہ ابھی مُنہ میں پان کا ذائقہ باقی ہے۔ دوسری نے بھی صبح ہونے سے اس لئے انکار کیا کہ ابھی شمع کی روشنی پر اُداسی نہیں چھائی اور بدستور آب و تاب کے ساتھ روشن ہے۔ تیسری نے کہا کہ ابھی صبح ہونے میں عرصہ ہے کیونکہ جو موتی اُس کے گلے میں ہیں وہ ابھی سرد معلوم نہیں ہوتے۔ چوتھی خواص نے جو کشمیرن تھی (جو صاف گوئی اور سادہ لوحی کے لئے مشہور ہیں) عرض کیا

کہ ابھی صبح دور ہے کیونکہ ابھی تک نہ اُس کے پیٹ میں گڑگڑاہٹ ہے اور نہ رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ یہ جوابات سُنکر دوسرے روز شاہجہاں نے پہلی عورت کو پاندان سپرد کیا۔ دوسری کو روشنی کی نگرانی پر مقرر کیا۔ تیسری کو جواہر خانہ کا تحویل دار کیا۔ چوتھی عورت یعنی کشمیرن کو صفائی پاخانہ کی خدمت پر مامور کیا۔

شاہجہاں باوجود اس شہوت پرستی کے کاروبار سلطنت سے غافل نہ تھا۔ اپنے باپ کی طرح اُس کی بھی یہ خواہش تھی کہ حتی الامکان انصاف کیا جائے۔ ہمیشہ وہ لائق افسروں کو انعام اور رشوت خوار عہدہ داروں کو سزا دیتا تھا۔ اگر کوئی عہدہ دار اپنے فرائض سے ذرا بھی غفلت کرتا تو یہ اُسے بغیر سزا دیئے باز نہ رہتا تھا۔ اسی لئے دربار میں ایک عہدہ دار پٹاریوں میں بہت سے زہریلے سانپ لئے رہتا تھا اور جس عہدہ دار کی نسبت ثابت ہوتا کہ اس نے انصاف نہیں کیا یا فرائض کو بخوبی انجام نہیں دیا تو اُس کو سانپ سے کٹوایا جاتا اور جان نکلنے تک اُس کو اپنے سامنے سے جدا نہ کرتا۔

میں نے بچشم خود دیکھا ہے کہ محمد سعید کوتوال کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا۔ یہ شخص رشوت لیتا تھا اور مقدمات کا ٹھیک فیصلہ نہ کرتا تھا۔ اس لئے حسب الحکم بادشاہ کے سامنے سیاہ زہر دار سانپ سے اُس کے ہاتھ میں کٹوایا گیا۔ شاہجہاں نے سانپوں کے محکمہ کے عملدار سے دریافت کیا کہ کوتوال کتنی دیر تک زندہ رہے گا۔ افسر مذکور نے جواب دیا کہ اس کی جان نکلنے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف نہ ہوگا۔ جبتک کوتوال کی جان نہ نکل لی بادشاہ دربار میں بیٹھا رہا۔ بعد ازاں حکم دیا کہ اس کی لاش دو روز تک شارع عام پر رکھی جائے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جنکو سزائے موت دی جاتی تھی اُن کی لاشیں مست ہاتھیوں کے سامنے ڈالدی جاتی تھیں اور وہ اُن کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے تھے۔

قاضی شہر نے جو عمل اختیار کیا وہ اس سزا کے خوف سے تھا۔ یعنی ایک نوجوان نے اپنے رشتہ دار کے مقابلہ میں دعویٰ کیا جس نے قاضی کو بیس ہزار روپیہ اپنے موافق فیصلہ

کرانے کی غرض سے دیئے تھے۔ مدعی کے باپ نے اپنی تمام دولت اس رشتہ دار کے پاس امانت رکھی تھی جبکہ مدعی نابالغ تھا۔ مدعا علیہ نے تیس ہزار روپیہ اس لئے قاضی کو دیئے کہ نوجوان کا دعویٰ خارج کردے۔ قاضی نے بادشاہ سے تمام حال بیان کردیا کہ اُسے ناانصافی کے لئے تیس ہزار روپیہ دیئے گئے ہیں۔ بادشاہ نے اصل حال سے مطلع ہوکر حکم دیا کہ مدعا علیہ مدعی کو اُسی قدر رقم ادا کرے جس کا اُس نے دعویٰ کیا ہے اور تیس ہزار روپیہ خزانہ عامرہ میں داخل کئے جائیں۔

بیس ہزار روپیہ قاضی کے پاس رہے اور اُس کے انصاف اور راستگوئی کی الگ شہرت ہوئی۔

اگر کوئی افسر لڑائی سے بھاگتا تو اُس کو اور اُس کے گھر کی عورتوں کو سخت سزا دیجاتی تھی بادشاہ ایسے افسر کی زوجہ اور دختروں کی توہین اور ڈرانے کی غرض سے اُنکے پاجاموں میں چوہے چھوڑواتا تاکہ دوسرے افسروں کو بھی عبرت ہو۔

شاہجہاں کے مرادبخش کو گورنر گجرات مقرر کرنے سے پہلے ایک شخص ناصرخاں[۵۱] وہاں کا حاکم تھا۔ یہ رعایا پر بہت ظلم و ستم کرتا تھا اور سختی سے رشوت لیتا وہاں کے سوداگر دربار شاہی میں پہنچکر دعویٰ پیش نہ کرسکتے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے خفیہ طور سے نقالوں کو اس لئے رشوت دی کہ وہ کسی طرح بادشاہ پر اس ظلم و ستم کا اظہار کردیں۔ نقالوں کے مجمع میں کچھ وہاں کے سوداگر بھی شامل ہوکر آئے اور بادشاہ کے حضور میں عرضی دی کہ ہم لوگ ایک نئی قسم کی نقل دکھانا چاہتے ہیں۔ بادشاہ کو چونکہ اس قسم کی باتوں سے دلچسپی تھی اُس نے اجازت دی۔ اُنہوں نے اُن سب بےاعتدالیوں کی نقل کی جو ملک گجرات میں ہورہی تھیں۔ یہ دیکھ کر بادشاہ نے متعجبانہ لہجہ میں دریافت کیا کہ "کیا دنیا میں ایسے آدمی بھی ہوتے ہیں جو ایسے بیجا کام کرتے ہیں"

[۵۱] غالباً ناصرخاں سے مصنف کی مراد حافظ محمد ناصر سے ہے جو ۱۶۴۰-۵۲ء میں داراشکوہ کا دیوان تھا۔ یہ ۱۶۵۳ء میں سورت کا گورنر ہوا (بمبئی گزیٹیر جلد ا بحوالہ تاریخ محمدی)

تمام سوداگر جوان نقالوں میں ملے ہوئے تھے بادشاہ کے قدموں پر گر پڑے اور عرض کیا کہ "جہاں پناہ! جن واقعات کی ہم نے نقل کی ہے یہ تمام امور حاکم گجرات سے سرزد ہوتے ہیں۔ حضور عالی۔ ہم نے بے فائدہ روپیہ بھی صرف کیا کہ کسی طرح بندگان عالی کو ان ظالموں کی اطلاع دیں اور جب کسی طریقہ سے رسائی نہ ہوئی تو ہم نے یہ طریقہ اختیار کیا۔" یہ سنکر بادشاہ نے تحقیق کیا تو تمام باتیں صحیح ثابت ہوئیں۔ لہذا اُس نے حکم دیا کہ حاکم مذکور قلعہ رہتاس میں تمام عمر کے لئے قید کیا جائے اور تمام مال و اسباب بھی ضبط ہو کر داخل خزانہ ہو۔ یہ قلعہ پٹنہ کے نزدیک ملک بنگالہ میں واقع ہے اور اس میں جنہم قیدی ہی رکھے جاتے ہیں جن کو غیر کافی خوراک دی جاتی ہے۔

اس سے بھی زیادہ سخت سزا دو دھوکے بازوں کو ۱۶۵۴ء (صحیح ۱۶۵۶ء) میں دی گئی جبکہ میں دارا شکوہ کا ملازم تھا۔ ایک نوجوان ایک عورت سے شادی کرنا چاہتا تھا اور عورت منظور نہ کرتی تھی۔ نوجوان نے اُس پر مقدمہ دائر کر دیا اور بیان کیا کہ جب عورت نے شادی کا اقرار کر لیا اور جو کچھ اُس کے پاس تھا وہ عورت مذکور کو دیدیا تو یہ اپنے اقرار پر قائم نہ رہی اور اب شادی سے انکار کرتی ہے۔ بروقت تحقیقات عورت نے اس قصہ کو غلط بنا کر بیان کیا کہ اُس نے نہ کبھی شادی کا اقرار کیا اور نہ وہ اس نوجوان سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ حاکم مجوزنے نوجوان سے ثبوت طلب کیا تو اُس نے کہا کہ وہ تمام نشانات و علامات بتا سکتا ہے جو عورت کے بدن پر ہیں۔ یہ تمام نشانات نوجوان کو ایک بوڑھیا سے معلوم ہو گئے تھے جو اس عورت کو نہلایا کرتی تھی۔ خواجہ سرا اور چند عورتیں متعین کی گئیں کہ وہ ان نشانات کو دیکھیں۔ چنانچہ بروقت معائنہ ثابت ہوا کہ جو نشانات وغیرہ نوجوان نے بتائے تھے وہ صحیح ہیں۔ اس حاکم نے حکم دیا کہ وہ اس نوجوان سے شادی کر لے۔

عورت نے چند ماہ کی مہلت طلب کی اور وعدہ کیا کہ اس مدت کے بعد وہ نوجوان سے عقد کر لے گی۔ حاکم نے اُس کی یہ درخواست منظور کر لی۔ اس عورت کو یقین تھا کہ بدن کے

نشانات سوائے اُس بوڑھیا کے اور کسی نے نہیں بتائے اور اُسے علم تھا کہ اُس کی تمام زندگی عفت وعصمت کے ساتھ گزری ہے۔ کم وبیش ایک ماہ گذرنے کے بعد وہ دو کنیزوں کو ہمراہ لیکر نوجوان کے مکان پر پہنچی جو کہ اُس وقت بیمار تھا۔ اُس نے نوجوان کا گریبان تھام کر کہا کہ میں نے چور کو پکڑ لیا جس نے مجھے لوٹ لیا۔ اور جبراً اُس کو حاکم کے سامنے لائی اور اس بیان کے ساتھ چوری کا دعویٰ کیا کہ کل شب کو جب یہ میرے ساتھ سو رہا تھا تو اُس نے میری قیمتی چوڑی چرالی جیسی دوسری چوڑی میرے ہاتھ میں ہے۔ نوجوان نے قطعی انکار کیا اور کہا کہ وہ اس عورت کی صورت سے بھی واقف نہیں اور یہ اُس پر الزام لگایا جاتا ہے۔

اب عورت نے حاکم کی توجہ اُس مقدمہ پر دلائی جو ایک ماہ پیشتر اسکے خلاف فیصل ہوا تھا۔ اور اُس وقت اس نوجوان نے حلفیہ بیان کیا تھا کہ میں نے اس سے شادی کا وعدہ کیا تھا اور مدت تک یہ میرے گھر رہا اور اپنے بیان کی تائید میں میرے بدن کے خفیہ نشانات وغیرہ بتا کر مجھے بے عزت کیا۔ جن خواجہ سراؤں اور عورتوں نے اس کے نشانات معائنہ کئے تھے اُن کو حاکم نے طلب کر کے دریافت کیا تو اُن سب نے بالاتفاق اُسے شناخت کیا کہ یہی عورت ہے جس کے نشانات کی اُنھوں نے جانچ کی تھی۔

اس عورت نے دربار شاہی میں پہنچکر فریاد کی۔ بادشاہ نے اُس نوجوان سے دریافت کیا کہ تمہیں کس طرح یہ نشانات معلوم ہوئے تھے۔ اُس نے بوڑھیا کا نام بتایا جس کے ذریعہ سے اُسے یہ اطلاع ہوئی تھی اور اُسی نے حصول مقصد کی ترکیب بتائی تھی۔

شاہجہاں نے عورت کے عقل وتدبیر کی تعریف کی اور حکم دیا کہ نوجوان اور بوڑھیا دونوں کو تاسینہ زمین میں دفن کر کے تیروں کا نشانہ بنایا جائے۔ اور چوبیس گھنٹے تک اُن کی لاشیں وہیں پڑی رہیں۔

کابل میں بھی ایک مقدمہ مہابت خاں کی حکومت کے زمانہ میں پیش آیا کہ ایک عورت مسمی بہوریا خاتون شہر کابل میں رہتی تھی اور کنیزوں کی معرفت ازبک سوداگروں سے پیام و

سلام کیا کرتی تھی۔ مسلمان چونکہ اکثر شادی کرنے کے حریص ہوتے ہیں اور یہ دیکھ کر کہ یہ ایک دولتمند عورت ہے اور بہت کچھ اسباب وغیرہ اس کے پاس ہے۔ شادی کرنے پر آمادہ ہوجاتے اس طرح اُنیس آدمی اُسکے شوہر بنے۔ چند عرصہ بعد یہ اپنے نئے شوہر کو دیہات میں لگان وصول کرنے کے بہانہ سے لیجاتی۔ اور یہ شوہر بھی مال حاصل کرنیکے لالچ سے بخوشی اس کے ہمراہ چلا جاتا اسی طرح ان تمام شوہروں کو لیجا کر اس نے پٹھانوں کے ملک میں اپنے کسی واقفکار کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ایڑی کی رگیں قطع کر دی گئیں تاکہ یہ بھاگ نہ سکیں۔

حاکم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو عورت مذکور گرفتار کی گئی۔ چونکہ یہ عجیب وغریب مقدمہ تھا لہذا حاکم نے بادشاہ کو مطلع کیا جس نے حکم دیا کہ عورت کو کتوں کے سامنے ڈال کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے۔ ایسے کتے کابل میں بکثرت ہیں جو نہایت وحشی ہوتے ہیں۔ اور افغان ان کو اس لئے رکھتے ہیں کہ وہ بھیڑیوں سے اُن کے گلوں کو محفوظ رکھ سکیں۔

شاہجہاں صرف اُنہیں لوگوں کو سزا نہ دیتا تھا جو کسی بڑے جرم کے مرتکب ہوتے تھے بلکہ بعض مرتبہ وہ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر بڑی سزائیں دیتا تاکہ دوسروں کے لئے باعثِ عبرت ہو۔ اور اس سے یہ منشا تھا کہ ملک میں ہر طرح امن رہے اور یہ اطمینان کیا تھا عوام تو نہایت عیش وعشرت سے گذارے۔ چنانچہ ایک دفعہ بادشاہ شکار کو جا رہا تھا کہ ایک شخص نے شکایت کی کہ اُسکے آقا نے کئی ماہ سے تنخواہ نہیں دی جس کی وجہ سے نہایت تکلیف سے بسر ہوتی ہے بادشاہ فوراً وہیں رک گیا اور اُس کے آقا کو طلب کر کے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ملازم کا بیان سچ ہے۔ بس اُس نے مالک کو گھوڑے سے اُتر نیکا اور ملازم کو بجائے اُس کے گھوڑے پر سوار ہونیکا حکم دیا۔ اور کہا کہ آقا مثل نوکر کے گھوڑے کے ساتھ ساتھ بھاگے۔ بادشاہ دیکھتا رہا اور حکم کی تعمیل کی گئی یہانتک کہ آقا تھک کر گر پڑا اور چلنے کی طاقت نہ رہی۔ یہ دیکھ کر شاہجہاں نے آقا کو مخاطب کر کے کہا کہ "میں کبھی تمہاری تنخواہ دینے میں دریغ نہیں کرتا کیونکہ تم میری خدمت کرتے ہو پس انصاف یہی ہے کہ جو لوگ تمہاری خدمت کرتے ہیں اُنکی تنخواہ دینے میں

تم دریغ نہ کرو۔"

شاہجہاں جس طرح انعام دینے میں سخاوت کو کام میں لاتا تھا اسی طرح اپنے حکم کی تعمیل سختی سے کراتا تھا۔ شاہی غلاموں میں ایک غلام سعادت خاں تھا جس پر بادشاہ بہت شفیق تھا۔ اس کو پچاس ہزار روپیہ کی آمدنی تھی اور دو ہزار سواروں کا افسر تھا۔ بادشاہ نے اسے ایک پرتگالی عورت بھی عطا کی تھی۔ جو ہوگلی کے معرکہ میں گرفتار ہوئی تھی۔ اس کے سپرد بادشاہ کو پان کھلانے کی خدمت تھی۔ شاہجہاں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ سعادت خاں اور درباری امرا کو بھی پان دیدیتا ہے۔ بادشاہ نے کسی امیر یا درباری کو پان دینے کی ممانعت کی مگر سعادت خاں نے کچھ توجہ نہ کی۔ ایک دن پھر بادشاہ نے اُسے کسی امیر کو پان دیتے ہوئے دیکھ لیا۔ دربار کے بعد بادشاہ نے باغ میں جا کر حکم دیا کہ اس کے سامنے سعادت خاں کو اس قدر مارا جائے کہ جان نکل جائے۔ اور کہا کہ یہ اُس شخص کی سزا ہے جو بادشاہ کے حکم کی تعمیل نہ کرے۔ اس سزا دینے سے دیگر امرا و افسر خوف زدہ ہو گئے۔ اور اپنا اپنا کام مستعدی اور ہوشیاری سے کرتے تھے۔

سعادت خاں کا تمام مال و اسباب ضبط کر کے اُس کی زوجہ کو دیا گیا۔ یہ بات اگرچہ قاعدہ اور دستور کے خلاف تھی جو اکبر نے قرار دیا تھا کہ جو لوگ شاہی ملازم ہوں ان کی وفات کے بعد تمام مال و اسباب خزانہ شاہی میں داخل کیا جائے۔ شاہجہاں نے یہ امر اس لئے کیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ بادشاہ نے اپنے ملازم کو اُس کی دولت ضبط کرنیکے لئے مار ڈالا اس کی زوجہ عیسائی تھی اگرچہ بظاہر مسلمان بنی ہوئی تھی۔ جب میں سنہ ۱۶۷۹ء میں شہر آگرہ میں تھا تو ایک روز میرے دوست قاضی شہر نے مجھے بلایا اور رنج کے طور پر مجھ سے کہا کہ اُس محبت کی وجہ سے جو اُسکے دل میں ہے وہ کبھی عیسائیوں یا پادریوں کو نقصان نہیں پہنچاتا جو آگرہ میں رہتے ہیں۔ اُسے خوب معلوم ہے کہ عورت مذکور زوجہ سعادت خان خفیہ طور سے عیسائیوں کے ہاں چلی گئی اور مذہب تبدیل کر لیا۔ یہ بات نہایت نامناسب ہے۔ قاضی نے

مجھ سے درخواست کی کہ میں حتی الامکان کوشش کروں کہ وہ عورت پھر کبھی کسی عیسائی کے یہاں نہ جائے ورنہ یقیناً اُسے سخت نقصان پہنچے گا۔ میں نے قاضی صاحب کا شکریہ ادا کیا اور عورت مذکور کو ہدایت کر دی کہ وہ پھر ایسا نہ کرے۔ پادری بھی میرے ممنون ہوئے۔ کیونکہ اورنگ زیب اُس شخص پر بہت ناراض ہوتا تھا جو مذہبی باتوں میں دست اندازی کرتا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ شاہجہاں نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر عیسائیوں کے گرجے کے گھنٹہ کا مینار مسمار کروا دیا تھا۔ اگرچہ بعد کو اُس نے عیسائیوں کو ایک چھوٹا سا گرجہ بغیر گھنٹے اور مینار کے تعمیر کرنے کی اجازت دیدی تھی۔

یہ امر اور زیادہ واضح کرنیکے لئے کہ شاہجہاں کس قدر انصاف کا جویا تھا چند اور مقدمات کا حال بیان کرتا ہوں۔

ایک سپاہی نے ناجائز طور سے ایک ہندو محرر کی کنیز کو چھین لیا۔ جب یہ معاملہ عدالت میں پہنچا تو سپاہی نے اُسے اپنی کنیز بتایا۔ اُس کنیز نے بھی اسکی تائید کی۔ اور سپاہی کے پاس رہنے کی خواہش ظاہر کی۔ یہ مقدمہ بادشاہ کے اجلاس میں منتقل کیا گیا۔ بادشاہ نے کنیز مذکور کو محل شاہی میں رہنے کا حکم دیا۔ بادشاہ نے کچھ لکھتے وقت کنیز کو دوات میں پانی ڈالنے کا حکم دیا۔ اُس نے داہنے ہاتھ سے باقاعدہ دوات میں پانی ڈالا اور پانی ڈالنے کے طریقہ سے بادشاہ کو ثابت ہو گیا کہ یہ بیشک ہندو محرر کی کنیز ہے اسی لئے یہ دوات میں پانی ڈالنے کے طریقے سے واقف ہے۔ لہذا یہ کنیز ہندو محرر کو حوالے کی گئی اور سپاہی برخاست کر کے شہر بدر کر دیا گیا۔

شہر دہلی میں ایک اور دلچسپ مقدمہ ہوا کہ وہاں چار سوداگر ایک دوکان میں برابر کے حصہ دار تھے۔ اور آپس میں یہ قرار پایا تھا کہ ہر روز باری باری سے ایک حصہ دار دوکان پر بیٹھا کرے دوکان پر رہنے کی جس کی باری ہو اُس کے ذمہ اُس دن روشنی کے لئے تیل اور بلی کے لئے جو دوکان میں پلی ہوئی تھی خوراک بہم پہنچانا بھی تھا۔ اور اگر بلی مر جائے تو جس کی باری اُس دن ہو گی وہی دوسری بلی خریدیگا۔ اتفاقاً بلی کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی۔ جب اور حصہ داروں سے

اُس کے علاج کا خرچ طلب کیا گیا تو اُنہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ جس کی باری میں اسکی ٹانگ ٹوٹی ہے حسب قرارداد وہی اس خرچ کو برداشت کرے۔ بلی کی ٹانگ کپڑے سے باندھ دی گئی۔ ایک روز چراغ کے نزدیک بلی نے ٹانگ کو کھجایا اور چراغ گر گیا جس سے اُس کپڑے میں آگ لگ گئی جو بلی کے پاؤں میں بندھا ہوا تھا۔ بلی گھبرا کر دوکان میں گھس گئی اور آگ سے تمام دوکان کا اسباب جل گیا۔ باقی تین حصہ داروں نے اس پر نقصان کا دعویٰ کیا عدالت نے بھی یہی حکم دیا کہ یہ حصہ دار باقی تین حصہ داروں کو اُس قدر رقم ادا کرے جتنا نقصان ہوا ہے۔ مگر بادشاہ نے یہ حکم منسوخ کرکے تجویز کیا کہ باقی تین حصہ دار اس تیسرے حصہ دار کو جو بلی کا علاج کر رہا تھا رقم نقصان ادا کریں۔ کیونکہ اس کے حصے کی ٹانگ تو ٹوٹی ہوئی تھی۔ بقیہ تین ٹانگیں بلی کو دوکان میں لے گئیں جو تینوں حصہ داروں کی تھیں۔ اگر یہ تینوں ٹانگیں مدد نہ کرتیں تو بلی نہ دوکان میں جاتی اور نہ آگ لگتی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض مرتبہ تھوڑی سی رقم خرچ نہ کرنے سے کس قدر نقصان کثیر ہو جاتا ہے۔

علاوہ انصاف کرنے کے شاہجہاں کو چوری کے انسداد کی طرف خاص توجہ تھی اور وہ کبھی چوروں کے ساتھ رعایت نہ کرتا تھا۔ اگر نقصان جزوی ہوتا جس میں سزائے موت نہ ہو سکتی تھی تو وہ چوروں کو دریائے سندھ کے پار افغانوں کے ملک میں روانہ کر دیتا۔ اگر کبھی چور گرفتار نہ ہوتے تو وہ ذمہ دار افسروں سے اُس قدر رقم وصول کر لیتا جس قدر کی چوری ہوتی۔ ۱۶۴۵ء میں سورت میں چوروں نے ڈچوں کے کارخانہ کو لوٹ لیا۔ اگرچہ کچھ زیادہ نقصان نہ ہوا تھا تاہم ڈچوں نے حاکم سورت سے نقصان کا مطالبہ کیا جس نے کچھ توجہ نہ کی۔ ڈچوں نے اپنے کارخانہ سے تمام عمدہ اور بیش قیمت اشیا لیجا کر جہاز پر بار کر دیں اور دریا کا راستہ روک کر کسی کو آنے جانے نہ دیتے تھے۔ اور حاکم سورت سے اپنے نقصان کی نسبت بڑی رقم کا مطالبہ کرتے تھے۔ شاہ جہاں کو جب اس قضیہ کا علم ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ جو کچھ نقصان ہوا ہے اُس کی قیمت ڈچوں کو خزانہ شاہی سے دی جائے اور تاوانگی رقم مذکور

حاکم سورت معطل رہے۔ ڈچوں کو اس معاملہ میں ایک ہزار فیصدی کا فائدہ ہوا۔ اور اُسی وقت سے یہ قاعدہ جاری ہو گیا کہ جب چوری یا رہزنی ہوتی تو ذمہ دار افسر اُسی قدر رقم ادا کرتا۔

اگرچہ تمام آدمی بادشاہ سے ڈرتے تھے لیکن چند ایسے بھی تھے جو بالکل نڈر ہو کر اظہار ناراضی کیا کرتے تھے۔ میں نے پہلے بیان کیا ہے کہ اکبر نے یہ قاعدہ مقرر کر دیا تھا کہ بادشاہ یا شہزادوں کی موجودگی میں کوئی شخص بیٹھنے نہ پائے۔ ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سردار فوج نے ادائے فرائض میں کچھ کمی کی اور شاہجہاں نے اُس کو طلب کر کے بہت سخت و سست کہہ کر ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ افسر مذکور جان سے نا اُمید ہو کر خلاف قاعدہ زمین پر یہ کہکر بیٹھ گیا کہ اب میں بادشاہ کا ملازم ہوں اور نہ رعایا اس لئے بیٹھ سکتا ہوں۔ بادشاہ نے اُس کی یہ جرأت دیکھکر بحال کر دیا۔ افسر فوراً اُٹھ کھڑا ہو گیا اور اُسے جگر ناتھ کے باغیوں کے مقابلہ میں روانہ کر دیا گیا۔

ایسا ہی واقعہ سفیر گولکنڈہ کے ساتھ پیش آیا جو بڑا زیرک اور عقلمند تھا۔ شاہجہاں نے سر دربار اُس کا امتحان لینا چاہا اور دریافت کیا کہ تمہارے بادشاہ کا قد اسی قدر اونچا ہے جتنا اس غلام کا جو چنور ہلا رہا ہے۔ سفیر نے بادشاہ کا مطلب سمجھ کر غلام کی طرف دیکھا اور نہایت جرأت سے عرض کیا کہ فدوی کے بادشاہ کا قد بندگان عالی کے قد سے ایک گرہ اونچا ہے اس جواب سے شاہجہاں بہت خوش ہوا اور سفیر کی خیر خواہی و خلوص کی تعریف کی جو اُس وقت اپنے بادشاہ کے ساتھ تھا۔ تین برس کا خراج یعنی نو لاکھ روپیہ جو شاہ گولکنڈہ سے وصول ہوئے تھے معاف کر دیئے اور سفیر کو سراپا خلعت مع گھوڑے کے مرحمت فرمایا۔ جس وقت شاہجہاں اور سفیر کی یہ گفتگو ہوئی میں حاضر دربار تھا۔

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ ملازمان شاہی کے مرنیکے بعد اُنکا تمام مال و اسباب داخل خزانہ سلطنت ہو جایا کرتا تھا۔ ایک سردار فوج بعید مالدار مشہور تھا۔ وہ عمداً نہایت فضول خرچی کیا کرتا تھا۔ کیونکہ وہ واقف تھا کہ اُس کے مرنیکے بعد یہ تمام مال و دولت

داخل خزانہ ہو جائیگی۔ اُس کے انتقال کے بعد مکان سے کئی عمدہ اور مضبوط مقفل و سربمہر صندوق برآمد ہوئے جن میں طلائی میخیں جڑی ہوئی تھیں اور جن پر لکھا ہوا تھا کہ یہ تمام صندوق بادشاہ کی نذر کئے جائیں۔ جب یہ صندوق دربار میں پہنچے تو سب کا یہ گمان تھا کہ دولت کثیر بادشاہ کو ملے گی۔ بادشاہ نے بھی سردار مذکور کی نمک حلالی اور خیر خواہی کی تعریف کی اور صندوقوں کے کھولنے کا حکم دیا۔ کھولنے پر معلوم ہوا کہ تمام صندوق پرانے جوتوں اور سینگوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس فعل سے افسر متوفی کو یہ ظاہر کرنا منظور تھا کہ اگر بادشاہ اپنے عہدہ داروں کی بےعزتی کریگا تو وہ بھی اس کے معاوضہ میں ایسا ہی کریں گے۔ اور جو دولت وہ عورتوں پر صرف کرتا ہے اُس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ بھی ایسے ہی پرانے جوتے پہننے لگے گا۔ یہ ایک واقعہ ہے جو آئندہ پایۂ ثبوت کو پہنچے گا۔

یہ دیکھ کر شاہجہاں نے صندوقوں کو افسر مذکور کی قبر پر رکھوا دیا۔ اور کہا مجھے ایسی باتوں کی پروا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا باپ کوئی قصائی اور اسکی ماں پاپوش ساز تھی۔ اس نے اپنے بعد وہی چیز چھوڑی جو اُسے والدین سے ترکہ میں ملی تھی۔

یہ اسباب خزانہ میں داخل نہیں کیا گیا۔ علاوہ قدیم خزانہ کے شاہجہاں نے دو اور خزانے تعمیر کرائے تھے۔ ایک صرف سونے کے واسطے جو ذخیرہ کیا جاتا تھا اور دوسرا چاندی کیلئے جس کا نام بھونرا تھا۔ یہ دو مربع چہ بچے ۷۰ فیٹ لمبے اور ۳۰ فیٹ اونچے تھے۔ انکے درمیان میں سنگ مرمر کے خوبصورت ستون تھے۔ یہ خزانے خاص دروازے سے بند ہوتے تھے چہ بچوں کے اوپر بڑے بڑے کمرے بنے ہوئے تھے یہ بھی خزانہ کا کام دیتے تھے۔ اور ان میں روزمرہ کے خرچ کے لئے روپیہ رہتا تھا۔ طلائی خزانہ میں چودہ چودہ روپیہ کے رائج الوقت سکے رہتے تھے۔ ایسے طلائی سکے بھی تھے جو رائج نہ تھے۔ ان میں سے ہر ایک کی قیمت تین سو پچاس روپیہ۔ ایک ہزار سات سو پچاس روپیہ، تین ہزار پانسو روپیہ تھی۔ یہ سکے نہایت خوبصورت تھے اور بادشاہ اکثر اپنی بیگموں کو بطور تحفہ دیا کرتا تھا۔ چنانچہ جب میں

ایک بیگم کا معالج تھا تو اُس نے مجھے بھی ایک ایسا سکہ بطور ہدیہ دیا تھا۔

اورنگ زیب نے اپنے عہد سلطنت میں یہ کل خزانے مع نورجہاں بوجہ عدم وصول مالگذاری صرف کرڈالے۔

مگر شاہجہاں نے اپنے طرزِ عمل کے خلاف ایک بڑے خائن عہدہ دار سے کبھی بلز پرس نہ کی۔ بادشاہ اکثر مع معززین علی الصباح قلعہ سے باہر آکر بہ نظر تفریح باغات میں خود پھل جمع کیا کرتا تھا۔ منجملہ دیگر مقربین کے فدائی خان بھی تھا جو بہادر خاں[51] (برادر رضاعی اورنگ زیب) کا بھائی اور ایک وقت میں مرا بڑا دوست تھا۔ اس کو وزیر خان[52] وزیر سے چشمک تھی۔ بادشاہ کی توجہ رشوت خوار اہلکاروں کی طرف دیکھ کر یہ موقع کا منتظر تھا تاکہ وزیر کی بے اعتدالیاں بادشاہ کے گوشگذار کرے۔ شاہجہاں نے باغ سے پھل چُن کر فدائی خان کے سپرد کئے۔ جب بادشاہ حرم سرا کے دروازہ پر پہنچا تو وہ پھل طلب کئے۔ فدائی خاں نے ادب سے عرض کیا کہ "بندگان عالی نے فدوی کو پھل عنایت نہیں فرمائے" بادشاہ نے کسی قدر برہم ہو کر کہا کہ "میں نے خود پھل تمہارے حوالہ کئے اور اب تم انکار کرتے ہو" یہ سُنکر فدائی خاں نے فوراً وہ پھل بادشاہ کی حضور میں پیش کردیئے اور دست بستہ ہو کر عرض کیا کہ "جہاں پناہ کو میری اس کم قیمت چیز چرانے کا تو اتنا خیال ہوا مگر اُس بڑی رقم کی چوری پر حضور کچھ توجہ نہیں فرماتے جو تیس ہزار روپیہ روزانہ سے کم نہیں اور یہ رقم وزیر کی جیب میں جاتی ہے" یہ سنکر شاہجہاں نے آہستہ جواب دیا کہ مجھے ان تمام باتوں کا علم ہے اور بوجہ اُس نفرت کے جو مجھے چوروں اور رشوت خواروں سے ہے اُسے سزا دینی چاہتا ہوں مگر کبھی مصلحتاً کسی بہانہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے تاکہ بخوبی تعمیل حکم ہو سکے

[51] ان دونوں بھائیوں میں سے میر مظفر حسین خافی کو اول فدائی خان کا بعدہ اعظم خان کوکہ کا خطاب عطا ہوا تھا اس نے سنہ ۱۶۷۸-۷۹ء میں وفات پائی۔ دوسرا بھائی میر ملک حسین خافی بہادر خاں کے خطاب سے مخاطب ہوا۔ اورنگ زیب کے تخت نشین ہونیکے ۲ سال بعد اسے خان جہاں ظفر جنگ کوکلتاش کا خطاب عطا ہوا اس نے سنہ ۱۶۹۷-۹۸ء میں وفات پائی (ماثر الامرا)

[52] محمد صالح مخاطب بہ وزیر خان دیوان شہزادہ دارا شکوہ جو سنہ ۱۶۵۸ء میں جنگ سموگڑہ میں مارا گیا (تاریخ محمدی)

شاہجہاں کے درباریوں میں ایک ہندو راجہ امر سنگھ[۵۱] بھی تھا جو کئی ہفتہ تک حاضر دربار نہ ہوا۔ یہ قاعدہ ہے کہ ہندو راجہ اور سپہ سالاران فوج ہفتہ میں چوبیس گھنٹے شاہی قلعہ کے نیچے خیمہ زن رہتے ہیں۔

جب عرصہ کے بعد راجہ مذکور حاضر دربار ہوا تو وزیر خاں (وزیر) نے جو راجہ کا بہت دوست تھا اُس کے پاس آکر آہستہ سے اُس کے نہ آنے اور فرائض انجام نہ دینے کی وجہ دریافت کی۔ امر سنگھ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور کچھ جواب نہ دیا۔ اس پر وزیر نے ایسے سخت الفاظ کہے جو راجپوت نہیں سُن سکتے۔ امر سنگھ نے یہ سنتے ہی وزیر کے سینہ پر خنجر لگایا اور بادشاہ کے سامنے وہ زمین پر گر کر مر گیا۔ امر سنگھ خنجر لئے ہوئے بادشاہ کو دیکھتا رہا۔ راجہ کے اس فعل سے تمام حاضرین حیران اور خوفزدہ تھے۔ شاہجہاں بلا کچھ کہے اُٹھ کر حرم سرا میں چلا گیا مگر راجہ کے قتل کا اشارہ کر دیا۔ بادشاہ کے اُٹھتے ہی تمام درباری راجہ امر سنگھ پر ٹوٹ پڑے۔ اگرچہ راجہ مارا گیا مگر اُس نے بھی اپنے خنجر سے چھ امیروں کو زخمی کیا۔ جب امر سنگھ کے رسالہ اور فوج کو اپنے آقا کے مارے جانے کا حال معلوم ہوا تو قلعہ سے باہر اُس نے غدر کر دیا جو سامنے آتا تھا راجپوت اُسے قتل کر دیتے تھے۔ راجہ امر سنگھ کے تمام اعزازات اور جاگیر بادشاہ نے اُس کے چھوٹے بھائی جسونت سنگھ کو مرحمت فرمائے۔ جو بادشاہ کو بہت عزیز تھا۔ اس کا حال اورنگ زیب کے حال کے ساتھ آئندہ حسب موقع بیان ہوگا۔

ایک مرتبہ شاہجہاں ایک افغان افسر پر ناراض ہوا جس سے بغاوت کا خوف تھا اور اُسے سزائے موت دینی چاہتا تھا۔ مگر افغان سردار کو پہلے سے خبر ہوگئی اور وہ مع اپنے لشکر کے بھاگ گیا۔ جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو اُس نے حاضرین دربار سے کہا کہ کون ایسا شخص ہے جو اس باغی کا سر کاٹ کر پیش کرے۔ اُس افغان سردار کے بیٹے نے اُٹھ کر اپنے

---

۵۱ راؤ امر سنگھ خلف اکبر راجہ گج سنگھ والیٔ جودھپور نے صلابت خان۔ روشن ضمیر بخشی کو دربار میں ۳۰ جمادی الاول سنہ ۱۰۵۴ھ (۵ اگست ۱۶۴۴ء) کو قتل کیا اور بعدہ آپ بھی مارا گیا۔ (مآثر الامرا)

باپ کا سر پیش کرنے کا اقرار کیا۔ شاہجہاں نے اُس کے ہمراہ فوج کی اور فوراً اُس نے کوچ کرکے قلعہ گوالیار کے نزدیک باپ کو جا پکڑا۔ افغان نے نہایت سختی سے مقابلہ کیا مگر مغلوب ہو گیا جب اُس کا بیٹا اُس کے نزدیک گیا تو بوجہ محبت قتل نہ کرسکا اور اُسے ایک گھوڑا دیکر بھاگ جانے کے لئے کہا۔ اور وعدہ کیا کہ وہ بادشاہ سے معافی دلادیگا۔ باپ نے جواب دیا کہ مجھے خوب معلوم ہے کہ میں کسی طرح نہیں بچ سکتا پس یہی مناسب ہے کہ میرا سر قلم کرکے بادشاہ کی حضور میں پیش کر دیا جائے۔ اسکے صلہ میں جو انعام و جاگیر ملے گی وہ اُسے خوشحالی سے زندگی بسر کرنیکے واسطے کافی ہوگی۔ بیٹے نے باپ کی نصیحت پر عمل کرکے اُس کا سر کاٹکر بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ اور باپ کی محبت پر بادشاہی خیرخواہی غالب آئی اس کی اولاد ابھی تک سلطنتِ مغلیہ میں موجود ہے۔

شاہجہاں کے عہد سلطنت میں ایسا واقع ہوا جو یورپ میں مشکل سے یقین کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں کبھی ایسا نہیں ہوا:۔ حاکم سندھ نے ایک عرضداشت روانہ کی جس میں اُس نے بادشاہ کو اس امر کی مبارکباد دی کہ سلطنت میں ہر طرح امن وامان ہے اور کسی بادشاہ کے ملک میں ایسا نہیں۔ یہاں بہ آواز دہل ہر روز منادی کی جاتی ہے کہ اگر کسی کو کچھ شکایت ہو تو حاکم کو مطلع کرے لیکن اس عمل کو مہینے گذر گئے مگر کوئی فریادی حاضر نہیں ہوا۔ اسی عرضداشت میں اُس نے لکھا کہ دیوان کی معرفت اطلاع ہوئی ہے کہ ایک نہ سالہ روغن گر کی لڑکی کے لڑکا پیدا ہوا۔ شاہجہاں نے اُس لڑکے کو طلب کیا اور جب عمر مناسب پر پہنچا تو اُس کو روشنی کا انتظام سپرد کر دیا۔

اگرچہ اس عمر میں بچہ پیدا ہونا غیر معمولی بات ہے مگر ہندوستان جیسے گرم ملک میں یہ ناممکن نہیں۔ یہاں اس قدر گرمی ہوتی ہے کہ امرا تک سوائے قبا کے اور کوئی لباس نہیں پہنتے۔ اور رات کو شبنم میں بلا کپڑا اوڑھے یا نمناک زمین پر صرف بوریے پر سوتے ہیں۔

یہ جمپت بوندیلہ بادشاہ سے باغی ہوگیا اور ساٹھ ہزار راجپوت سوار جمع کرکے شاہی

ملک کی سرحد پر مشکلات پیدا کرنے لگا اور ہر طرف لوٹ مار کرنیکے علاوہ خراج ادا کرنے سے انکار کردیا۔ بادشاہ نے اس کے مقابلہ کے واسطے لشکر روانہ کیا۔ مگر یہ دیکھکر کہ تمام افسر چمپت سے ڈرتے ہیں شاہجہاں نے ہندو منجم سے دریافت کیا کہ اس باغی کے مقابلہ کو فوج کافی ہوگی یا اُسے خود میدان جنگ میں جانا چاہیئے۔ منجم نے عرض کیا کہ اگر بادشاہ کی خواہش ہے کہ اس لڑائی سے کوئی عمدہ نتیجہ پیدا ہو تو بذاتِ خاص میدان میں تشریف لیجائیں۔ ورنہ راجپوت شاہی فوج کو شکست دیں گے منجم کی صلاح پر عمل کرکے شاہجہاں نے کثیر لشکر ہمراہ لیکر دارالسلطنت سے چمپت پر حملہ کرنیکے واسطے کوچ کیا۔ مگر یہ معلوم کرکے کہ راجہ بہادری سے مدافعت کرنے پر آمادہ ہے اور اُسکے پاس لشکر و سامان بھی کافی ہے شاہجہاں کچھ دور ادھر ٹھہر گیا تاکہ اپنے مشہور وزیر سعد اللہ خان[۱] کے مشورہ سے ایسی چال چلے کہ راجہ آسانی سے مغلوب ہوجائے۔ سعد اللہ خان نہایت عقلمند تھا جس کا ذکر آئندہ کیا جائیگا۔ اس وزیر نے بادشاہ سے دعویٰ کیا کہ بغیر لڑے راجہ کو شکست ہوگی۔ اور اُس نے خفیہ طور سے راجہ کے ساتھ دوستانہ خط و کتابت شروع کی۔ راجہ کو اپنی طرف سے کچھ تحفے بھی روانہ کئے اور ہر دوستانہ خدمت انجام دینے کے لئے آمادگی ظاہر کی۔ چمپت کو سعد اللہ خان کی دوستی کی وجہ سے یقین تھا کہ تمام معاملات اُس کی حسب خواہش طے ہوجائیں گے۔ وزیر نے چمپت کو لکھا کہ اس وقت بادشاہ کو بہت تیز غصہ ہے اور اُس کے کم کرنے کی یہ تدبیر ہے کہ تم ایک فرسخ ہٹ جاؤ۔ چمپت نے جواباً لکھا کہ بادشاہ محض میرے مقابلہ کے واسطے یہاں آیا ہے لہذا میں اُس وقت تک نہیں ہٹ سکتا جبتک بادشاہ نہ ہٹیں۔ سعد اللہ خان نے پھر لکھا کہ چونکہ راجہ بادشاہ کا جاگیردار ہے اس لئے بادشاہ کا ہٹنا شان کے خلاف ہے۔ لیکن اگر راجہ ہٹ جائیگا تو میں ضمانت کرتا ہوں کہ بادشاہ بھی واپس ہوجائیگا اور زرِ خراج معاف کردیا جائیگا۔

---

[۱] سعد اللہ خان پنجاب کا شیخ زادہ تھا جو سنہ جلوس (۱۶۴۴-۴۵ء) میں وزیر ہوا۔ اُس نے ۲۲ جمادی الثانی سنہ ۱۰۶۶ھ (۱۹ اپریل ۱۶۵۶ء) کو ستر برس کی عمر میں مقام شاہجہان آباد وفات پائی۔ (ماثر الامرا و تاریخ محمدی)

چمپت نے اپنا لشکر لوٹایا مگر شاہی لشکر آگے بڑھا۔ چمپت نے سعداللہ خان سے اس دھوکہ دہی کا مطالبہ کیا مگر وزیر نے لکھا کہ تم اپنی واپسی جاری رکھو بادشاہ بھی ضرور واپس ہوگا۔ بادشاہ اب صرف اس لئے آگے بڑھا ہے کہ لشکر میں اُس کے خلاف کوئی بدگمانی نہ پیدا ہو۔ چمپت نے اس تحریر کا بھی یقین کرلیا اور اپنی فوج کو پھر ہٹایا۔ سپاہی راجہ کے متواتر پیچھے ہٹنے سے خوفزدہ ہوئے اور خیال کرنے لگے کہ چمپت کو شاہی لشکر پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہے۔ بددل ہوکر اکثر سپاہیوں اور سرداروں نے علیحدگی اختیار کرلی۔ لشکر کی کمی کی وجہ سے مجبوراً چمپت کو جنگل میں بھاگ کر پناہ لینی پڑی۔ شاہی فوج نے اُس کے ملک پر حملہ کرکے لوٹ لیا۔ چمپت نے سعداللہ خان سے اس بدعہدی کی شکایت کی تو اس نے جواب دیا کہ بادشاہ بھی اپنے اقرار پر قائم نہ رہا۔ یہ بندیلہ تھوڑی سی فوج کے ساتھ ایسے جنگلوں اور پہاڑوں میں پناہ گزیں ہوا کہ وہاں بادشاہ کا کچھ بس نہ تھا۔ آخر تنگ ہوکر اس نے مع تین ہزار سواروں کے خدمت شاہی میں حاضر ہوکر اطاعت قبول کرلی اور زمرۂ ملازمان شاہی میں داخل ہوگیا۔ اس وقت تک اس کے پس ماندہ فخر کے ساتھ چمپت بندیلہ کا نام لیکر سلطنت مغلیہ کی خدمت کرتے ہیں۔

سعداللہ خان کے حالات کے سلسلہ میں یہ بیان کرنا بےموقع نہ ہوگا کہ بجولم[لے] کا بڑا پادری ڈوم میتھوس (Dom Matheus) سلطنت مغلیہ میں تبلیغ کا کام شروع کرنا چاہتا تھا۔ اور بادشاہ سے اجازت حاصل کرنے کی غرض سے حاضر دربار ہوکر عرض کیا کہ وہ دور دراز فاصلہ سے محض یہ درخواست کرنے حاضر ہوا ہے۔ شاہجہاں نے اُس کی صورت دیکھ کر معلوم کرلیا کہ یہ راہبانہ اور زاہدانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ بادشاہ نے تمام مسلمان عالموں کو جمع کیا اور پادری سے اُنکے ساتھ مذہبی گفتگو کرنے کو کہا۔ اس پر ڈوم میتھوس نے یہ تقریر کی کہ دو ایک غیر ملک میں مسافر کو دو آدمی ملے جن میں سے ایک

[لے] بجولم پرتگیزی علاقہ میں گوا سے آٹھ میل کے فاصلہ پر بجانب شمال واقع ہے۔

سو رہا تھا اور دوسرا بیدار تھا میں حضور سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ مسافر کس سے راستہ دریافت کرے ؟" پادری نے سوال کرنے میں یہ امر ملحوظ رکھا تھا کہ مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ مسیح زندہ یعنی جاگ رہے ہیں اور جناب محمد مصطفےٰ صلعم قیامت تک آرام فرمائیں گے۔

شاہجہاں نے تمام علمار سے جواب دینے کو کہا مگر سب ساکت اور خاموش رہے۔ سعداللہ خان بھی مرد فاضل تھا اُسے علمار کا سکوت دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ پادری غالب اگر مذہب عیسوی کی یہیں تبلیغ نہ شروع کردے اور باعث خرابی مذہب اسلام ہو۔ لہذا اس نے آگے بڑھ کر بادشاہ سے جواب دینے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ اس مسافر کو انتظار کرنا چاہیئے کہ جو شخص سو رہا ہے وہ بیدار ہو جائے۔ دوسرا شخص جو جاگ رہا ہے وہ بھی اسی انتظار میں ہے کہ جب یہ خواب سے فارغ ہو تو اُس سے راستہ دریافت کرے۔

اس جواب سے سعداللہ خان کا یہ مطلب تھا کہ مسیح کو خود راستہ معلوم نہیں اور وہ آنحضرت صلعم کی بیداری کا منتظر ہے پادری کو مہلت نہ دی گئی کہ وہ سعداللہ خان کو جواب دیتا اور فوراً اُسے رخصت کر دیا گیا۔ سعداللہ خان اپنی فتح پر فخر کرتا ہوا دربار سے باہر آیا جہاں تمام عالموں نے اُس کا شکریہ ادا کیا۔

جس نجومی نے شاہجہاں کو صلاح دی تھی کہ چمپت بندیلہ کو زیر کرنے کیلئے وہ بہ نفس نفیس میدان میں جائے اُسی نے ایک روز حاضر ہو کر بادشاہ سے عرض کیا کہ "اعلیٰ حضرت کچھ زمانہ کے لئے قلعہ کو چھوڑ دیں کیونکہ جو ستارہ اس قلعہ سے متعلق ہوا ہے اُس کا یہ پھل ہے کہ سب سے بڑا اس قلعہ کا رہنے والا وفات پائے۔ لہذا حضور عالی کسی دوسری جگہ تشریف لیجائیں اور قلعہ کوتوال شہر کی سپردگی میں رہے" یہ تجویز منظور کی گئی اور بادشاہ شکار کھیلنے تشریف لیگئے۔ دو ماہ بعد شاہجہاں کو خبر پہنچی کہ کوتوال کا انتقال ہو گیا۔ بادشاہ قلعہ کو واپس ہوا اور نجومی کو گرانقدر انعام دیا گیا۔

لیکن میری رائے میں یہ نجومی کی چالاکی تھی۔ اس کی اُس حکیم سے گہری دوستی تھی

جو کوتوال کا معالج ہوا کرتا تھا پس ممکن ہے کہ نجومی نے حکیم مذکور سے سازش کرکے اپنے احکامات نجوم صحیح ثابت کرنے اور روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے کوتوال کی جان لی ہو۔ مجھے ایسے کئی واقعات کا علم ہے۔ اور ہندو بے خوف خدا روپیہ حاصل کرنیکے لئے بیشک ایسے کام کر گذرتے ہیں۔ تاہم کوئی بڑا آدمی ایسا نہ ہوگا جس کے یہاں کوئی نجومی نہ ہو۔ مکان سے کسی کام کے لئے باہر جانیکا مناسب وقت تک اس سے پوچھا جاتا ہے یہانتک کہ نیا لباس بغیر اُسکے وقت بتائے نہیں پہنا جاتا۔ یہ نجومی اس ملک میں بکثرت ہیں۔ بازار بھی ان سے خالی نہیں اور اسی وجہ سے اُنکو لوگوں کے گھروں کے حالات معلوم رہتے ہیں۔ ہندو اور مغل دونوں اُنکے بیحد معتقد ہوتے ہیں اور جو کچھ یہ حکم لگاتے ہیں اُس کو سچ خیال کرتے ہیں۔

شاہجہاں نے جب جمپت بندیلہ کے مقابلہ کے لئے کوچ کیا تو اُسی سفر میں ایک بڑے افسر نے قضا کی جس کا نام خانخاناں[1] تھا۔ بادشاہ نے محض تساہلی سے کسی کو اُس کی جگہ مقرر نہ کیا۔ یہ شاہجہاں کا ایک سپہ سالار تھا جس کے بزرگ تیمور لنگ کے ساتھ ہر معرکہ میں شریک رہے تھے۔ یہ نہایت صائب الرائے تھا اور بادشاہ اکثر معاملات میں اس سے مشورہ لیا کرتا تھا۔ ایک روز یہی سردار گھبرایا ہوا بادشاہ کی حضور میں حاضر ہوا جب بادشاہ نے اضطراب کی وجہ دریافت کی تو اُس نے عرض کیا کہ بادشاہت مثل اُس محل کے ہے جس میں متعدد ستون ہوں۔ اگر ایک ستون گر جائے اور کچھ علاج نہ کیا جائے تو آخر مکان مسمار ہو جائیگا۔ بادشاہت کے لئے قابل عہدہ دار ایسے ہی ضروری ہیں جیسے مکان کے لئے ستون۔ اگر کسی عہدہ دار کی جگہ خالی ہو اور بجائے اُس کے دوسرا شخص مقرر نہ کیا جائے تو یہ خرابی سلطنت کا باعث ہوگا۔ شاہجہان اس سردار کی

[1] معلوم نہیں یہاں خانخاناں کس سے مراد ہے۔ اگر عبد الرحیم خانخاناں ابن بیرم خاں خانخاناں سمجھا جائے تو اُسنے جہانگیر کے عہد سلطنت کے آخر سال وفات پائی۔ اور شاہجہاں کی تخت نشینی کے بعد ہی بندیلہ کے ساتھ جھگڑا شروع ہوا۔

خیر خواہانہ نصیحت سے خوش ہوا اور اُسے حکم دیا کہ اپنی رائے سے کوئی مناسب شخص اس جگہ مقرر کر دیا جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

اس سپہ سالار کا نام سعید خاں[۵] بہادر تھا۔ اس کے کوئی دختری یا پسری اولاد نہ تھی اور بادشاہ کی دلی خواہش تھی کہ یہ صاحب اولاد ہو۔ چنانچہ شاہجہاں نے شاہی طبیب کو حکم دیا کہ اس کو وہ نسخہ استعمال کرایا جائے جو تیمور لنگ نے اپنی یادداشت میں لکھا ہے۔ اور جو گیارہ دواؤں سے مرکب ہے۔

میں نے بھی اس دوا کا خود استعمال کیا ہے اور ہمیشہ مفید پایا۔ سعید خاں بہادر نے اس معجون کو کھایا اور چار برس کے عرصہ میں اُسکی بیبیوں، لونڈیوں اور خواصوں سے متعدد لڑکے پیدا ہوئے۔ اس زمانہ کے بعد شاہجہاں نے ایک روز سعید خان بہادر سے اُس کے لڑکوں کی تعداد دریافت کی تو اُس نے عرض کیا کہ کل کو ٹھیک جواب دونگا۔ اور معلوم ہوا کہ علاوہ دختروں کے ساٹھ لڑکے موجود ہیں۔ اُس نے نہایت خلوص سے ساتھ بادشاہ کا شکریہ ادا کیا کہ جس نے یہ معجون عطا فرمائی اور آج اس قدر اولاد موجود ہے یہ بھی عرض کیا کہ اُس کے یہ تمام بچے بندگان عالی کے حکم پر اپنی جان قربان کرنیکے واسطے حاضر ہیں۔ بادشاہ نے خوش ہو کر انہیں خانہ زاد کا لقب عطا فرمایا۔ اب تک یہ اسی نام سے مشہور ہیں اور سب کے سب بڑی بڑی تنخواہیں پاتے ہیں۔

صرف یہ ہی بات نہ تھی کہ شاہجہاں انعامات بہت دیتا تھا بلکہ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ بے حقیقت باتوں پر وہ بڑے بڑے صلے عطا کرتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ یہ شکار کو گیا اور اپنی فوج وغیرہ سے علیحدہ ہو کر ایک گانوں میں پہنچا جو دلی و آگرہ کی سڑک پر واقع تھا۔ بادشاہ نہایت خستہ اور شدت سے پیاسا تھا۔ اُسے ایک جھونپڑا نظر آیا جس میں ایک برہمن اگیز گو

---

[۵] سعید خان بہادر ظفر جنگ چغتائیہ نسل سے تھا۔ اس نے بائیس پسر چھوڑ کر ۱۰۶۲ھ (۱۶۵۱-۵۲ء) میں وفات پائی۔ (ماثر الامرا)۔

پانی پلاتا تھا۔ ہندوستان میں ایسا اکثر بطور خیرات کے کیا جاتا ہے۔ شاہجہاں نے اُس سے پانی طلب کیا۔ برہمن نے جب پانی دیا تو اُسے معلوم ہوا کہ بوجہ شدت تشنگی شاہجہاں ڈگڈگا کر پانی پیتا ہے۔ پس برہمن نے فوراً تھوڑی سی گھانس ظرف میں ڈالدی۔ بادشاہ نے غصہ ہوکر اس کا سبب دریافت کیا تو برہمن نے بلا علم اس کے کہ وہ بادشاہ سے گفتگو کررہا ہے جواب دیا کہ جب میرے گدھے تھکے ہوئے اور پیاسے ہوتے ہیں تو اُن کو درد قولنج سے محفوظ رکھنے کے لئے میں یہی عمل کرتا ہوں۔ شاہجہاں نے گاؤں سے باہر ایک درخت کے سایہ میں آرام کیا اور کچھ دیر بعد فوج وہمراہی وغیرہ بھی آگئے۔ یہ دیکھ کر برہمن کے ہوش جاتے رہے اور اب اُسے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ سے ایسی آزادی سے باتیں کررہا تھا۔ پس وہ بادشاہ کے سامنے آکر زمین پر گر پڑا اور معافی کا خواستگار ہوا لیکن شاہجہاں نے وہی گانوں اُس برہمن کو معافی میں دیدیا جو آجتک برہمن والا گانوں کہلاتا ہے۔

جو واقعہ اکبر کو پیش آیا بعینہٖ شاہجہاں کو بھی ایسا ہی اتفاق ہوا۔ شاہجہاں نے ایک ہندو راجہ پر فوج کشی کرنی چاہی اور بے وقت سعد اللہ خاں وزیر کو طلب کرکے اپنے ارادہ کا اظہار کیا اور خفیہ فوج کی تیاری کا حکم دیا۔ جب وزیر قلعہ سے باہر آیا تو اُس نے ایک روتاری عورت کو اپنے شوہر سے کہتے سنا کہ تو نہایت سُست اور کاہل ہے اپنی روانگی سے پہلے تمام ضروریات کی چیزیں خریدلینی چاہئیں کیونکہ بادشاہ رانا کے ملک پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ یہ سُنکر وزیر نے قلعہ میں جاکر بادشاہ سے تمام حال بیان کیا۔ شاہجہاں نے فوراً جاسوس مقرر کئے کہ وہ معلوم کریں کیونکر یہ خبر مشہور ہوئی۔ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ شہر میں عام طور سے یہ خبر مشہور ہے۔ اس شہرت کی وجہ سے بادشاہ کو اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا رانا نے بھی خراج وغیرہ روانہ کرکے صلح کرلی۔ روتاری عورت نے جو یہ رائے قائم کی اُسکی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ وزیر چونکہ خلاف معمول رات کو طلب کیا گیا اور ہندوستان کے باشندے عموماً غبی اور زیادہ گو ہوتے ہیں اور اسی سلسلہ میں کبھی اصلی معاملہ تک اُن کی

عقل کی رسائی ہو جاتی ہے۔

شاہجہاں نے رانا پر فوج کشی کرنے کو ملتوی کر کے راجہ سری نگر پر حملہ کرنا چاہا جو بلند پہاڑوں کے درمیان میں واقع ہے۔ اور دوازدہ ماہ یہ پہاڑ برف سے پوشیدہ رہتے ہیں۔ لیکن شاہجہاں کی یہ امید پوری نہ ہوئی

اُس نے ایک سپہ سالار کی سرکردگی میں تیس ہزار سوار علاوہ پیدل فوج کے روانہ کئے۔ راجہ نے کچھ مزاحمت نہ کی یہانتک کہ شاہی فوج پہاڑوں کے بیچ میں پہنچگئی۔ جب کچھ فاصلہ طے کر لیا تو راجہ نے دونوں طرف سے راہ روکدی جس سے شاہی سپاہ نہ آگے بڑھ سکتی تھی اور نہ واپس ہو سکتی تھی۔ اپنے آپ کو خطرہ میں دیکھ کر سپہ سالار نے راجہ کے پاس صلح کا پیغام بھیجا۔ مگر راجہ نے یہ کہکر انکار کر دیا کہ اب صلح کا وقت نہیں ہے۔ سامان خوراک کی کمی کی وجہ سے تمام فوج کی حالت خراب تھی۔ سپہ سالار نے پھر راجہ سے امان کی درخواست کی۔ باوجودیکہ راجہ اسوقت ایسی قدرت رکھتا تھا کہ ایک متنفس کو بھی زندہ نہ چھوڑتا لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا۔ جواباً پیام بھیجا کہ مجھے ہرگز تمہاری جانیں لینی منظور نہیں ہیں۔ مگر میرے سپاہی اس جاں بخشی کی عوض بطور یادگار تم سب کی ناکیں چاہتے ہیں۔ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو ناکیں میرے حوالہ کرو۔ شاہی سپاہیوں نے یہ غنیمت سمجھا اور سب نے اپنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ایک ایک سپاہی نکلتا تھا اور اُسی کی ناک کاٹ لی جاتی تھی۔ شاہجہاں نے بوجہ غیرت و شرم پھر کبھی اس راجہ پر حملہ کرنیکا قصد نہیں کیا۔ اور حکم دیا کہ آیندہ سے راجہ کو نک کٹی رانی کہا جایا کرے۔ چنانچہ ابتک وہ اسی نام سے مشہور ہے۔ سردار فوج نے شرم کی وجہ سے آنا گوارا نہ کیا اور زہر کھا کر اپنا خاتمہ کر لیا۔ اس راجہ کا حال آیندہ اورنگ زیب کے بیان میں بھی لکھا جائیگا[1]۔

---

[1] ۹ سنہ جلوس شاہجہانی یعنی ۱۰۴۶ سنہ ہجری (۳۶-۱۶۳۵ء) میں راجہ سری نگر (گڑھوال) پر یہ فوجکشی کی گئی تھی اور نجابت خاں بدخشی اس مہم پر متعین ہوا تھا۔ ماثر الامرا میں یہ قصہ دوسری طرح بیان کیا گیا ہے۔ راجہ گڑھوال کی رانی اس سے قبل نک کٹی رانی اس لئے مشہور تھی کہ وہ قزاقوں اور باغیوں کی ناک کٹوا لیا کرتی تھی۔ اگرچہ نجابت خاں

اب میں شاہجہاں کی اولاد کا حال بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس کے قبل یہ ظاہر کرنا مناسب ہے کہ اس نے صرف چار لڑکے اور چار لڑکیاں قایم رکھیں۔ اور جب کبھی کوئی بیگم حاملہ ہوتی اور اس تعداد میں اضافہ ہونے کی امید ہوتی تو ایسی ادویہ استعمال کرائی جاتیں جن سے حمل اسقاط ہو جاتا۔ شاہجہاں کے بعد بھی یہ خراب طریقہ رہا اور اورنگ زیب اور اُسکے لڑکوں نے بھی اس کا استعمال کیا۔

شاہجہاں کی اولاد اکبر اُس کی دختر جہان آرا بیگم (بیگم صاحبہ) تھی جس سے اُسے غیر معمولی محبت تھی۔ یہ نہایت حسین، صاحب سلیقہ، عاقل، سخی، فراخ دل تھی۔ خیرات بہت تقسیم کرتی۔ اس کی سالانہ آمدنی علاوہ معافی بندر سورت کے جو اسکی پان خوری کے واسطے بادشاہ نے عطا کی تھی تیس لاکھ روپیہ تھی۔ اس کے سوا بہت سے جواہرات اسکے قبضہ میں تھے۔ جو شاہجہاں نے وقتاً فوقتاً اسے مرحمت کئے تھے۔ یہ نہایت ہر دلعزیز تھی اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ رہتی تھی۔ یہ اپنے بھائی دارا کی طرفدار تھی اور اسکی وجہ سے تمام امرا و درباری بھی یہی پہلو لئے ہوئے تھے۔ اس نے دارا کو سلطنت ملنے کی بہت کوشش کی۔ یہ کوشش صرف اس لئے تھی کہ دارا نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ بادشاہ ہونیکے بعد وہ اسے شادی کرنے کی اجازت دیدیگا۔ اس نے اپنی تمام ہوشیاری اور عقلمندی اس معاملہ میں صرف کر دی اور اپنے باپ شاہجہاں کو ہر طرح کا اطمینان دلانے میں کامیاب ہوئی۔ یہ شاہجہاں کی محبت و سلیقہ کے ساتھ خدمت کرتی تھی اس لئے شاہجہاں اسکی ہر درخواست منظور کر لیتا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ عام بازاری آدمیوں میں شہرت تھی کہ اس سے اسکے باپ شاہجہاں کا

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اپنی جان بچا کر سنبھل کو بھاگ گیا اور درختوں کے پتے کھا کر اُسنے بسر کی مگر اسکی ناک کٹنے کی نسبت کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ اس نے ۷ سنہ جلوس عالمگیری یعنی ۱۰۷۵ھ (۱۶۶۴-۶۵ء) میں وفات پائی۔ یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ راجہ کو نک کٹی رانی کیوں کہا جاتا۔ یہ ممکن تھا کہ شاہجہاں اُسے نک کٹا راجہ کہنے کا حکم دیتا۔

ناجائز تعلق ہے۔ اور اسی بنا پر مسٹر برنیر[۱] نے بہت کچھ اس شاہزادی کی نسبت عام آدمیوں سے سنکر لکھدیا ہے۔ لہذا مجھ پر فرض ہے کہ میں برنیر کی طرف سے معافی مانگوں کہ جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بالکل غلط ہے۔ اپنے سفرنامہ میں برنیر لکھتا ہے کہ شاہجہاں کو معلوم ہوا کہ محل میں اس شہزادی کے پاس اسکا آشنا موجود ہے اور شاہجہاں اُسے گرفتار کرنے چلا۔ جب شاہزادی کو بادشاہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی تو اپنے آشنا کو تنور یا آتشدان میں پوشیدہ کردیا۔ بادشاہ نے پہنچکر اُس میں آگ روشن کرادی اور اس طرح اُسے مار ڈالا۔ اس کا انصاف میں ناظرین ہی کی رائے پر چھوڑتا ہوں کہ ایسا باپ جو شہزادی سے بیحد محبت کرتا ہو وہ ایسا غیر معروف اور نامناسب طریقہ اختیار کریگا۔ جبکہ دوسرے ملکوں کے سفرا بھی اُس کے دربار میں موجود ہوں اگرچہ اُسے معلوم بھی ہو تاکہ اُس کی دختر کا کوئی آشنا ہے تو بھی وہ شل اُس کی ماں کے (ممتاز محل) خیال کرنے کا بہانہ کرتا جسکی نسبت یہ کہہ سکتے ہیں کہ اُس نے (ممتاز محل) تمام سلطنت پر حکومت کی تھی۔

ایک روز شاہجہاں نے اس سے ظاہر کیا کہ اُس کی رعایا جیسی چاہیے ویسی اطاعت نہیں کرتی اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ عنقریب اُس کا زمانہ سلطنت ختم ہونے کو ہے۔ بیٹی نے باپ سے یہ کلمات سُنکر بہت خیرات کی اور بہت سے غلام اور کنیزیں آزاد کیں۔ تاکہ خدا بادشاہ کو طول عمر مرحمت فرمائے۔ اول غلام اور کنیزیں تین مرتبہ بادشاہ کی گرد پھرائی جاتی تھیں اور پھر اُنہیں محل کے باہر نکال دیا جاتا تھا۔ گویا بادشاہ کی تمام

---

[۱] دیکھو سفرنامہ مسٹر برنیر۔

[۲] انندرام مخلص نے بھی چمنستان میں جہاں آرا بیگم کا حال لکھا ہے جو بیگم صاحبہ مشہور تھی۔ وہ لکھتا ہے کہ بیگم چند مذہبی رسائل کی مصنفہ تھی۔ اس نے ۱۰۹۲ھ (۱۶۸۲ء) میں انتقال کیا اور احاطہ مزار حضرت نظام الدین سلطان المشائخ میں مقام دہلی میں دفن کی گئی۔ اس کی قبر پر یہ شعر کندہ ہے:۔

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا | کہ قبر پوش غریباں ہمیں گیاہ بس است

نحوست اُن کے ساتھ چلی جاتی تھی۔ اس نے بہت سے ہاتھی اور گھوڑے بھی تقسیم کئے۔

ہندوستان میں عام دستور ہے کہ ہر شخص اپنے مقدور کے موافق خوراک یا کسی اور شکل میں خیرات تقسیم کرتا ہے۔

دارا نے بذریعہ عرضداشت بادشاہ سے عرض کیا کہ اس شاہزادی کا عقد نجابت خان[1] کے ساتھ کر دیا جائے جو شاہی فوج کا سپہ سالار اور بلخ کے شاہی خاندان سے ہے۔

اگرچہ یہ سردار شجاع اور متناسب الاعضا تھا مگر شائستہ خان[2] نے یہ خبر پاکر بادشاہ سے عرض کیا کہ یہ امر ہرگز قرین مصلحت نہیں ہے۔ اگر شاہزادی کا اس سے عقد کر دیا گیا تو اس کو بھی وہی منصب دیا جائیگا جو اور شہزادوں کا ہے۔ نجابت خان بلخ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس سے بندگان عالی کی جنگ ہوئی تھی۔ علاوہ اس کے اُس قاعدہ کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے جو شہنشاہ اکبر نے قرار دیا ہے کہ شاہزادیوں کی شادی نہ کی جایا کرے۔

یہی وجہ تھی کہ شاہجہاں نے اپنی دختر کی شادی نہ کی اگرچہ بہ تقاضائے محبت پدری اسکی دلی خواہش تھی کہ اس کا عقد کر دیا جائے۔ ان وجوہ سے شہزادی بھی باپ کے ساتھ ظاہرداری کا برتاؤ کرتی اور اپنے آشناؤں کے ذریعہ سے اپنا دل خوش کرتی تھی۔ اسکا خاص آشنا اس کی رقاصہ کا لڑکا خوبصورت نوجوان تھا۔ جب یہ بچہ تھا تو حرم سرا میں آیا کرتا تھا اور ایسی خوش الحانی اور عمدہ طریقہ سے گاتا کہ اس کو خانہ زاد کا لقب دیا گیا۔ اس لقب کے پردہ میں شہزادیاں اور دیگر محل کی عورتیں اس سے اپنی خواہشات نفسانی پوری کرتیں جب یہ کسی قدر بڑا ہوا تو اس کو "دولارا" لقب دیا گیا۔ بعدہ اس کو مثل اور امرا کے منصب و

[1] نجابت خان گوڑھوال کے اُس معرکہ میں شریک تھا جسکا ذکر کیا گیا۔ یہ مرزا شاہرخ بادشاہ بدخشاں کا تیسرا فرزند تھا۔

[2] ابو طالب شائستہ خان خانخاں امیر الامرا شاہجہاں کا خسر پورہ تھا اس نے آگرہ میں ۱۱۰۵ھ (۱۶۹۳ء) میں طویل العمری میں وفات پائی۔

ماہی مراتب مع رسالہ و فوج عطا ہوا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ یہ اپنے مکان سے قلعہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُدھر سے مہابت خاں بھی دربار شاہی میں حاضر ہونیکے لئے جا رہا تھا۔ راستہ میں دونوں کا مقابلہ ہوا اور جلوس کے آدمیوں میں کچھ خفیف جھگڑا ہوگیا۔ مہابت خان نے دولارہ کے ماہی مراتب کو شناخت کر کے اپنے علم وغیرہ علیحدہ کرا دیئے۔ اور دربار میں بلا نشانوں اور علموں کے حاضر ہوا۔ اطلاع ہونے پر بادشاہ نے جب وجہ دریافت کی تو مہابت خان نے دست بستہ ہو کر نہایت ادب سے عرض کیا کہ جب گویئے کے ساتھ ماہی و مراتب رہنے لگا تو ہم لوگوں کے ساتھ اس کا رہنا فضول ہے۔ بادشاہ نے فوراً حکم دیا کہ دولارا کا ماہی مراتب اسی وقت چھین لیا جائے۔ چونکہ مہابت خاں دارا شکوہ سے کشیدہ خاطر تھا اس لئے اُس نے ایسا کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جو امر بیگم صاحبہ کو ناگوار ہوگا وہ دارا کے بھی ضرور خلاف ہوگا۔

یہ شہزادی رقص و سرود کی بہت شایق تھی۔ اور اکثر اسی قسم کے لہو و لعب میں مشغول رہتی تھی۔ ایک شب ایسی ہی محفل تھی کہ یکایک شہزادی کی پسندیدہ رقاصہ کے باریک ریشمی پشواز میں آگ لگ گئی جس میں عطر بھی بکثرت لگا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر شہزادی خود اُس کی مدد کے لئے آئی اور خود اُس کے لباس میں بھی آگ لگ گئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سینہ جل کر زخمی ہوگیا۔ اس سے تمام دربار میں اضطراب پھیل گیا۔ شہزادی کو اپنے جلنے سے زیادہ اس کا رنج ہوا کہ رقاصہ مر گئی۔ علاوہ مذکورہ بالا اشغال کے اُسے شراب نوشی کا بھی شوق تھا جو خاص اس کے واسطے ایران، کابل، کشمیر سے منگائی جاتی تھی۔ لیکن اس کے پینے کی بہترین شراب خانہ ساز اعلےٰ درجہ کی ہوا کرتی تھی۔ یہ گلاب میں مختلف منشی ومقوی ادویہ وغیرہ ڈال کر کشید کی جایا کرتی تھی۔ کئی مرتبہ اس نے اظہار عنایت کے طور پر اسی شراب کی بوتلیں مجھے میرے گھر پر بھجوائیں کیونکہ میرے علاج سے اُس کے محل کی کئی عورتوں نے شفا پائی تھی۔ یہ رات کو جبکہ محفل رقص و سرود آراستہ ہوتی تھی شراب پیا کرتی

اور کبھی کبھی ایسی نوبت پہنچ جاتی کہ نشہ کی وجہ سے یہ کھڑی نہ ہو سکتی تھی اور کنیزیں اسے مسہری پر ڈال دیتیں۔

میں نے یہ اس لئے بیان کیا ہے کہ اس محل سے میرا گہرا تعلق تھا اور خاص عورتیں و خواجہ سرا پورے طور سے میرا اعتبار کر کے مجھ پر اعتماد کرتے تھے۔ میرا منشا ان تمام باتوں کے لکھنے کا نہیں جو یہاں پیش آتی تھیں۔ مگر مجھے مسٹر برنیر کے اس بیان پر نہایت تعجب ہی جو اس نے اپنے سفرنامہ میں اس طرح لکھا ہے کہ "ناظر یعنی خواجہ سراؤں کے افسر نے اس شخص کو داخل محل نہ ہونے دیا جس کو یہ شہزادی اپنے پاس بلانا چاہتی تھی اور اسلئے اس نے ناظر مذکور کو زہر دیکر مار ڈالا" برخلاف اس کے ناظر اس کے ہر حکم کی تعمیل کرتا اور اسے خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا کیونکہ یہ قطعی ناممکن تھا کہ اس کی مرضی کے خلاف ناظر ملازم رہ سکتا۔

جب بیگم صاحبہ محل سے دربار شاہی میں جاتی ہیں تو بہت سے پیدل سپاہی اور خواجہ سرا اردلی میں ہوتے ہیں۔ خواجہ سرا سواری کے بالکل نزدیک رہتے ہیں اور ہر شخص کو جو ان کے سامنے آتا ہے بلا لحاظ اس کی عزت کے دہکا دیکر علحدہ کر دیتے ہیں۔ ایسا ہی خاندان شاہی کی ہر شہزادی کے ہمراہ ہوتا ہے۔ لہذا کسی شاہزادی کی سواری آتی ہوئی دیکھ کر لوگ خود راستہ سے الگ ہو جاتے ہیں۔ آگے آگے چھڑکاؤ ہوتا جاتا ہے اور سواری آہستہ آہستہ چلتی ہے۔ یہ پالکی میں سوار ہوتی ہیں جس پر کوئی قیمتی کپڑا یا طلائی جھنکار پڑا رہتا ہے۔ کبھی اس پالکی کے غلاف میں جواہرات یا آئینہ کے ٹکڑے جڑے رہتے ہیں۔ خواجہ سرا جو پالکی کے قریب ہوتے ہیں۔ مور کے پروں سے مروحہ جنبانی کرتے ہیں جو طلائی دستوں میں لگے رہتے ہیں۔ کچھ آدمی سونے چاندی کے عصائیں لئے پالکی کے آگے ہٹو بچو کی صدا دیتے چلے جاتے ہیں۔ پالکی کے نزدیک مختلف اقسام کی خوشبوئیں بھی ہوتی ہیں۔

زوجہ جعفر خاں کے ہمراہ بھی اسی قسم کا جلوس رہتا تھا جو شاہجہاں کی آشنا تھی۔

اگر اتفاقیہ کوئی امیر مع اپنے جلوس کے سڑک پر ملجاتا ہے تو دربار شاہی میں اپنا مرتبہ

پیدا کرنے کی غرض سے تعظیماً راہ سے علیحدہ سواری سے اُتر کر دست بستہ کم و بیش دو سو قدم کے فاصلہ پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جب بیگم کی سواری نزدیک آتی ہے تو جھک کر تسلیم کرتا ہے۔ بیگمیں کسی امیر یا درباری کی عزت افزائی کی غرض سے کامدار تھیلی میں جس پر کچھ جواہرات بھی جڑے ہوئے ہوتے ہیں پانوں کی گلوریاں روانہ کرتی ہیں۔ جو ان گلوریوں کے لینے سے انکار کرتا وہ دھکے دیکر باہر نکال دیا جاتا۔

اس شہزادی نے اپنی یادقایم رکھنے کے لئے قلعہ اور شہر کے درمیانی میدان میں ایک سرائے[لہ] تعمیر کرائی۔ یہ ہندوستان بھر میں سب سے خوبصورت اور خوش قطع سرائے ہے۔ اوپر کی منزل میں طرح طرح کی نقاشی کی گئی ہے۔ سرائے کے متعلق ایک باغ بھی ہے۔ اس سرائے میں سوائے ایرانی اور مغل تاجروں کے اور کوئی قیام نہیں کرتا۔ بادشاہ بھی اپنی پیاری بیٹی کی تعمیر کردہ سرائے کو دیکھنے گیا اور بہت تعریف کی۔ سعد اللہ خان نے خوشامدانہ یہ شعر پڑھا

اگر فردوس بر روئے زمین است ہمین است و ہمین است و ہمین است

شاہجہاں کا سب سے بڑا فرزند داراشکوہ تھا۔ یہ نہایت معزز، خندہ پیشانی، خوشرو، خوش خلق، خوش تقریر، معمول سے زیادہ سخی، رحم دل تھا لیکن خودرائے ہونے کی وجہ سے یہ اپنے آپ کو تمام امور میں واقف اور قابل خیال کر کے کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت نہ سمجھتا تھا۔ جو اُس کو کسی قسم کی صلاح دیتا اُس کو ہمیشہ یہ حقیر خیال کرتا۔ اس لئے اس کے خاص الخاص احباب بھی کسی ضروری معاملہ کی اطلاع دینے کی جرأت نہ کرتے۔ تاہم اسکا منشاء خاطر آسانی سے معلوم ہو جاتا تھا۔ اس نے یہ فرض کر لیا تھا کہ اس کا طالع ضرور یاور ہوگا اور اسے ہر شخص عزیز رکھتا ہے۔ یہ بھی رقص و سرود کا دلدادہ تھا۔ یہ ایک رقاصہ مسمی بہ رانا دل پر عاشق ہو گیا اور اس کا عشق اس درجہ بڑھا کہ جب شاہجہاں نے اسکے ساتھ عقد

لہ برنیر نے اپنے سفرنامہ میں اس سرائے کا مفصل حال لکھا ہے۔ یہ سرائے دہلی میں اس جگہ تھی جہاں اب وکٹوریہ گارڈن (ملکہ کا باغ) ہے۔ (کار اسٹیفن آرکیولاجی)

کرنے کی ممانعت کی تو یہ جان دینے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ حالت دیکھ کر مجبوراً بادشاہ نے اجازت دیدی
اور اس نے اس رقاصہ سے شادی کرلی اور شاہزادیوں کی طرح اسکی عزت کیجاتی تھی۔ رانا دل
بھی دارا پر دل و جان سے فدا تھی اور بیحد محبت کرتی تھی جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا۔

دارا کو نقالوں کے ساتھ خاص دلچسپی تھی اور وہ بھی اس کے خوش کرنیکے لئے طرح طرح
کی نقلیں اور ظرافتیں ایجاد کرتے رہتے تھے۔ پر تکلف لباس پہن کر اور چند ہمراہیوں کو لیکر وہ
شہزادہ کے دربار میں حاضر ہوتے تھے۔ اگر کوئی شخص سپاہیوں میں نوکری کرنیکے واسطے آتا
تو یہ پہلے اپنے سامنے بلا کر اس کی خواہش دریافت کرتے اور شہزادہ سے بہت کچھ تعریف
کرنے کے بعد امیدوار کو اپنی لسانی سے اس بات پر راضی کرتے کہ وہ چاروں ہاتھ پاؤں
سے مثل چوپایوں کے شہزادہ کے سامنے حاضر ہو۔ اور ساتھ ہی اس کو یقین دلاتے کہ اگر وہ اس
طرح شہزادہ کے سامنے حاضر ہوگا تو دو چند تنخواہ ملیگی۔ ان نقالوں کو اکثر ایسے بیوقوف بھی ملجاتے
جو ان کے کہنے پر عمل کر کے اسی طرح شہزادہ کے دربار میں حاضر ہوتے اور دارا بہت خوش ہوتا۔

لیکن ایک خاص دل لگی جو انہوں نے کی وہ یہ تھی کہ انہوں نے چھوٹے درجے کے
سپاہیوں سے رسم و راہ پیدا کی۔ اور آپس میں گفتگو کر کے یہ تجویز کرنے لگے کہ ان سپاہیوں کو کس
طرح فائدہ پہنچایا جائے۔ اثنائے گفتگو میں ان میں سے ایک نقال نے اپنے آپ کو
شہزادہ کا حکیم ظاہر کیا اور ایک سپاہی سے دریافت کیا کہ وہ کیا بیمار ہے؟ سپاہی نے علیل
ہونے سے انکار کیا۔ نقال نے پھر باصرار کہا کہ اس کو ایسا سخت مرض ہے کہ اگر علاج نہ کیا گیا تو
بہت جلد سپاہی قطعی اندھا ہو جائیگا۔ یہ سنکر سپاہی کو اضطراب ہوا اور اسے اپنی بیماری کا یقین ہو گیا
مگر نقال نے لسانی کے ساتھ اس کی بہت تشفی کی اور اسے یقین دلایا کہ دواؤں کے دھوئیں
سے اس کا بہت اچھی طرح علاج کر دیا جائیگا۔ چنانچہ نوکروں نے سپاہی کو ایک کوٹھری میں لیجا کر
کمر سے تلوار باندھی۔ ڈھال و ترکش کاندھے پر لگا کر اسے مسلح کیا۔ اور ایک بڑے خم میں دھواں
بھر کر سپاہی کو اس میں بٹھا کر منہ بند کر دیا اور تاکید کر دی کہ اس میں خاموش بیٹھا رہے۔

دو آدمی اُس مٹکے کو دارا شکوہ کے دربار میں لائے۔ جب مٹکے کا مُنہ کھولا گیا تو اُس میں سے وہ مسلح سپاہی برآمد ہوا جو اس عظیم الشان دربار کو دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ تمام حاضرین دربار ہنسنے لگے اور سپاہی شرما کر وہاں سے بھاگ گیا۔ شہزادہ بھی بہت خوش ہوا۔ مگر اہل الرائے اصحاب کو یہ دیکھ کر حیرت تھی کہ ایک چالیس سالہ شہزادہ جس کو سلطان ہند ہونے کی بھی امید ہے اس قسم کی طفلانہ حرکت کرے۔ دارا اہل یورپ کو بہت پسند کرتا تھا۔ ہر شخص اسے لامذہب سمجھتا تھا۔ مسلمانوں کے سامنے وہ مذہب اسلام کی، یہودیوں اور ہندوؤں کے سامنے اُن کے مذہب کی تعریف کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اورنگزیب اُسے کافر کہا کرتا تھا۔ عیسائی پادریوں کے ساتھ وہ اکثر مذہبی گفتگو کیا کرتا اور مسلمان عالموں سے اُن کا مناظرہ کراتا۔ کبھی وہ سرمد[1] سے بھی بحث کرتا جو نسلاً یہودی اور مذہباً دہریہ تھا۔ یہ شخص ہمیشہ برہنہ رہتا تھا۔ جب شہزادہ کے دربار میں آتا تو صرف کاندھوں پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتا تھا۔ دارا اسے بہت پسند کرتا تھا۔ دارا پادریوں کے مباحثے دلچسپی سے سنتا۔ مرے وقت میں تین پادری دارا کے درباریوں میں داخل تھے۔ ۱۔ اسٹے نیلس مل پیکا (Estanilas Malpica) ۲۔ پیڈرو جزرٹ ساکن پرتگال (Pedro Juzarte) ۳۔ ہنری کوئس بزو (Henri-Bouques Buzeo) آخر الذکر پادری کو دارا بہت عزیز رکھتا تھا۔ اور جتنی مرتبہ وہ دربار میں آتا ہر دفعہ پچاس روپیہ مع دو دو شالوں کے اُسے دیئے جاتے۔ اس پادری کی تمام درباری بھی عزت کرتے تھے۔ آئندہ کسی موقع پر میں پھر اس کا ذکر کرونگا۔ کئی موقعوں پر دارا نے ان پادریوں کے ساتھ شراب بھی پی۔ کیونکہ شہزادہ کو شراب پینے کا شوق تھا مگر سلیقہ اور ہوشیاری کے ساتھ۔

[1] سرمد ایک فقیر مشہور ہے جو عالمگیر کے حکم سے قتل کیا گیا۔ جیسا ناظرین کو آئندہ معلوم ہوگا۔ اسکی قبر جامع مسجد دہلی کی کے مشرقی دروازہ کے پاس زیارتگاہ خاص و عام ہے۔ مسلمانوں کا ایک فرقہ (اہل سنت والجماعت) سرمد کو اولیاء اللہ اور مقربان خدا میں شمار کرتا ہے۔ مگر مصنف نے اسے دہریہ لکھا ہے اور ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان دونوں میں کس کی غلطی ہے۔

دارا نجین کا بیحد معتقد تھا اور متعدد نجومی اسکے ملازم تھے۔ سب سے بڑا نجومی بھوانی داس تھا۔ جسے میرے ساتھ نہایت خلوص تھا اور میرے ساتھ شراب پیا کرتا تھا۔ اس نے ایک پیشینگوئی تحریر کرکے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال لیا۔ اُس کا مضمون یہ تھا کہ "دارا یقینی طور سے بادشاہ ہوگا"۔ ایک دن برسبیل تذکرہ میں نے اس نجومی سے کہا کہ تم نے اس کاغذ پر دستخط کرنے کی کیوں جرات کی؟ اگر ایسا وقوع میں نہ آیا اور دارا بادشاہ نہ ہوا تو تمہارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ نجومی میرے اس سوال پر بہت ہنسا اور کہا کہ "اگر دارا بادشاہ ہوگیا تو مجھے بہت کچھ انعام ملیگا اور ہمیشہ میرا ممنون رہیگا۔ لیکن برخلاف اس کے اگر وہ بادشاہ نہ ہوا تو اُسے اپنی ہی جان بچانی مشکل ہوگی اور مجھ سے جواب طلب کرنے کا اُسے موقع ہی نہ ملیگا"۔

داراشکوہ کے دو لڑکے تھے جن میں سلیمان شکوہ بڑا اور سپہر شکوہ چھوٹا تھا۔ یہ دونوں اُس بیگم کے بطن سے تھے جو شاہی خاندان سے تھی۔

جب شاہجہاں نے ہر شاہزادہ کو الگ الگ ملک دینا چاہا تو اُس نے دارا کو اپنے پاس رکھا اور صوبجات کشمیر، لاہور، کابل دارا کے نامزد کئے۔ اسکے سوا بوجہ اُس محبت خاص کے جو شاہجہاں کو اُس کے ساتھ تھی کئی اعزاز اور رعایتیں مرحمت کیں۔ جیسے کہ جب چاہے دارا ہاتھیوں کی لڑائی کرائے۔ اپنے ساتھ طلائی و نقرئی عصا رکھ سکتا تھا جو محض بادشاہ کے لئے مخصوص تھے اور کسی امیر کو اجازت نہ تھی۔ شاہجہاں نے اپنی شفقت و محبت کا اس طرح بھی اظہار کیا کہ ایک چھوٹا تخت تیار کرا کر اپنے تخت کی برابر رکھا تاکہ بروقت دربار دارا اُس پر بیٹھا کرے۔ مگر یہ ظاہر کرنا بھی مناسب ہے کہ دارا اپنے باپ کا اس قدر ادب کرتا تھا کہ کبھی اس تخت پر نہ بیٹھتا۔ شاہجہاں کا تمام درباریوں کو یہ حکم تھا کہ صبح کے سلام کیلئے وہ سب اول داراشکوہ ولیعہد کے پاس حاضر ہوا کریں اُس کے بعد بادشاہ کی حضور میں حاضر ہوں۔ بادشاہ نے کئی موقعوں پر ظاہر کیا کہ اُس کا جانشین اور ولیعہد داراشکوہ ہے اور حتی الامکان وہ اُسے بادشاہ بنانے کی کوشش کریگا مگر یہ سب پروردگار کے قبضہ میں ہے

انہیں وجوہات سے دارا مغرور ہوگیا اور امرا و درباریوں کی الفاظ و اعمال سے توہین کرتا تھا اور اُن کی عزت کا کچھ لحاظ نہ رکھتا۔ ایک مرتبہ مہابت خان کے کسی سپاہی نے دارا کے ایک ملازم کو قتل کر دیا۔ یہ سنکر دارا اس قدر غصہ سے برانگیختہ ہوا کہ بلا تحقیقات کئے اُس نے فوج کی کمر بندی کرا دی اور حکم دیا کہ مہابت خان کو پکڑ کر اُس کے سامنے قتل کیا جائے۔
مہابت خان بھی اپنے مکان پر مقابلہ کے واسطے تیار ہو گیا۔ جب شاہجہاں کو اس معاملہ کی خبر ہوئی تو اُس نے داراشکوہ کو طلب کر کے سمجھا بجھا کر اس ارادہ سے باز رکھا۔ اور کہا کہ اگر سپاہی آپس میں اسطرح لڑیں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ افسران فوج اپنے اپنے سپاہیوں کا ساتھ نہ دیں۔ اس کے بعد مہابت خان دارا سے کبھی صاف نہ ہوا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ضرورت کے وقت اس نے دارا کو امداد دینے سے پہلو تہی کی جیسا آیندہ بیان کیا جائیگا۔

افواہاً یہ بھی سُنا گیا کہ دارا نے سعد اللہ خان وزیر کو زہر دلوا کر قتل کرا دیا جو نہایت صاحب تدبیر تھا اور بادشاہ و درباری اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ مگر یہ اورنگ زیب کا طرفدار تھا۔ اسی طرح دارا نے راجہ جے[۵۱] سنگھ کی بھی توہین کی جو ایک زبردست راجہ تھا اور جس کے پاس چالیس ہزار سوار اور پچاس ہزار پیدل فوج تھی۔ دارا نے جے سنگھ کو دیکھ کر کہا کہ وہ ڈوم یا ڈھاڑی معلوم ہوتا ہے۔ یہ پیشہ ہندوستان میں نہایت ذلیل خیال کیا جاتا ہے اور نقال وغیرہ سب اسی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ بظاہر راجہ نے ضبط سے کام لیا مگر انتقام لینے کے لئے اُس وقت کا منتظر رہا جب کبھی دارا کو اُس کی ضرورت ہو۔ چنانچہ اُس نے ایسا ہی کیا جیسا آیندہ معلوم ہوگا۔

ان حرکات سے بھی دارا کی طبیعت سیر نہ ہوئی اور بڑے جنگجو سپاہی میر[۵۲] جملہ کے ساتھ

---

۵۱ جے سنگھ (مرزا راجہ) کچھواہا راجہ امبیر تقریباً ۱۶۰۵ء میں پیدا ہوا اور ۱۶۱۷ء میں گدی نشین ہوا ۱۶۶۷ء میں انتقال کیا۔

۵۲ میر محمد سعید مشہور بہ میر جملہ اردستان کا سید۔ بعدہ اسے معظم خاں خانخاناں سپہ سالار کے خطابات دیئے گئے۔ اس نے بنگالہ میں ۲ رمضان ۱۰۷۳ھ ہجری (۱۰ اپریل ۱۶۶۳ء) کو وفات پائی۔ (مآثر الامرا)

بھی اُسنے تمسخر کیا جبکہ وہ اُسکے باپ کے دربار میں حاضر ہوا۔ دارا نے اپنے چالاک ہمراہیوں سے کہا (جنکی کافی تعداد ایسے ہی کاموں کیلئے اُسکے ساتھ رہتی تھی) کہ جسوقت میر جملہ داخل دربار ہو تو اُنکی تلوار جُرا لیجائی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کئی مرتبہ دارا نے نقالوں سے میر جملہ کی رفتار و حرکات کی بہ نظر تضحیک نقلیں کرائیں۔ دارا نے میر جملہ کی توہین کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا اور مطلق اس بات کا لحاظ نہ کیا کہ محض اُسکے باپ شاہجہاں کی وجہ سے اس نے اپنے آقا شاہ گولکنڈہ سے بغاوت اختیار کی تھی۔ جیسا کہ میں آیندہ بیان کرونگا۔ جب میر جملہ گولکنڈہ کو فتح کرنے کی غرض سے روانہ دکن ہوا تو اُس کی روانگی سے تین روز پہلے دارا نے رشوت دیکر اس سے انگریز گولندازوں کو الگ کر لیا جو میر جملہ کے ملازم تھے۔ میر جملہ اگرچہ تمام باتوں سے واقف تھا مگر اس آخری چالاکی تک اُس کی عقل نہ پہنچی۔ اور وہ ایسی تدابیر سوچتا رہا کہ یہ انگریز پھر اُسکے ملازم ہو جائیں۔ یہ بات اُس وقت ظاہر ہوئی جب آیندہ اورنگ زیب نے میر جملہ کو آسام فتح کرنے کے لئے مامور کیا اور یہ انگریز پھر اُس کے ملازم ہوئے جیسا آیندہ بیان ہوگا۔

شاہجہاں کا ایک سردار فوج دارا کا دوست نہ تھا۔ ایک رات وہ اپنے بستر پر سر بریدہ پایا گیا۔ اور عام طور سے شہرت تھی کہ دارا کے اشارہ سے ایسا ہوا ہے۔ دارا تمام امرائے دربار اور سپہ سالاروں کی تحقیر کرنیکے لئے برق انداز خاں[۱۵] کی مبالغہ کے ساتھ تعریف کیا کرتا تھا یہ ایک سپاہی تھا جسے دارا نے اپنے رسالہ کا افسر کر دیا۔ صرف اس لئے کہ ایک یوم شہزادہ کے سونے کے کمرہ پر بیٹھا ہوا تھا اور اُس نے اُسے مار ڈالا۔ دارا کا قول تھا کہ تمام سلطنت میں یہ سب سے زیادہ بہادر ہے۔ اور یہ دارا کے دشمن ہر شہزادہ کو فنا کرنے کے لئے کافی ہے۔ تمام سپہ سالاروں کی مجموعی قوت بھی اسکی شجاعت کی برابری نہیں کر سکتی۔ اس قسم کی مبالغہ آمیز

---

۱۵ جعفر خان نام برق انداز خان خطاب دارا شکوہ کے رسالہ کا افسر تھا ۲۶ سنہ جلوس شاہجہانی (۵۳-۱۶۵۲ء) میں اسے منصب و خطاب مذکور عطا ہوا۔ ۱ سنہ جلوس عالمگیری میں بھی منصب برقرار رکھا گیا ۸ سنہ و ۱۳ سنہ جلوس عالمگیری میں یہ دکن میں متعین ہوا۔ ماثر الامرا میں سموگڑھ کی لڑائی میں بھی اس کی موجودگی لکھی ہے۔

تعریف و ثنا اور سرداروں کو ناگوار ہوتی تھی اور اسی لئے سب بددل تھے۔ اور یہی تمام باتیں دارا کی خرابی اور موت کا باعث ہوئیں۔ اگر دارا ضبط و خودداری سے کام لیتا تو وہ ضرور شاہ ہندوستان ہوتا۔

شاہجہاں کا دوسرا فرزند شاہ شجاع تھا۔ وہ باوجود متکبر ہونے کے نہایت دلیر مستقل مزاج، انجام بین تھا۔ اُسے لوگوں کو دوست بنانے میں خاص ملکہ تھا تاکہ بروقت ضرورت وہ اسکی مدد کر سکیں۔ دربار شاہی میں ہمیشہ خصوصاً جب یہ بنگالہ میں تھا اس کی طرف سے بہت سے نائب اور قائمقام رہتے تھے جن کا یہ کام تھا کہ دارا کے یہاں جو بہترین سپاہی گولنداز انجینیر وغیرہ ہوتے تھے۔ اُن کو روپیہ دیکر یا اضافہ تنخواہ کا وعدہ کر کے بہکایا کرتے تھے علاوہ ان کے راجہ جسونت سنگھ راٹھور سے بھی اس کی بڑی دوستی تھی جو دارا شکوہ کا رفیق تھا۔ حرم سرا میں اس کی بہن جہاں آرا[له] بیگم اس کی طرفدار تھی اور تمام باتوں کی اس کو اطلاع دیتی رہتی تھی۔ اس شہزادی کی نسبت میں زیادہ لکھنا نہیں چاہتا سوائے اسکے کہ یہ نہایت مغرور مغلوب الغضب، حاسد، بخیل تھی اور اپنے آپ کو بہت عقلمند خیال کرتی تھی۔ علاوہ اسکے صورت دار بھی نہ تھی۔

شاہ شجاع مثل اپنے باپ کے موسیقی اور عورتوں کا بہت شایق تھا۔ کئی کئی دن تک وہ باہر نہ آتا اور عورتوں میں مشغول رہتا تھا۔ شراب بکثرت پیتا اور طوائفوں اور کسبیوں پر بہت روپیہ خرچ کرتا۔ ان کو قیمتی جواہرات اور بیش قیمت لباس عطا کرنیکے علاوہ بلا لحاظ کسی

له یہ نام اصل کتاب میں اس طرح لکھا ہے (Genoura Begom) جسکو مترجم انگریزی اور میں نے بھی جہان آرا بیگم پڑھا۔ مترجم انگریزی نے حاشیہ دیا ہے کہ یہ نام سمجھ میں نہیں آتا کیونکہ جہان آرا بیگم تو اسلئے نہیں ہو سکتا کہ وہ دارا کی طرفدار تھی۔ دختران شاہجہاں کے نام مترجم انگریزی نے یہ لکھے ہیں:۔ پریز بانو بیگم، جہان آرا بیگم، روشن آرا بیگم ثریا بیگم۔ مگر کتاب ادماق مغل و دیگر تواریخ میں بجائے ثریا بیگم کے گوہر آرا بیگم لکھا ہے۔ میری رائے میں یہ نام گوہر آرا بیگم ہو چونکہ اصلی کتاب بزبان اٹلی وغیرہ لکھی گئی اس لئے ایسی غلطی کا ہونا غیر ممکن نہیں ہے۔

امر کے صرف نمود و نام کے لئے تنخواہوں کا اضافہ کرتا تھا۔ وہ اپنے آپ کو ایسا دلیر و شجاع سمجھتا تھا کہ وہ ہر مخالف پر فتحیاب ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے اپنے مخالفین کو حقیر و ناچیز خیال کر کے وقت پر اس نے بہت سی باتوں سے بے پرواہی کی۔

سب سے پہلے اس نے اپنے باپ سے بغاوت کی جیسا آیندہ معلوم ہوگا بعض کا یہ خیال ہے کہ مثل ایرانیوں کے یہ مذہب شیعہ کا پابند تھا۔ حالانکہ مغل اور اہل بخارا، بلخ، سمرقند، کاشغر، ترکستان وغیرہ سنّی ہیں۔

جب شاہ شجاع حاکم بنگالہ تھا تو راج محل اس کا دارالحکومت تھا۔ اس کے بغاوت کرنے سے چند سال قبل ایک غیر معمولی واقعہ پیش آیا جسکی اطلاع شاہجہاں کو کی گئی۔ صبح کے آٹھ بجے راج محل کے قریب ایک میدان میں جو ڈیڑھ فرسخ چوڑا ہے بے تعداد چھوٹے اور بڑے سانپ ظاہر ہوئے۔ یہاں تک کہ تمام میدان ان سے پُر ہوگیا اور چار بجے شام تک وہ مشرق سے مغرب کی طرف جاتے رہے۔ بوجہ خوف تمام دیہات کے باشندے مکانوں کی چھتوں اور درختوں پر چڑھ گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان سانپوں کے مجمع کے درمیان میں ایک بڑے سانپ پر دوسرا چھوٹا سفید سانپ سوار ہے۔ یہ تمام سانپ کسی کو نقصان پہنچائے بغیر چلے جاتے تھے۔ شہر کے قریب اور مضافات میں بہت سے سانپ رہ گئے جو اپنے ساتھیوں سے چھوٹ جانے کی وجہ سے مر گئے۔ اس واقعہ کو سنکر شاہجہاں نے نجومیوں سے دریافت کیا اور انہوں نے کہا کہ سلطنت کی نحوست دفع ہوگئی اور بادشاہ بہت سالوں تک خوشحالی کے ساتھ حکومت کریگا۔

شاہ شجاع نے بھی اپنے نجومیوں سے سوال کیا اور انہوں نے جواب دیا کہ سلطنت میں بغاوت ہوگی اور شاہ شجاع بادشاہ ہوگا۔ انہوں نے یہ بھی بیان کیا کہ چھوٹا سانپ جو بڑے سانپ پر سوار تھا وہ سانپوں کا بادشاہ تھا جس کا زمانہ سلطنت ختم ہوگیا اور اس لئے وہ اپنی جائے سکونت کو چھوڑ کر چلا گیا۔ اس واقعہ سے لوگ بہت خائف تھے اور طرح طرح سے

اس کو بیان کرتے تھے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں نے نہایت یقین کے ساتھ مجھ سے بیان کیا کہ جو نجومیوں نے کہا ہے ضرور ایسا ہوگا۔ اگرچہ شاہ شجاع کا بادشاہ ہونا قرین عقل خیال نہ کرتے تھے۔ شاہ شجاع کی بغاوت کا اصلی سبب یہی واقعہ تھا۔

شاہجہاں کا تیسرا پسر شاہزادہ اورنگ زیب موجودہ فرمانروائے ہندوستان ہے یہ اوضاع واطوار میں اپنے اور بھائیوں سے مختلف تھا۔ یہ اپنے تمام معاملات کو عقلمندی کے ساتھ رازدارانہ طریقہ سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ یہ ہر وقت کسی نہ کسی معاملہ کی نسبت غور وخوض کرتا رہتا تھا۔ یہ انصاف اور عام پسند فیصلہ کرنے کی کوشش کرتا۔ اور اس بات کا خواہش مند رہتا کہ دنیا اسے عقلمند ہوشیار اور راستی پسند خیال کرے۔ اگرچہ یہ کم فیاض تھا مگر مناسب موقعوں پر انعام ومعافی وغیرہ عطا کرنے میں دریغ نہ کرتا تھا۔ سب سے بالاتر یہ بات تھی کہ عرصہ دراز تک اس نے درویشی کا بہانہ کرکے دنیا کو ترک کر دیا تھا اور سلطنت سے دست بردار ہو کر اپنی زندگی عبادت ونفس کشی میں بسر کرنے کا ارادہ کر لیا تھا۔

تاہم جب یہ دکن میں تھا تو اپنی ہمشیرہ روشن آرا بیگم کی معرفت اپنے دعاوی دربار شاہی میں پیش کرنے سے باز نہیں رہا جو نہایت خفیہ طور سے عقلمندی کے ساتھ پیش کئے جاتے تھے تاکہ اُس کے بھائیوں کو معلوم نہ ہو۔ اورنگ زیب کو اس کا علم تھا کہ شاہجہاں اُس سے محبت نہیں رکھتا اور ممکن ہے کہ وہ اسے دکن سے ہٹا دے۔ اس لئے یہ بیحد اظہار اطاعت کرتا۔ شاہجہاں کو چونکہ فقیر اور سیبوں کا واقعہ یاد تھا اس لئے اُسے اورنگ زیب کی اطاعت کا نہ یقین تھا اور نہ کچھ توجہ کرتا تھا۔ علاوہ اس کے داراشکوہ نے کئی مرتبہ شاہجہاں سے عرض کیا تھا کہ اُسے اپنے کسی بھائی کا خوف نہیں ہے البتہ ان نماز گذار صاحب سے سخت اندیشہ ہے۔

ترک دنیا کے پردہ میں اس نے بہت آدمیوں کو دھوکا دیا اور بہت سے درویشوں اور فقیروں کو اپنا گرویدہ کر لیا۔ جن کے ساتھ یہ نہایت خلوص کا برتاؤ کرتا تھا اور وہ جاسوسی

کی خدمات انجام دیتے اور ہر بات کی اسے اطلاع کرتے رہتے۔ یہ ایسا عیار تھا کہ ہوشیار سے ہوشیار آدمیوں کو جن میں یہ فقیر بھی شامل تھے دھوکہ دینے سے نہیں چوکا۔ اسے معلوم ہوا کہ اکثر فقیروں کے پیوند دار کپڑوں اور گدڑیوں میں روپیہ پوشیدہ رہتا ہے۔ برہان پور میں اس نے منادی کرادی کہ تمام فقیر ایک خاص موقع پر جمع ہوں جہاں اُنکی دعوت کی جائیگی علاوہ اسکے ہر ایک کو زر نقد اور لباس بھی دیا جائیگا۔ یہ سُنکر فقیروں کی کثیر تعداد جمع ہوگئی۔ کھانا کھلانے کے بعد روانگی کے وقت ہر ایک کو نیا لباس دیا گیا اور پُرانے کپڑے جو اُسکے پاس تھے وہ لیلئے گئے۔ جب فقیروں کو اپنے نقصان کا اندازہ ہوا تو انہوں نے چلّانا شروع کیا کہ وہ اپنے مقدس کپڑے دینا نہیں چاہتے۔ بعضوں نے ظاہر کیا کہ اُنہوں نے عہد کیا ہے کہ مرتے دم تک وہ لباس تبدیل نہ کریں گے۔ اُن کے عذرات پر کچھ لحاظ نہیں کیا گیا اور لباس چھین کر نکال دیئے گئے۔

اورنگ زیب کے حکم سے جب ان کپڑوں کی تلاشی لی گئی تو طلائی سکوں کی تعداد کثیر برآمد ہوئی۔ اس رقم سے اُس نے ایک مالائے مروارید خریدنی چاہی۔ اور اپنے اُستاد شیخ میر[۵] سے جو نہایت عقیل و فرزانہ تھا دریافت کیا کہ مالک ان موتیوں کی قیمت ایک لاکھ روپیہ طلب کرتا ہے یہ اس قدر کی مالیت ہے یا نہیں؟ شیخ میر نے بلا موتیوں کے دیکھے نیچی نظر کرکے جواب دیا کہ "اگر حضور ان سے بڑے موتی حاصل نہیں کرسکتے تو ضرور خرید فرمائیے مگر فدوی کی یہ صلاح ہے کہ اس رقم سے آپ سپاہی بھرتی کریں اور اُنکے ذریعہ سے آپ ان سے بڑے موتیوں اور دولت کثیر کے مالک ہوسکتے ہیں"۔ اورنگ زیب نے اس رائے پر عمل کیا اور شیخ میر کی دانشمندی کی تعریف کی۔

ظاہری درویشی کے علاوہ اورنگ زیب کو مولوی ہونے کا بھی دعویٰ تھا اور تبلیغ

۵؎ شیخ میر خافی ابن میر محمد خان خافی ۱۰۶۹ھ (۱۶۵۹ء) مقام اجمیر بمقابلہ دارا شکوہ مارا گیا۔ یہ امرائے عالمگیری سے تھا۔ (ماثر الامرا و تاریخ محمدی)۔

مذہب بھی کیا کرتا۔ چنانچہ جب یہ اورنگ آباد میں تھا تو اس کے ساتھ ایک راجپوت راجکمار بھی تھا۔ اورنگ زیب اس امید پر کہ شاید یہ مسلمان ہو جائے اکثر اس سے مذہبی مناظرہ کیا کرتا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر کہ راجپوت اپنے مذہب پر قائم ہے اورنگ زیب نے کہا کہ اگر ہندوؤں کا مذہب حق ہے تو راجکمار اپنے ہاتھ میں سرخ گرم لوہا لیلے اگر کچھ نقصان نہ ہوا تو پھر اورنگ زیب بھی یہی مذہب قبول کرے گا۔

راجپوت نے اس بات کو منظور کر لیا۔ اور جب گرم لوہا اس کے ہاتھوں پر رکھا گیا تو وہ برداشت نہ کر سکا اور گھبرا کر اس نے وہ لوہا اورنگ زیب کے خیمہ پر پھینک دیا جو بالکل قریب تھا خیمہ مذکور میں آگ لگ گئی اور جل کر خاک ہو گیا۔ راجہ کے ہاتھ زخمی ہو گئے۔ اس نے اورنگ زیب سے عرض کیا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے ہم دونوں نے غلط راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ کیونکہ گرم لوہے سے میرے ہاتھ اور حضور عالی کا خیمہ جل گیا"۔ اس پر بھی اورنگ زیب نے اپنی عادت کو نہ بدلا۔ اور ہندوں و عیسائیوں کو مسلمان ہو جانے کی تحریک کیا کرتا تھا جن چند لوگوں نے اس کے کہنے سے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا اُن میں کچھ اپنی ترقی چاہتے تھے اور بعض ملازمت یا روپیہ حاصل کرنے کے خواہشمند تھے۔

ایک رقاصہ اورنگ زیب کی حرم سرا میں داخل تھی اس پر یہ بیحد مائل تھا۔ یہانتک کہ اکثر اُسکے گانا سُننے اور ناچ دیکھنے میں مصروف رہا اور نماز و وظائف ترک کر دیئے۔ اس سے زیادہ یہ امر ہے کہ رقاصہ مذکورہ کے اصرار پر اس نے شراب بھی پی۔ جب یہ رقاصہ مر گئی تو اورنگ زیب نے شراب پینے اور گانا سُننے سے توبہ کر لی۔ اور کچھ زمانہ بعد وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ یہ خدا کی رحمت تھی کہ رقاصہ مر گئی۔ جس کے باعث سے ایسے گناہ سرزد ہوئے جو اگر قایم رہتے تو ہرگز مجھ میں حکمرانی کی قابلیت نہ رہتی۔

جس زمانہ میں اورنگ زیب دکن میں تھا تو ایک شخص میر جملہ ایرانی الاصل شاہ گولکنڈہ کا وزیر اور سپہ سالار تھا۔ میر جملہ ایک ایرانی سوداگر کی ملازمت میں گولکنڈہ آیا جو ایرانی گھوڑے

یہاں فروخت کرنے کیلئے لایا تھا۔ میر جملہ کوچہ بکوچہ اور در بدر پھر کر جوتے فروخت کیا کرتا تھا اس کی قسمت نے یاوری کی اور رفتہ رفتہ یہ بڑا اور مشہور سوداگر ہوگیا۔ بوجہ دولتمند اور فیاض ہونیکے دربار میں اسکے بہت سے ایسے دوست پیدا ہوگئے جو اسکے فائدہ کا خیال رکھتے میر جملہ نے شاہ گولکنڈہ کی حضور میں چند ہاتھی اور مختلف اقسام کے انگریزی اور چینی کپڑوں کے تھان بطور تحفہ پیش کئے۔ اور اس طرح اُس نے معقول تنخواہ کا عہدہ حاصل کیا۔ بعدہ یہ مختلف معزز عہدوں پر رہا اور نہایت دیانت و مستعدی سے خدمات انجام دیں۔ شاہ گولکنڈہ نے اس کے کام سے خوش ہوکر اسے کرناٹک کا ناظم کردیا۔ وہاں اس نے بہت ربط وضبط اور ہر دلعزیزی حاصل کی۔ ڈوم فلپ[۱] میس کرینہا (Dom Fillipe Mascarenhas) وائسرائے گوا سے بھی اس کی بڑی دوستی تھی۔ اور ایک دوسرے کو تحفے اور ہدیئے بھیجتے تھے۔ ڈوم فلپ نے ایک مرتبہ کچھ چینی کے برتن و کمخواب اور جاپان کی بنی ہوئی عجیب اشیا مع چار آئینہ خود و تلوار کے روانہ کیں۔ میر جملہ کو یہ تحائف بہت پسند آئے اور لڑائی کے موقع پر اکثر اس نے انکا استعمال کیا۔ میر جملہ نے ان تحائف کے بدلے میں کچھ جواہرات اور ہیرے روانہ کئے جو کرناٹک کی کان سے نکلے تھے۔ حکومت کرناٹک کے زمانہ میں میر جملہ نے بیحد دولت ہندؤں کے پرانے مندروں سے حاصل کی۔ علاوہ اسکے میر جملہ کی کوشش سے جواہرات کی کانیں دریافت ہوئیں جن کے لئے یہ صوبہ مشہور ہے۔

علاوہ شاہ گولکنڈہ کے سپاہیوں کے اسکا ذاتی لشکر اور توپخانہ تھا جس میں یورپین گولنداز ملازم تھے۔ اسی وجہ سے دربار میں اسکے بہت حاسد پیدا ہوگئے اور یہ لوگ بادشاہ کو اسکی طرف سے بدظن کرنے میں کامیاب ہوئے۔ شاہ نے مشتبہ ہوکر چاہا کہ میر جملہ کو برمی سے علیحدہ

۱؎ ڈوم فلپ میس کرینہا ۱۰ اپریل ۱۶۴۴ء کو وائسرائے نامزد ہوا اور ۱۶ ستمبر ۱۶۴۴ء کو سیلون میں اپنے عہدہ کا چارج لیا۔ ۳۰ دسمبر ۱۶۴۵ء کو وائسرائے گوا ہوا۔ ۲۱ مئی ۱۶۵۱ء کو یہ اس عہدہ سے علیحدہ ہوا۔

کردے تاکہ اُس کی دولت آسانی سے قبضہ میں آجائے۔ مگر شاہ گولکنڈہ میر جملہ کے حاسدوں سے یہ بات سنکر نہایت مشتعل ہوا کہ شاہ کی محبوبہ ملکہ سے اسکی آشنائی ہے۔ اگرچہ شاہ میر جملہ کی حاضری دربار کا منتظر تھا تاکہ اُس سے دریافت کرکے اطمینان کرے مگر تاہم وہ غصہ کو ضبط نہ کرسکا۔ اور میر جملہ کی نسبت سخت الفاظ کہے۔

ملکہ مذکور اور میر جملہ کے فرزند محمد امین خاں[۵] اور اُسکے دیگر رشتہ داروں نے میر جملہ کو تمام باتوں سے مطلع کیا۔ اُس نے اپنے لڑکے کو لکھا کہ جس طرح ہوسکے وہاں سے بھاگ کر یہاں آجائے تاکہ دونوں متحدہ قوت سے کام لیں۔ اگرچہ محمد امین خاں ہر وقت بھاگنے پر آمادہ اور تیار رہا مگر کوئی موقع نہ ملا کیونکہ شاہ اُسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

اس بات سے مطلع ہوکر کہ اُس کا لڑکا نہیں بھاگ سکتا میر جملہ نے خود شاہ اور سلطنت گولکنڈہ کو برباد کرنے کا ارادہ کرلیا۔ میر جملہ نے ایک عریضہ شہزادہ اورنگ زیب کی خدمت میں روانہ کیا جو اورنگ آباد میں گولکنڈہ سے پندرہ روز کی راہ پر موجود تھا۔ اس نے لکھا کہ "شاہ گولکنڈہ مجھے اور اُسکے خاندان کو تباہ کرنا چاہتا ہے۔ لہذا بندگان عالی کی پناہ چاہتا ہوں تاکہ شاہ مذکور کی دستبرد سے محفوظ رہوں۔ شاہ مذکور کی جو خدمات میں نے انجام دیں ہیں اُن سے تمام دنیا واقف ہے مگر اُن کو قطعی فراموش کردیا گیا۔ اگر شہزادہ میری صلاح اور نصیحت پر عمل کرے تو سلطنت گولکنڈہ نہایت آسانی سے مفتوح ہوکر حضور کے قبضہ میں آجائے گی۔ صرف چالیس ہزار منتخب سوار اس مہم کے لئے کافی ہونگے۔ مگر وہ بطور یلغار گولکنڈہ کو روانہ ہوں اور راستہ میں یہ ظاہر کیا جائے کہ کچھ ضروری معاملات شاہ گولکنڈہ سے طے کرنیکے لئے شاہ جہاں کا ایلچی جارہا ہے۔ شاہ گولکنڈہ کا وزیر چونکہ میرا رشتہ دار ہے لہذا پورے طور سے اُس پر بھروسہ اور اعتبار کرنا چاہیے۔ بندگان والا کے لئے صرف بعجلت روانہ ہونا کافی ہے۔ باقی معاملات

---

[۵] محمد امین خان نے مقام احمد آباد ۱۰ رجادی الثانی ۱۰۹۳ھ (۱۶ جون ۱۶۸۲ء) کو وفات پائی۔ (مآثر الامرا)

کا ایسا انتظام کیا جائیگا کہ قلعہ بھاگ نگر[۵] کے دروازہ پر پہنچنے کے وقت تک کسی کو ان باتوں کا علم نہ ہوگا۔ شاہ گولکنڈہ حسب معمول جس وقت شاہی فرمان لینے کے لئے آئیگا تو آسانی سے گرفتار کر لیا جائیگا۔ یہ غلام پچاس ہزار روپیہ روزانہ حاضر کریگا۔" اورنگ زیب نے جو اپنے باپ پر اعتبار جمانے اور توسیع سلطنت کا متمنی تھا میر جملہ کو جواب دیا کہ وہ بہت جلد اورنگ آباد سے روانہ ہوگا اور خط میں جو صلاح دی گئی ہے اُس کی حرف بحرف پابندی کیجائیگی۔ اسکے بعد اورنگ زیب نے گولکنڈہ کی طرف کوچ کر دیا۔

شاہ گولکنڈہ نے جب دیکھا کہ میر جملہ نے حاضری دربار کے احکامات کی تعمیل نہیں کی تو اُس نے محمد امین خان کی گرفتاری کا حکم دیا جب اُسے معلوم ہوا تو اپنے مکان میں پناہ گزین ہو کر مدافعت شروع کی اور تین روز تک شاہ گولکنڈہ کے سپاہیوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ اسکے بعد اورنگزیب بھاگ نگر پہنچ گیا مگر کسی کو ان معاملات کا علم نہوا سوائے اسکے کہ سب کو یہی معلوم تھا کہ شاہجہاں کا سفیر آیا ہے۔

جب شاہ گولکنڈہ کو اس کی اطلاع ہوئی تو حسب دستور وہ سفیر سے ملاقات کرنے اور شاہی فرمان لینے کے لئے اپنے باغ کی طرف روانہ ہوا۔ راستہ میں ایک جاسوس نے خبر کی کہ شاہ کے ساتھ فریب کیا جا رہا ہے۔ سفیر شاہی نہیں بلکہ اُس کی گرفتاری کے لئے شہزادہ اورنگ زیب آیا ہے۔ شاہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اُس نے اپنے گھوڑے کی باگ قلعہ کی طرف پھیر دی جو شہر سے ایک فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔

مسٹر برنیر نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ "جب شاہ گولکنڈہ اورنگ زیب کے سامنے پہنچا اُس وقت جاسوس نے اُسے اطلاع دی کہ بجائے سفیر کے خود شہزادہ اورنگ زیب آیا ہے۔ یہ سُنکر شاہ گولکنڈہ وہاں سے بھاگ گیا" یہ بات صحیح نہیں۔ کیونکہ اس موقع پر شاہ کا بھاگنا قطعی ناممکن تھا۔ اگر شاہ مذکور ایسی کوشش بھی کرتا تو میر جملہ کے رشتہ دار وغیرہ موجود تھے وہ اُس کو ہرگز نہ بھاگنے دیتے۔

---

[۵] بھاگ نگر حیدرآباد کا پرانا نام ہے۔

اورنگ زیب نے شاہ گولکنڈہ کے محلات اور خزانہ پر قبضہ کرلیا۔ شاہان گولکنڈہ کے پرانے مقبروں کو بھی لوٹ لیا جہاں سے بہت دولت ہاتھ آئی۔ اورنگ زیب نے حسب رواج ہندوستان عورتوں سے کچھ تعرض نہ کیا اور انکی آزادی برقرار رکھی جو اپنے مالک کو تلاش کرنے چلی گئیں۔

اورنگ زیب نے بہ امداد محمد امین خان دو ماہ تک قلعہ کو محصور رکھا۔ اسی اثنا میں میر جملہ بھی آگیا جو شاہ گولکنڈہ سے انتقام لینے کا خواہشمند تھا۔

جب شاہجہاں کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے اورنگ زیب کو اورنگ آباد واپس جانے اور محاصرہ اٹھا لینے کا فرمان روانہ کیا۔ جس کی تعمیل کی گئی۔ لیکن محاصرہ اٹھانے سے پہلے اورنگ زیب نے اپنے کل اخراجات کا مطالبہ کیا اور اس بہانہ سے اس نے خرچ سے کہیں زیادہ روپیہ وصول کیا۔ علاوہ اسکے اس نے شاہ گولکنڈہ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی دختر کی شادی اس کے فرزند سلطان محمد[۵] سے کرکے ضلع رام گیر اس کے جہیز میں دے یہ بھی معاہدہ ہوا کہ شاہ گولکنڈہ کی وفات کے بعد سلطان محمد اس کا جانشین ہوگا۔ شاہ گولکنڈہ اس امر پر بھی راضی ہوگیا کہ سکہ کے ایک طرف شاہجہاں کا نام مضروب کیا جائے گا اورنگ زیب نے اپنے ساتھ میر جملہ اور اس کے خاندان کو شامل رکھا اور بادشاہ گولکنڈہ اس بات کا ذمہ دار ہوگیا کہ کوئی شخص اس کی جائداد و محلات وغیرہ کو نقصان نہ پہنچا سکے گا اور مثل سابق یہ خاندان آزادی سے بسر کریگا۔

قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ اٹھانے کا یہ سبب تھا کہ بیگم صاحبہ اور دارا شکوہ اس پر راضی نہ تھے۔ ان کے خیال میں اگر گولکنڈہ پر اورنگ زیب کا قبضہ ہوگیا تو اسکی طاقت میں بیشی ہوجائیگی اور تخت ہندوستان کا دعوی کرنے میں وہ اس قوت کو کام میں لائیگا۔ شاہجہاں نے جب

---

۵ سلطان محمد اورنگ زیب کا فرزند اکبر تھا جو ۲۹ دسمبر ۱۶۳۹ء کو پیدا ہوا اور ۱۶۷۶ء میں وفات پائی۔ یہ جنگ ۱۰۶۶ھ (جنوری ۱۶۵۶ء) میں ہوئی۔ (تاریخ الفنسٹن صاحب) عبداللہ قطب شاہ کی دختر سے جو اس شہزادہ کی شادی ہوئی اسکا حال تاریخ خافی خاں جلد اول میں دیکھو۔ یہ مورخ لکھتا ہے کہ سرکار رام گیر جو برار اور بدر سے متصل ہے جہیز میں دیا گیا

اورنگ زیب کو قلعہ گولکنڈہ کا محاصرہ اٹھا لینے کا حکم روانہ کیا تھا تو اُس میں یہ ہدایت بھی لکھدی تھی کہ اورنگ زیب اورنگ آباد واپس جاتے وقت مشہور قلعہ بدر کا بھی معائنہ کرے جو شاہ بیجاپور کے قبضہ میں ہے۔ شاہجہاں نے اس پر قناعت نہ کی کہ اپنے حکومت کے ابتدائی زمانہ میں بلاوجہ اس شاہ کو قلعہ جات جونیر، کلیانی، بھونڈی، حوالہ کرنے پر مجبور کیا تھا[1]

اورنگ زیب اور میر جملہ نے شاہی احکامات کی تعمیل کی۔ مگر اورنگ زیب کا خاص مقصد یہ تھا کہ وعدوں اور خوش خلقی کے ذریعہ سے میر جملہ کو اپنا طرفدار بنائے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ نہایت شجاع اور دولتمند ہے۔ اور اُسے پورے طور سے تجربہ ہوگیا تھا کہ سلطنت ہند حاصل کرنے میں یہ بہت امداد دیگا۔ چنانچہ ایک روز اورنگ زیب نے بر سبیل تذکرہ میر جملہ کے مزاج کا اندازہ کرنے کی غرض سے اپنے باپ کی شکایت کی۔ اُس کے الفاظ یہ تھے کہ "شاہجہاں دارا کا باپ ہے۔ اور مجھے آپ (میر جملہ) سے زیادہ باپ کبھی نہیں مل سکتا۔ میری تمام امیدیں آپ ہی سے وابستہ ہیں۔ اور آپ بھی میرے مربی ہیں۔ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے آپ کی نظر ترحم کا خواستگار ہوں" اورنگ زیب نے میر جملہ کے ساتھ یہ عہد کیا کہ اگر وہ بادشاہ ہوگیا تو اُسے اپنے دربار کا سب سے بڑا امیر بنائیگا۔ اور محمد امین خان اُس کا فرزند اُس سے دوسرے درجہ پر رہے گا۔ اور دونوں کو وہی حقوق حاصل ہونگے جو شاہزادوں کو ہوتے ہیں۔ یہ گفتگو نہایت خفیہ طور سے کی گئی اور آخر میں اورنگ زیب نے میر جملہ سے التجا کی کہ وہ داراشکوہ سے کوئی تعلق نہ رکھے اور نہ اُسے کسی قسم کی امداد دے۔ میر جملہ یہ دیکھ کر کہ اورنگ زیب اُس کی ذات پر اتنا اعتماد رکھتا ہے شہزادہ کا دوست خالص ہوگیا۔ اور وعدہ کیا کہ جب کبھی موقع ہوگا تو وہ جان و مال سے دریغ نہ کریگا۔ اس وقت سے یہ دونوں سلطنت ہند حاصل کرنے کی تدابیر کرنے لگے۔

---

[1] یہ اشارہ ہے اُس صلحنامہ کی طرف جو ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ (۱۶۳۶ء) میں لکھا گیا (منتخب اللباب خافی خاں) جونیر، کلیانی، بھونڈی، اضلاع پونہ و تھانہ میں واقع ہیں۔

شاہجہاں کو جب میر جملہ کی ان بہادرانہ کارروائیوں کا علم ہوا جو قلعہ بدر مفتوح کرنے میں اُس سے ظاہر ہوئیں تھیں تو اُس نے چند دوستانہ خطوط لکھ کر اُس کو حاضر دربار ہونیکے واسطے مدعو کیا۔ تاکہ یہ وکیل مطلق کے عہدہ پر سرفراز کیا جائے۔ شاہجہاں کا یہ مطلب تھا کہ قلعہ قندہار دوبارہ فتح کرنے میں اس کی دلیری اور شجاعت سے فائدہ اُٹھائے۔ میر جملہ روانہ دہلی ہوا۔ اور راستہ میں جہاں جہاں سے وہ گذرتا تھا تو مقامی حکام حسب حکم بادشاہ اُس کا استقبال کرکے تحائف پیش کرتے تھے۔ یہ بھی احکامات جاری کر دیئے گئے تھے کہ جن شہروں سے یہ گذرے اُن کی زینت اُسی طور سے کی جائے جیسے بادشاہ کی تشریف آوری کے موقع پر کیجاتی ہے۔

اُس وقت میں دہلی میں موجود تھا جبکہ میر جملہ کا نہایت شان و شوکت کے ساتھ استقبال کیا گیا۔[۵۱] شاہی دربار میں اُسے سب سے اعلیٰ درجہ پر جگہ دی گئی اور وزیر اعظم معظم خاں کا خطاب عطا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد اسے شاہ ایران کے مقابلہ کے لئے لشکر جمع کرنے اور قلعہ قندہار فتح کرنے کا حکم دیا گیا۔ میر جملہ نے پہلے سے توپخانہ و رسالہ اس مقصد کے لئے تیار کر رکھا تھا۔ میر جملہ نے شاہجہاں کو ایک ناتراشیدہ ہیرا نذر کیا جسکا وزن ۷۶۰ قیراط تھا[۵۲] اور عرض کیا کہ "اگر قندھار سے ایسے بڑے ہیرے حاصل ہوسکتے ہیں تو جہاں پناہ وہاں خود تشریف لیجانے کی تکلیف گوارا فرمائیں یا کسی جاں نثار خادم کو اُس کو مفتوح کرنے کے لئے حکم دیں۔ مگر فدوی کی رائے میں یہ بہتر ہے کہ حضور عالی اُس ملک کو پہلے تسخیر فرمائیں۔ جہاں سے مختلف اقسام کے ایسے ایسے ہیرے ملسکتے ہیں۔" یہ کہکر اُسنے اور تراشیدہ ہیرے مٹھی میں لیکر بادشاہ کی نذر کئے اگرچہ وہ اس قدر بڑے نہ تھے مگر پھر بھی مناسب قد کے تھے۔

---

[۵۱] میر جملہ ۷ رمضان ۱۰۶۵ھ (۷ جولائی ۱۶۵۵ء) کو دہلی پہنچا۔ (ماثر الامرا)

[۵۲] صاحب: ماثر الامرا نے اس ہیرے کا وزن ۲۱۶ سرخ یا نو ٹانک لکھا ہے جسکی قیمت ۲۱۶۰۰۰ روپیہ تھی۔ بعض مورخین کا خیال ہے کہ مشہور کوہ نور ہیرا یہی ہے۔

میر جملہ نے اس بات کا ذمہ لیا کہ کچھ عرصہ بعد وہ یہ دونوں سلطنتیں تسخیر کرکے سواحل کارومنڈل اور جنجلی[1] پر متصرف کرادیگا۔ شاہجہاں اس تقریر سے بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ جو توپ خانہ قندہار کی طرف روانہ ہوچکا ہے وہ فوراً واپس ہو۔ شاہجہاں نے معظم خاں (میر جملہ) کو رہنے کے واسطے سعد اللہ خان[2] کا محل عنایت فرمایا جو شاہی محل کے مقابل تھا۔

ہیرا جو میر جملہ نے شاہجہاں کو نذر کیا تھا ترشوانے کے واسطے اسی کے حوالہ کیا گیا اور اُس نے ایک وینیس کے نگینہ ساز مسمی بہ ہارٹین سیو بروزن زونی - Ptencis Bron (سنہ ...) کے سپرد کیا۔ میں نے اس ہیرے کو کئی مرتبہ دیکھا ہے جو اخروٹ کی برابر تھا۔

چند ماہ گذرنیکے بعد شاہجہاں نے میر جملہ معظم خاں کی سرکردگی میں ملک دکن کی تسخیر کے لئے لشکر روانہ کرنیکا ارادہ کیا۔ دارا اپنے باپ کی اس تجویز سے مخالف تھا اور اس مہم کے ملتوی رہنے کی انتہائی کوشش کی۔ دارا کو خوف تھا کہ اس فوج سے اورنگ زیب کو امداد ملے گی لیکن شاہجہاں کو ہیرے کی کانوں پر قبضہ کرنے کی ایسی خواہش تھی کہ اُسے دارا اور بیگم صاحبہ کی عرضیاں مغلوب نہ کرسکیں۔ علاوہ اور سرداروں کے نجابت خاں۔ مہابت خاں ابن مہابت خاں اعظم (جس کا ذکر گذر چکا) صلابت خان[3] وغیرہ بھی میر جملہ معظم خان کے ہمراہ کئے گئے۔ یہ شرط بھی کی گئی کہ شہزادہ اورنگ زیب بدستور اورنگ آباد میں گورنر رہے گا۔ مگر لڑائی میں شامل نہ ہوگا۔ میر جملہ معظم خاں کو محمد امین خاں اور تمام اہل وعیال کو بطور ضمانت یہاں چھوڑنا پڑا معظم خان نے بعجلت دکن کی طرف کوچ کیا اور اورنگ آباد کے قریب

---

[1] ساحل کارومنڈل نیگاپٹم سے شروع ہوکر دہانہ گوداوری تک جانب شمال پھیلا ہوا ہے۔ اور ساحل جنجلی دریائے گوداوری سے شروع ہوکر مندر جگن ناتھ واقع ساحل اڑیسہ پر ختم ہوتا ہے۔

[2] سعد اللہ خان نے ۱۹ اپریل ۱۶۵۶ء کو وفات پائی۔ یہ محل سر فیض بازار اور قلعہ کے دہلی دروازہ کے درمیان تھی جو منہدم ہوگئی۔

[3] غالباً خواجہ میر خوافی صلابت خان سے مراد معلوم ہوتی ہے (دیکھو مآثر الامرا) اس نے ۱۱۰۳ھ یا ۱۱۰۴ھ (۱۶۹۲ء یا ۱۶۹۳ء) میں وفات پائی۔

سلطان مراد بخش خلف شاهجهان بادشاه

گذر کر سرحد بیجاپور پر حملہ کرکے کلیان کا محاصرہ کرلیا۔

دربار شاہی میں صرف اورنگ زیب کی ہمشیرہ روشن آرا بیگم اُس کی طرف دار تھی۔ یہ اگرچہ خوبصورت نہ تھی مگر بڑی ہوشیار اور خوش مزاج تھی اور بیگم صاحبہ سے زیادہ اسے سیر و تفریح کا شوق تھا۔ یہ نیک مزاج تھی اور جب کبھی مل جاتی تو شراب بھی پی لیتی تھی۔ یہ اپنے باپ ہی کی محلسرا میں رہتی تھی مگر اسے اس قدر آزادی اور اختیارات نہ تھے جیسے بیگم صاحبہ کو حاصل تھے۔ اگرچہ یہ سب کام رازداری کے ساتھ کرتی تھی مگر یہ ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ اسے دارا اور بیگم صاحبہ سے دشمنی ہے۔ یہ چونکہ محل ہی میں رہتی تھی اس لئے اسے خاص خاص باتوں کا علم ہو جاتا تھا اور خفیہ طور سے یہ اورنگ زیب کو مطلع کرتی رہتی تھی۔

شاہجہاں کا چوتھا پسر مراد بخش سب بھائیوں سے چھوٹا تھا۔ یہ جاہل عقل تھا کہ شراب پینے، ناچ دیکھنے اور گانا سُننے کے اور کسی کام کی صلاحیت نہ رکھتا تھا لیکن یہ شجاع و دلیر ضرور تھا اور ہمیشہ فن سپہگری کی مشق کیا کرتا تھا۔ خاص طور سے اسے تیراندازی میں کامل مہارت تھی۔ یہ بڑا شکاری تھا اور کبھی اپنی جان کی پروا نہ کرتا تھا۔ اکثر بھیڑیوں کو اپنے نیزہ سے چھید کر مار ڈالتا۔ یہ صفت اس کے دوسرے بھائیوں میں نہ تھی۔ یہ لڑائیوں کے قصے سُن سُن کر بہت خوش ہوتا۔ اپنے خیر خواہوں اور متوسلوں کی معرفت اسے دربار کی تمام باتوں کی خبر ہو جایا کرتی تھی۔ اسے اپنے دست راست اور تلوار پر ایسا ناز تھا کہ کسی کو خیال ہی میں نہ لاتا تھا۔

جب مراد بخش گورنر گجرات تھا تو ایک شخص نے جو اس کے وزیر سے کچھ رنج رکھتا تھا عرض کیا کہ یہ وزیر دھوکہ باز ہے اور بظاہر دوست بنا ہوا ہے۔ یہ سُن کر اس نے بغیر کسی تحقیقات کے وزیر کے نیزہ مارا جس سے وہ فوراً مر گیا۔[۵۱] مراد بخش خفیہ طور سے مذہب شیعہ کا پابند تھا۔ شاہجہاں کی چوتھی دختر مہر النساء بیگم تھی۔ جو اپنے بھائی مراد بخش کی جانبدار تھی۔

۵۱ یہ شخص جسے مراد بخش نے قتل کیا میر علی نقی دیوان گجرات تھا۔ دعمل صالح مصنفہ محمد صالح کنبوہ

یہ کمسن اور خوبصورت تھی اور ہر وقت اپنے کھلونوں سے کھیلا کرتی تھی۔ میں اسکی بابت کچھ لکھنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ یہ ایسی کمسن تھی کہ معاملات سلطنت پر غور کرکے اپنے دماغ کو تکلیف نہ دیتی تھی۔ جب سلطنت میں بدامنی ہوئی تو یہ حرم سرا میں رہی۔

جب معظم خاں (میر جملہ) کلیان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا تو ۱۶۵۴ء [51] نومبر سنہ ۱۶۵۴ء کو دہلی میں شاہجہاں [52] دفعتاً بیمار ہوگیا میں اس وقت شہزادہ دارشکوہ کا ملازم تھا۔ شاہجہاں کی بیماری کی یہ وجہ تھی کہ اسکے باوجود بوڑھا ہونیکے باوجود وہ مثل نوجوانوں کے عیش وعشرت میں بسر کرنا چاہتا تھا اور اس غرض سے وہ مختلف مقوی ادویہ کا استعمال کرتا رہتا تھا۔ تین روز تک پیشاب بند ہونے سے قریب المرگ ہوگیا۔ اس کی علالت سے شہر دہلی اور تمام مملکت میں سخت بےچینی پھیل گئی۔ بادشاہ نے اپنی یہ حالت دیکھ کر حکم دیا کہ قلعہ کے تمام دروازے بند کردیئے جائیں اور صرف دو کھڑکیاں کھلی رہیں۔ چونکہ بادشاہ کو مسلمان سپہ سالاروں پر اعتبار نہ تھا اس لئے اس نے راجہ جسونت سنگھ راٹھور کو مع اسکے سپاہیوں کے قلعہ کے ایک دروازہ پر متعین کیا۔ دوسرے دروازہ پر راجہ رام سنگھ روٹیلہ [53] کو مقرر کیا۔ یہ دونوں راجے تین ہزار راجپوت سپاہیوں سے تمام قلعہ کی چاروں طرف سے حفاظت کرتے تھے۔ صرف دارا کو مع دس ہمراہیوں کے دن میں دو مرتبہ قلعہ میں آنے کی اجازت تھی لیکن وہ بھی رات کو قلعہ میں رہ سکتا تھا۔ بیگم صاحبہ نے باپ کے کھانے کا انتظام کرنے کی اجازت لیلی تھی۔ لیکن بیگم صاحبہ اور دیگر اشخاص سے جو قلعہ میں رکھے گئے تھے قرآن مجید پر حلف لیا گیا تھا کہ وہ وفاداری میں ثابت قدم رہیں گے۔ بادشاہ کو زہر دیئے جانے کا اندیشہ تھا اور اسی لئے یہ احتیاط تھی۔

---

[51] برنیر نے اپنے سفرنامہ میں ۱۶۵۶ء لکھا ہے۔

[52] شاہجہاں ۵ا جنوری ۱۵۹۲ء کو پیدا ہوا تھا اس لئے ۱۶۵۸ء میں اسکی عمر ۶۵ سال کی تھی۔

[53] رام سنگھ خلف کرم سی راٹھور (ماثر الامرا) اس کا آئندہ بھی ذکر آیا ہے۔ روٹیلہ یا تو راٹھور کا مخفف ہے یا کوئی راجپوتوں کی ذات ہوگی یہ کشنگر ھ کا راجہ تھا جو اجمیر کے شمال میں واقع ہے۔

دارا نے باپ کو چندروز کا مہمان خیال کر کے فوج جمع کرنی شروع کردی۔ لاہور، آگرہ، دہلی وغیرہ میں بھرتی کرنیکے لئے احکامات جاری کئے۔ بطور پیشبندی یہ فوج اس لئے جمع کی جاتی تھی کہ اُس کا یہ خیال تھا کہ اگر بادشاہ نے وفات پائی تو ہر شخص مسلح ہوکر اپنے گھروں کی حفاظت کریگا اور اس کا لازمی نتیجہ قتل و غارت ہو گا۔

شہر میں یہ حالت تین شب و روز تک رہی۔ تمام دوکانات بند رہیں اور ضروریات زندگی بمشکل مہیا ہوئیں۔ ہر شہزادہ کے وکیل دربار نے بعجلت بادشاہ کی علالت سے اپنے اپنے آقا کو مطلع کیا۔ جس پر ہر شہزادہ نے فوجیں تیار کرنی شروع کردیں۔ صرافوں یعنی ہنڈوی جاری کرنے والوں نے اپنے اپنے آڑھتیوں کو اشارتاً اس واقعہ کی اطلاع کردی تاکہ وہ اپنی حفاظت کریں۔ اُن کے خطوں کا مضمون اس طرح کا تھا کہ "تم آگاہ ہو گھی کا برتن ٹوٹ کر چھلک گیا اور گھی ضائع ہوگیا" اس تحریر سے صرافوں کا یہ مطلب تھا کہ آڑھتی سمجھ جائیں کہ بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔ چونکہ یہ لوگ نہایت محتاط ہوتے ہیں اس لئے انہوں نے صاف صاف حال لکھنے کی جرأت نہ کی اور اشارتاً یہ حال لکھدیا۔

بہت سے خطوط میں صاف صاف یہ بھی لکھ دیا گیا تھا کہ بادشاہ نے وفات پائی۔ اور اسکی یہ وجہ تھی کہ حسب معمول بادشاہ برآمد نہ ہوئے تھے۔ اور نہ لوگوں کو اُنکے دیکھنے کا موقع ملتا تھا۔ خود شاہ جہاں کو تردد تھا کہ حسب معمول بوجہ معذوری درشن نہ دینے سے کوئی غلط فہمی پیدا ہو کر کسی جھگڑے اور بےچینی کا باعث نہ ہو جائے۔

شاہ شجاع کو جب یہ خبر موصول ہوئی تو اُس نے بڑے لشکر کے ساتھ میدان میں آنیکا ارادہ کیا۔ اس کے قبضہ میں کافی خزانہ تھا جو بنگالہ کے زرخیز ملک اور بہت سے ہندو راجوں کو لوٹ کر حاصل کیا تھا۔ یہ چالیس ہزار سواروں اور بڑی تعداد پیادوں کی لیکر روانہ ہوا۔ پیادے کسی شمار میں نہ تھے کیونکہ ہندوستان میں ایسی فوج کی کچھ قدر نہیں۔ اس نے اپنے بڑے تگبیر افسروں کی ماتحتی میں ایک بیڑا دریائے گنگ میں بھی مقرر کیا۔ اس تجویز اور تیاری کے بعد

وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور یہ نعرہ مارا کہ "یا تخت یا تابوت"۔ یہ کلمہ اکثر تخت کے دعویدار شہزادوں کی زبان پر جاری ہوا کرتا ہے۔

اسے اپنی دلیری و شجاعت کے علاوہ اُن معتمد سرداروں پر بھی پورا بھروسہ تھا جو دربار شاہی میں موجود تھے۔ اور جن میں سے اکثر معظم خاں کے ہمراہ مہم دکن پر گئے ہوئے تھے۔ اس نے براہ شہر آگرہ آنا پسند کیا تاکہ اسے یہ مشہور کرنے کا موقع ملے کہ شاہجہاں کو دارا نے زہر دیکر مارڈالا۔ اور اس وجہ سے وہ اپنے باپ کا انتقام لینے کے لئے دارا پر فوجکشی کر رہا ہے۔

شاہجہاں کو کسی قدر افاقہ ہوا اگرچہ بجید کمزور تھا۔ اُسی حالت میں اُسے شجاع کے باغی ہونے کی اطلاع ہوئی۔ شاہجہاں نے اُسے خط لکھا اور یقین دلایا کہ اُس کی حالت اب بہتر ہے اور شجاع کا دعویٰ بیجا ہے۔ لہذا آگے نہ بڑھے اور جہاں سے وہ آیا ہے وہیں واپس چلا جائے۔ دارا کو چونکہ ایسے خطوط لکھانے میں خاص مہارت تھی اس لئے وہ چاہتا تھا کہ یہ خطوط جلد سے جلد شجاع کو ملجائیں۔ کیونکہ دارا کو سوائے شجاع کے اور کسی کا زیادہ اندیشہ نہ تھا۔ لیکن شاہ شجاع کے طرفدار درباریوں نے اس کے خلاف تحریر کیا اور یقین دلایا کہ شاہجہاں کی علالت مہلک ہے۔ جب شجاع کو شاہجہاں کا خط موصول ہوا تو اُس نے اس واقعہ کو پوشیدہ رکھا اور آگے بڑھا۔ یہ بھی اعلان کیا کہ یا تو بادشاہ نے وفات پائی اور اگر وہ زندہ و سلامت ہے تو آگرہ پہنچکر معافی طلب کر کے اُنکے حکم کی تعمیل کی جائیگی۔ شاہجہاں کو مطلع کیا گیا کہ شجاع نے احکامات شاہی کی تعمیل نہیں کی۔ لہذا وہ مجبور مرض اور کمزوری کی حالت میں دہلی سے آگرہ روانہ ہوا جو چھیاسٹھ فرسخ ہے۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ تمام لوگوں پر ظاہر ہو جائے کہ خدا کے فضل سے بادشاہ زندہ ہیں تاکہ اُس کے فرزند اور بدخواہ بغاوت سے باز رہیں مگر تمام تدابیر بیکار ثابت ہوئیں۔ شاہ شجاع جو بغرض حصول سلطنت میدان جنگ میں آچکا تھا برابر بڑھتا رہا اور اپنے باپ کے احکامات کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ شجاع کے اس طرز عمل پر شاہجہاں نے اپنے نوجوان پچیس سالہ

پوتے سلیمان[51] شکوہ ابن دارا شکوہ کو مقابلہ کے لئے مامور کیا۔

سلیمان شکوہ صاحب ہمت، ذی عقل، ہر دلعزیز، دیدار و نوجوان تھا۔ شاہجہاں کو اس سے بڑی محبت تھی۔ اس کی شادی کے موقع پر جو اس بغاوت سے ایک سال قبل ہوئی تھی شاہجہاں نے اُسے دولتِ کثیر عطا کی تھی۔

سلیمان شکوہ اُس فوج کا سپہ سالار مقرر کیا گیا جو اُس کے چچا شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے روانہ کی گئی۔ راجہ جے سنگھ بھی جو مشہور جنرل و صاحب دولت و قوت تھا اور تمام سلطنت میں جس کا ثانی نہ تھا اور سلیمان شکوہ کا بھی دوست تھا اُس کی ہمراہی میں متعین ہوا نیز دلیر خاں[52] افغان مع چیدہ فوج کے سلیمان شکوہ کے ساتھ کیا گیا۔ شاہجہاں نے خفیہ طور سے ان افسروں کو یہ ہدایت کر دی تھی کہ حتی الامکان جنگ نہ کی جائے۔ اور جہاں تک ممکن ہو یہ کوشش کی جائے کہ شجاع صوبہ بنگالہ واپس چلا جائے۔

شاہ شجاع نے یہ سُنکر کہ فوج گراں اُس کے مقابلہ کے لئے آرہی ہے دل میں یہ ارادہ کر لیا کہ جب اُس فوج سے دوچار ہو فوراً لڑائی شروع کر دی جائے۔ ایسے ہی سلیمان شکوہ کی اپنے نمود و نام کی وجہ سے یہ خواہش تھی کہ جہاں کہیں موقع ہو اپنے چچا شاہ شجاع پر حملہ کر دے لیکن راجہ جے سنگھ کا یہ ہرگز منشا نہ تھا اور ہر روز شاہ شجاع کے پاس خطوط روانہ کرتا اور یہی کوشش تھی کہ کسی طرح دونوں لشکروں کا مقابلہ نہ ہو اور نہ جنگ کی نوبت آئی۔ اُنکی تمام کوششیں بے سود ہوئیں اور معلوم ہو گیا کہ شاہ شجاع کا واپسی پر رضامند ہونا ناممکن ہے

---

۵۱ سلیمان شکوہ اپریل ۱۶۳۵ء میں پیدا ہوا۔ ۱۶۵۸ء میں اُس کی عمر تئیس ۲۳ سال کی تھی۔ ۱۹ محرم ۱۰۶۷ھ (۱۸ نومبر ۱۶۵۶ء) کو اس کی شادی جعفر خاں کی بھتیجی سے ہوئی۔ (دیکھو عمل صالح) اس نے بحالت قید گوالیار میں شوال ۱۰۷۲ ہجری (مئی یا جون ۱۶۶۲ء) کو وفات پائی۔

۵۲ جلال خاں داؤدزئی مخاطب بہ دلیر خاں ابن دریا خاں نے روہیلکھنڈ میں شاہجہاں پور آباد کیا اور ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۲-۸۳ء) میں مقام اورنگ آباد وفات پائی۔ (ماثر الامرا)

جب دونوں لشکر ایک دوسرے کو نظر آنے لگے تو شجاع نے توپوں کے فیر کر کے مخالف کو دھمکانا چاہا۔ مگر راجہ جے سنگھ نے اس کی کچھ پرواہ نہ کی اور نہ سلیمان شکوہ کی طرف سے جواب میں توپوں کے فیر کئے گئے۔ بلکہ راجہ نے شاہ شجاع کے پاس مفصل ذیل خط روانہ کیا "حضور عالی آپ کے والد بزرگوار اور قدردی کے بادشاہ شاہجہاں کو یہ خبر پہنچی کہ آپ اپنی دارالحکومت سے مع اپنے لشکر کے اس غرض سے روانہ ہوئے ہیں کہ آپ اُس شخص سے انتقام لیں جس نے آپ کے والد بزرگوار کو زہر دیکر مار ڈالا جیسی کہ آپ کو خبر پہنچی ہے۔ یہ خبر قطعی بے بنیاد ہے۔ خدا کے فضل سے ملک معظم اعلیٰ حضرت صحیح و سالم و تندرست ہیں اور خادم نیازمندانہ آپ کو اس کا یقین دلاتا ہے کہ وہ انشاءاللہ عرصہ تک زندہ رہیں گے۔ لہذا یہ مناسب ہے کہ آپ صوبہ بنگالہ کو واپس تشریف لیجائیں۔ آپ نے جو اس موقع پر اعلیحضرت کے ساتھ سچی محبت کا اظہار فرمایا ہے اُس کے صلہ میں جہاں پناہ آپ کو شہر پٹنہ مع متعلقات عطا فرماتے ہیں۔ آپ نے یہ خبر بد سُنکر میدان جنگ میں تشریف لانے سے اپنی دلیری و شجاعت کا کامل ثبوت دیا اور یہی آپ کو مناسب تھا۔ مگر اب جبکہ آپ کو تصدیق ہو گیا کہ ظل اللہ بخیریت ہیں تو آپ کا اپنے صوبہ کو واپس ہی ہونا بہتر ہے تاکہ اُنہیں آپ کی طرف سے بغاوت کا شبہ نہو اور اس لشکر سے زیادہ طاقتور لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے روانہ نکرنا پڑے۔ خادم کو امید ہے کہ حضور میری اس خیرخواہانہ نصیحت اور صلاح پر عمل کر کے فوراً واپس تشریف لیجائیں گے میں یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ جب کبھی موقع ہوگا میں آپ کی امداد و خدمت کے واسطے حاضر ہوں۔"

اس خط کے پہنچنے پر اگرچہ شاہ شجاع نے بظاہر اظہار تشفی کر کے اپنا طرز عمل بدلنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ مگر چالاک طبیعت ہونے کی وجہ سے اس نے راجہ جے سنگھ کو دھوکا دینا چاہا جس کی تجربہ کاری سے اُسے خوف تھا۔ یہ منصوبہ باندھکر شجاع نے یہ جواب لکھا "بہادر راجہ جے سنگھ صوبہ بنگالہ سے میرے آنے کا سبب تمام ہندوستان میں مشہور ہے جب مجھے

اپنے پدر بزرگوار کی وفات کی خبر معلوم ہوئی تو میں مجبور ا ہوا کہ جس قدر فوج بہم ہو سکے اس کو لیکر دہلی کی طرف روانہ ہوں۔ لیکن اب چونکہ آپ اس بات کا یقین دلاتے ہیں کہ بادشاہ بفضلہ صحیح وتندرست ہیں لہذا مجھے اپنے صوبہ کو واپس ہونے میں کوئی عذر نہیں۔ مگر بہ حیثیت ایک متوسل سلطنت ہونیکے پہلے آپ کا واپس ہونا مناسب ہے اور یہ امر مجھ جیسے شاہزادہ کے بھی شایانِ شان ہوگا۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ آپ کے لوٹتے ہی میں بھی واپس ہو جاؤنگا۔ مجھے امید ہے کہ آیندہ بھی آپ میرے حال پر ایسی ہی عنایت رکھیں گے"۔ راجہ جے سنگھ بات کی تہہ کو پہنچگیا کہ واپسی کے وقت شاہ شجاع اس کے لشکر پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ مگر راجہ نے شہزادہ کی تجویز پر عمل کرنے اور پہلے واپس ہونے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اور حکم دیدیا کہ کل علی الصباح ہاتھیوں، گھوڑوں، گاڑیوں پر اسباب بار کردیا جائے۔ اور شجاع کے جاسوسوں کو مغالطہ دینے کے لئے کوچ کا بھی حکم جاری کردیا لیکن خفیہ طور سے اس نے ہدایت کردی کہ جس وقت کوچ کا نقارہ بجے تو رسالہ تیار رہے جب شاہ شجاع کو معلوم ہوا کہ سلیمان شکوہ کے لشکر میں نقارہ کوچ بج رہا ہے تو اس نے اپنے بھتیجے پر حملہ کرنے کی تیاری کردی لیکن راجہ جے سنگھ نے اس کا موقع نہ دیا۔ اور فوراً شجاع کی فوج پر حملہ کرکے بہت سے آدمیوں کو قتل کردیا اور بقیہ فوج کو لوٹنے کی بھی مہلت نہ دی۔ کئی توپیں اور ہاتھی لوٹنے کے علاوہ معقول تعداد سپاہیوں کی قید ہوگئی جن میں سے اسی قیدی آگرہ بادشاہ کی حضور میں پیش ہونے کے لئے روانہ کئے گئے۔ دارا نے ان مقید سپاہیوں کے ساتھ انصافانہ سلوک نہ کیا اور حکم دیا کہ سب کا ایک ایک ہاتھ کاٹ لیا جائے اس فتح سے دارا نے خیال کرلیا کہ آج سے اس کی حکومت شروع ہوگئی۔

سلیمان شکوہ نے راجہ جے سنگھ کی رائے کے موافق تعاقب جاری رکھا اور اس بات کا بیحد خواہشمند تھا کہ کسی طرح اپنے چچا کو گرفتار کرکے اس کا خاتمہ کردے۔ لیکن راجہ جے سنگھ نے تعاقب کا ایسا طریقہ اختیار کیا کہ شاہ شجاع کو بھاگنے اور جان بچانیکا موقع ملجائے

اگرچہ راجہ اُس کو گرفتار کر سکتا تھا مگر تین وجھوں سے اُس نے ایسا نہ کیا۔ اول شاہجہاں ہنوز زندہ ہے اور یقیناً شجاع کو رہا کر دیگا۔ راجہ کو سوائے اس کے کچھ حاصل نہ ہوگا کہ دربار میں اُسکا ایک اور دشمن زیادہ ہو جائے۔ دوئم۔ بادشاہ نے حتی الامکان جنگ کرنیکی ممانعت کردی تھی۔ سوئم۔ یہ داراشکوہ سے کشیدہ خاطر تھا کیونکہ ایک مرتبہ اس نے راجہ کو ڈوم کہدیا تھا۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا۔ راجہ نے جو شاہ شجاع کو دھوکہ سے شکست دی اُس کے دو اسباب تھے۔ اول۔ اگر راجہ شجاع کے عقب فوج پر حملہ کرتا تو شکست کا اندیشہ تھا اور اگر راجہ کو شکست ہو جاتی تو اُس کی بڑی بے عزتی ہوتی۔ دوئم۔ راجہ شجاع کو ایسا موقع دینا نہیں چاہتا تھا کہ وہ اپنی شجاعت کا زیادہ اظہار کر سکے جس سے دربار میں زیادہ برہمی کا خوف تھا۔

چونکہ راجہ جے سنگھ چاہتا تھا کہ شجاع جان بچاکر فرار ہو جائے اس لئے اُس نے سلیماں شکوہ کو صلاح دی کہ اب دربار شاہی میں حاضر نہ ہونا چاہئے۔ جہاں دیگر معاملات پیش ہیں۔ اور ہوشیار رہنا چاہئے کہ کہیں دوسری جگہ بغاوت نہ ہو۔ سلیماں شکوہ نے جواب دیا کہ اگر ایسا ہوگا تو اُس کا باپ داراشکوہ اور فوج برق انداز خاں کی ماتحتی میں دوسرے باغیوں کے مقابلہ میں روانہ کردیگا۔ اور اس لئے وہ شجاع کے تعاقب سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ لیکن راجہ شجاع کو بھاگنے کا موقع دیتا رہا اور یہ اُس کا اُس وقت تک تعاقب کرتے رہے جبتک وہ حدود بنگالہ میں داخل ہوا۔

اورنگ زیب کو باپ کی بیماری کی اطلاع اورنگ آباد میں ملی۔ اور اُس نے میدان جنگ کے لئے ضروری تیاریاں شروع کردیں۔ یہ مراد بخش سے زیادہ عقلمندی کو کام میں لایا۔ کیونکہ مراد بخش نے اپنی بساط کی موافق تھوڑا سا لشکر لیکر علم بغاوت بلند کردیا تھا اور ظاہر کیا کہ وہ بادشاہ کو آزاد کرنیکے لئے دہلی جا رہا ہے۔

شاہجہاں اور دارا کو یقین ہو گیا کہ اب کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔ کیونکہ شاہ شجاع کو شکست ہو چکی۔ مراد بخش کی بغاوت کو اُنھوں نے قابل توجہ خیال نہیں کیا۔ کیونکہ اُنکی رائے

پس اگر مراد بخش کو کچھ تحایف اور محبت آمیز خطوط روانہ کیے گئے تو یقیناً وہ اطاعت قبول کریگا ان دونوں نے مطلق پیش بینی سے کام نہ لیا اور شاہجہاں نے دہلی کو روانگی اسباب کا حکم دیدیا۔ اور ظاہر کیا کہ بہت جلد وہ روانہ دہلی ہوگا۔ کیونکہ اب بالکل صحت ہوگئی حسب الحکم فوج کا زیادہ حصہ روانہ دہلی ہوگیا اور بقیہ لشکر بھی رفتہ رفتہ کوچ کرنے لگا۔

اس خاموشی کے زمانہ میں دوسری بغاوت کا سامان فراہم ہورہا تھا۔ کیونکہ اورنگزیب کو بادشاہ ہونے کی دیرینہ تمنا تھی۔ جسے وہ اپنی مکاری سے چھپائے ہوئے تھا۔ اب دوسرے شہزادوں کی بغاوت سے اُس نے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ اُس نے بیجاپور کے راجہ شیواجی کو اپنا طرفدار بنانیکے لیے خط تحریر کیا تاکہ اگر حصول مقصد میں ناکامیابی ہوتی نظر آئے تو اس سے امداد مل سکے۔ اورنگ زیب نے شیواجی کو مختلف تحایف کے ساتھ ایک طلائی تختی پر چند دکن کے صوبوں سے چوتھ وصول کرنے کی سند روانہ کی۔ اگرچہ یہ اقرار دائمی تھا۔ مگر وقت پر اس نے حسب عادت اپنے عہد کو توڑ دیا جیسا آیندہ ناظرین کو معلوم ہوگا۔

اس بات کا یقین کرکے کہ شیواجی شاہجہاں کا طرفدار نہ ہوگا اورنگ زیب نے اپنے باپ کے مقابلہ میں بغاوت اختیار کی۔ شاہجہاں آگرہ سے دہلی آنیکے واسطے گھوڑی پر سوار ہورہا تھا کہ اُس کے پاس اورنگ زیب کی بغاوت کی خبر[5] پہنچی۔ اس خبر سے تمام دربار میں گھبراہٹ پھیل گئی اور دارا نہایت پریشان ہوا۔ تمام آدمی آگرہ واپس آئے۔ میں بھی دہلی سے آگرہ واپس ہوا۔

شاہجہاں نے اورنگ زیب کو ویسا ہی خط لکھا جیسا شجاع کو روانہ کیا تھا۔ دارا نے بھی الگ خط تحریر کیا جس میں سوائے دھمکیوں کے اور کچھ نہ تھا۔ اورنگ زیب نے

---

۵ ۱۸ رجب (۱۲ اپریل ۱۶۵۸ء) کو شاہجہاں آگرہ سے دہلی روانہ ہوا۔ ۲ شعبان (۵ مئی) کو مقام بلوچپور (جو آگرہ سے بجانب مشرق تقریباً اسّی میل ہے) اسے جسونت سنگھ کی لڑائی کا حال معلوم ہوا جو ۲۰ رجب (۲۳ اپریل) کو ہوئی تھی۔ یہ خبر سنکر شاہجہاں وہیں سے آگرہ کو واپس ہوکر ۹ شعبان (۱۲ مئی) کو وہاں پہنچا (عالمگیر نامہ)

مکاری سے وہی جواب دیا جو شاہ شجاع نے دیا تھا۔ اورنگ زیب نے اپنے لشکر کی کمی محسوس کرکے اور مراد بخش کو بھی مستعد جنگ دیکھ کر اُسے یہ خط روانہ کیا۔

"شہزادہ مراد بخش کو معلوم ہو کہ مجھے خبر ملی ہے کہ دارا نے ہمارے پدر بزرگوار کو زہر دیکر مار ڈالا اور تمام سلطنت پر قبضہ کرکے بادشاہ ہونا چاہتا ہے۔ شاہ شجاع نے اسی وجہ سے لشکر کشی کرکے دارا سے انتقام لینا اور تخت حاصل کرنا چاہا۔ ان واقعات سے متاثر ہو کر میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ تمام شہزادوں میں سوائے تمہارے کوئی بادشاہ ہونے کے قابل نہیں۔ دارا کافر و بت پرست اور برباد کنندہ مذہب اسلام ہے۔ شاہ شجاع متعصب شیعہ اور ہمارے مذہب کے خلاف ہے۔ میری قوت ایمانی اس بات کی متقاضی ہے کہ اپنی تمام طاقت کو صرف کرکے تم کو کل سلطنت کا بادشاہ بناؤں۔ تمام آدمی اس سے واقف ہیں کہ عرصہ سے میں نے دنیا کو ترک کرکے عہد کیا ہے کہ اپنی بقیہ عمر مکہ معظمہ میں رہ کر بسر کروں۔ میں قرآن مجید کی قسم کھا کر تم کو اس بیان کا یقین دلانا چاہتا ہوں اور تم سے صرف اس بات کا متمنی ہوں کہ خداوند عالم کی امداد سے جب میں تمہیں تخت پر بٹھا کر تمام ملک کا بادشاہ بنا دوں تو میرے اہل و عیال کے ساتھ دردمندانہ طریقہ سے پیش آ کر اور ان کی پرورش کرکے اپنی محبت کا ثبوت دینا۔ اگر تم قرآن مجید پر حلف کرکے مجھے یقین دلا دو کہ تم ایسا ہی کرو گے تو میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی تمام قوت و ہمت و دولت کو صرف کرکے تمہیں دہلی کے تخت پر بٹھانے کی کوشش کرونگا۔ میں ایک لاکھ روپیہ اس غرض سے روانہ کرتا ہوں کہ متحد ہو کر ہماری دوستی اور مضبوط ہو جائے۔ جیسے کہ ہم دونوں بھائی ایک باپ کے فرزند، ایک مذہب کے پیرو، اور ایک قرآن کے ماننے والے ہیں۔ بہرحال میں تمہارے آنے کا منتظر ہوں"

شہزادہ مراد بخش کے پاس جب یہ خط پہنچا تو وہ اس کے مضمون کو یقین کرکے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے تمام افسروں کو دکھایا تاکہ اُنکی طبیعت بڑھے۔ اور جی توڑ کر

کوشش کریں۔ اس خط سے اُس نے یہ کام بھی لیا کہ اُسے بڑے بڑے سوداگروں وغیرہ کو دکھا کر اخراجات کے لئے روپیہ حاصل کیا۔ مراد بخش کے جذبات ایسے مشتعل ہوئے کہ گویا وہ اسی وقت سے اپنے آپ کو بادشاہ تصور کر کے ہر شخص سے وعدہ کرنے لگا۔ اس ذریعہ سے اُس نے میدانِ جنگ کے لئے بڑا لشکر جمع کر لیا۔ اُس نے اورنگ زیب کو مفصل ذیل جواب لکھا "میرے دیندار محافظ ملت بھائی۔ آپ کا نوازشنامہ موصول ہونے پر میں اُن خیالات کا کمال مشکور ہوں جو آپ نے اس ناچیز کی نسبت ظاہر فرمائے ہیں۔ اور یہ دیکھ کر مجھے نہایت خوشی ہوئی کہ آپ احکاماتِ قرآنی کی سختی سے پابندی کر کے محافظت دین کے لئے تیار ہیں جس کو چند اشخاص برباد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ کی نوازش والطاف کا میں کمال ممنون ہوں۔ آپ نے جو تجویزات تحریر فرمائیں ہیں اُن کو میں احسانمندی کے ساتھ قبول و منظور کر کے قرآن مجید کی قسم کھا کر عرض کرتا ہوں کہ آپ کے خاندان اور اہل وعیال کے شایانِ شان مثل شہزادوں کے ہمیشہ عزت کی جائے گی اور آپ کی ذات خاص کے احکامات کی بجا آوری میرے لئے باعث عزت ہوگی۔ اظہار محبت کے طور پر آپ نے جو ایک لاکھ روپیہ مرحمت فرمایا تھا اُسے قبول کر کے میں نے اُس سے فوج بھرتی کر لی جسے قلعہ سورت پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر رہا ہوں میں اسکی تیاری کر رہا ہوں کہ ہمارے دونوں لشکر متحد ہو کر اُس کام کو انجام دیں جو خداوند جل شانہ نے ہمارے دلوں میں ڈالا ہے۔ میں آیندہ خبروں کا منتظر رہونگا۔ مجھے آپ کے وعدوں کا یقین کامل ہے۔ آپ کا وفادار برادر مراد بخش"

مراد بخش نے تین ہزار سوار انتخاب کر کے شہباز خواجہ سرا کو ان پر افسر مقرر کیا جو اُس کا معتمد اور بہادر رفیق تھا اور قلعہ سورت پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا۔

اس اثنا میں اورنگ زیب نے اپنے پسر سلطان محمد کو جس کی شادی دختر شاہ گولکنڈہ سے ہوئی تھی میر جملہ کے لانیکے لئے بھیجا جو قلعہ کلیان کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ میر جملہ

اورنگ زیب سے اورنگ آباد میں ملنا چاہتا تھا۔ سلطان محمد نے میر جملہ کے پاس پیام بھیجا کہ چند ضروری معاملات میں وہ مشورہ کرنا چاہتا ہے۔ میر جملہ نے لوگوں کے دکھانیکے لئے معافی چاہی اور پکار کر کہا کہ "میں شاہجہاں کا ملازم ہوں نہ کہ اورنگ زیب کا۔ اور نہ میں اُس کا ماتحت ہوں کیونکہ یہ تحقیق طور سے معلوم ہوگیا کہ بادشاہ ہنوز زندہ ہے۔ دوسرے میرے تمام اہل وعیال آگرہ میں دارا کے اختیار میں ہیں۔ میں کسی طرح نہ اورنگ زیب کی تجاویز منظور کرسکتا ہوں اور نہ مجھ سے کچھ طرفداری ممکن ہے۔"

سلطان محمد اورنگ آباد کو واپس گیا اور بظاہر میر جملہ کے اُس برتاؤ کی شکایت کی جو اُس نے کیا تھا۔ بار دیگر اورنگ زیب نے اپنے دوسرے فرزند سلطان معظم کو میر جملہ کے پاس وہ خطوط دکھانیکے واسطے روانہ کیا جو اُس کے باپ شاہجہاں نے اُسے تحریر کئے تھے۔ یہ کل خطوط جعلی اور مصنوعی تھے۔ ان خطوط میں ایسے محبت آمیز مضامین تھے کہ اُن کو دیکھ کر میر جملہ انکار نکرسکا میر جملہ نے دشمن سے صلح کرلی اور بعجلت سلطان معظم کے ساتھ روانہ اورنگ آباد ہوا۔ اورنگ آباد پہنچنے پر اورنگ زیب نے جھوٹے اور مصنوعی خلوص کا اظہار کیا اور محبت آمیز الفاظ کہنے شروع کئے۔ بار بار بغلگیر ہوکر "بابا اور بابا جی" سے اُسے مخاطب کرتا۔ بعدہ اورنگ زیب نے بمنت اُس سے اپنے ساتھ رہنے اور امداد دینے کی درخواست کی تاکہ اُسے حصول مقصد میں کامیابی ہو۔ یہ سنکر میر جملہ بظاہر بہت افروختہ ہوا اور کہا کہ وہ شاہجہاں کا وفادار خادم ہے۔ جلسہ عام میں اُس نے اورنگ زیب کو بہت ملامت کی۔ یہ تمام عیاریاں صرف اس لئے تھیں کہ پرچہ نویس اور جاسوس ضرور شاہجہاں اور دارا کو اُسکی خیرخواہی اور نمک حلالی کی اطلاع دینگے۔ جو معاملات پیش آنیوالے تھے اُنکے انجام پر نظر کرکے اور یہ خیال کرکے کہ اگر پہلی مرتبہ اورنگزیب کو ناکامی ہوئی تو وہ (میر جملہ) امداد دیسکے۔ باہم یہ طے کیا کہ قلعہ دولت آباد پر اورنگزیب کا قبضہ ہوجانا چاہئے۔ میر جملہ کو یہ خیال اس لئے پیدا ہوا کہ اگر دارا کے مقابل میں اورنگ زیب کو شکست ہوئی تو یقیناً شاہجہاں اُسے (میر جملہ کو) اورنگ زیب کی تعاقب کا

حکم دیگا اور ایسا ہونے پر وہ اورنگ زیب کو امداد دے سکے گا۔

اورنگ زیب نے میر جملہ کے خزانہ و توپخانہ وغیرہ پر قبضہ کر لیا۔ میر جملہ نے خفیہ اپنے افسروں کو حکم دیدیا تھا کہ بظاہر مصنوعی طور سے مدافعت کریں اور طرف ثانی کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ طرفین سے بندوقوں کے فیر ہوئے مگر ایک جان کا بھی نقصان نہ ہوا۔ ان شاہی افسروں کے پاس جو میر جملہ کی فوج سے نصف فرسخ کے فاصلہ پر تھے اورنگ زیب نے پیام بھیجا کہ شاہجہاں کا انتقال ہو چکا اگر وہ اس طرف ہو گئے تو اُن سب کو موجودہ منصب سے اعلیٰ منصب دیا جائیگا۔ بہ مقابلہ دارا کے اُنہیں اورنگزیب کو ترجیح دینی چاہیے۔ کیونکہ وہ بھی شاہجہاں کا فرزند ہے۔ ایسے نیک دل اور روشن خیال افسروں کو ہرگز اُس شخص کی ملازمت مناسب نہیں جو کافر اور دشمن اسلام ہے۔ درحالیکہ اورنگ زیب پابند مذہب اور خادم اسلام ہے۔

مہابت خان نے ان باتوں پر کچھ توجہ نہ کی اور نقارہ کوچ بجا کر اُس نے آگرہ کی راہ لی۔ ہرچند اورنگ زیب نے اُس کے واپس لانے کی کوشش کی اور مختلف پیام و تحائف روانہ کیے مگر مہابت خان شاہجہاں کی طرفداری پر ثابت قدم رہکر کوچ کرتا رہا۔ آگرہ پہنچنے پر بادشاہ نے اُسے فوراً کابل کا گورنر مقرر کر دیا۔

اور سپہ سالاروں اور افسروں نے مشتبہ ہونا بیان کیا کہ ابھی تک یہ امر پایۂ تحقیق کو نہیں پہنچا کہ شاہجہاں نے وفات پائی۔ اور جبتک یہ بات تحقیق نہو جائے وہ اورنگ زیب کی ملازمت قبول نہیں کر سکتے۔ اگر واقعی بادشاہ نے انتقال کیا تو وہ سب اسکی ملازمت قبول کر لینگے۔ اس لئے ان سبھوں نے پچاس روز کی مہلت چاہی تاکہ اپنے مخبروں کے ذریعہ سے انہیں ٹھیک حال معلوم ہو جائے۔ اگر اتنی مدت میں کوئی جواب یا خبر نہ آئی تو بھی یہ سب کے سب زمرۂ ملازمان اورنگ زیب میں داخل ہو جائیں گے۔ اورنگزیب

سلہ یہ تقرر ۱۱ جمادی الاول ۱۰۶۸ھ ہجری (۲۴ فروری ۱۶۵۸ء) کو عمل میں آیا۔ (عمل صالح)

ان تمام افسروں اور سرداروں سے اپنے اس عہد پر قائم رہنے کا قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف لیا۔

چونکہ اورنگ زیب کو بخوبی معلوم تھا کہ شاہجہاں زندہ ہے اس لئے اُس نے یہ چال چلی کہ اپنے معتمد مرزا عبداللہ قلعہ دار نربدا کے پاس حکم بھیجا کہ کسی شخص کو بلا تلاشی لئے نربدا کے پار نہ آنے دے۔ دریائے نربدا ملک دکن اور ہندوستان کے درمیان حد فاصل ہے اور بغیر دریائے مذکور عبور کئے کوئی داخل دکن نہیں ہو سکتا۔ اورنگ زیب نے یہ بھی حکم دیا کہ اگر کسی شخص کے پاس سے ایسا خط برآمد ہو جس میں لکھا ہو کہ شاہجہاں زندہ ہے تو اُس خط کو جلا کر لانے والے کو قتل کر دیا جائے۔ اس طریقہ سے مدت معینہ تک افسروں کے پاس کوئی خبر نہ پہنچی اور آخر کار وہ سب ملازمان اورنگ زیب میں داخل ہو گئے اورنگ زیب نے وقت ضائع نہ کیا اور جنگ کی تیاری کر دی۔ روانگی کے وقت اس نے خود بھی زمین پر گھٹنے ٹیکے اور فوج کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیا اور نہایت الحاج وزاری کے ساتھ خدا کی جناب میں فتح کی دعا مانگی۔ جس وقت یہ چلنے کے واسطے گھوڑے پر سوار ہوا تو اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہا "یا سر دہم یا ستانم" یہ وہی الفاظ تھے جو سکندر اعظم نے کہے تھے جب وہ دارا کے مقابلہ کے لئے روانہ ہوا تھا۔ چند کوس کوچ کرنیکے بعد خبر پہنچی کہ شہزادہ مراد بخش کے سردار شہباز نے قلعہ سورت کا محاصرہ کیا مگر اُس میں نقد زر جو نہ پاکر جیسی کہ امید تھی اُسے لوٹ لیا اور جو کچھ ملا اُسے مراد بخش کے پاس پہنچا دیا۔ اورنگ زیب نے مراد بخش کو مع لشکر طلب کیا۔ اُدھر مراد بخش نے اورنگ زیب سے ملحق ہونیکے واسطے مع فوج کوچ کیا تاکہ دونوں ملکر آگرہ کی طرف روانہ ہوں۔ جس وقت مراد بخش بغرض روانگی اپنے گھوڑے پر سوار ہوا تو کہنے لگا "اگر طالع دارم ہیچ پروانہ دارم"

شہباز خواجہ سرا کو چونکہ اورنگ زیب کے قول و فعل کا اعتبار نہ تھا اس لئے اُس نے اپنے آقا مراد بخش کو صلاح دی کہ کسی حالت میں نہ تو صوبہ گجرات کو چھوڑنا چاہیے اور نہ احمد آباد

سے باہر جانا چاہیئے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ اگر اُس کے کہنے پر عمل کیا جائیگا تو تمام قلعے مراد بخش کے قبضہ میں آجائیں گے اور خزانہ میں کثیر دولت کا اضافہ ہوگا۔ آخر شہباز نے کہا کہ اورنگزیب کے نرم الفاظ اور وعدوں کا کبھی اعتبار نہ کرنا چاہیئے اور نہ وہاں جانا مناسب ہے۔ جہاں اورنگ زیب طلب کرتا ہے۔ وقت خود بتائیگا کہ ہم کو کیا کرنا چاہیئے۔

اورنگ زیب مراد بخش سے ملحق ہونیکے لئے برابر کوچ کرتا رہا۔ لیکن مراد بخش نے چونکہ کوئی جواب نہ دیا تھا اس لئے اُس کو اندیشہ ہوا اور پہلے سے زیادہ اُس نے لفاظی اور عیاری سے بھرے ہوئے خطوط روانہ کرنے شروع کئے۔ اور پھر اُس وعدہ کا اعادہ کیا کہ وہ اُسے (مراد بخش کو) بادشاہ دہلی بنائیگا۔ اور صرف یہ مقصد ہے کہ اس طریقہ سے اُسکے (اورنگ زیب کے) لوگوں کو فائدہ پہنچے جسکے ساتھ مراد بخش مثل دیگر ملازمان برتاؤ کرے۔

اورنگ زیب نے خفیہ طور سے کچھ آدمی مراد بخش کے دربار میں داخل کر رکھے تھے جو ہر وقت اُسے یقین دلاتے رہتے تھے کہ یہ تمام ابتدائی کارروائیاں اورنگ زیب اس لئے کر رہا ہے کہ وہ اور اُس کے اہل وعیال آپ کی پناہ لیکر محفوظ رہیں۔ بادشاہ ہونے کے بعد مراد بخش کو اختیار ہے کہ کچھ رقم بطور خیرات اورنگ زیب کو عطا کردے جو سفر مکہ کے لئے کافی ہو۔ اور مکہ معظمہ میں اُسے ایک مکان مہیا کرادے تاکہ اورنگ زیب وہیں اپنی بقیہ عمر بسر کرے جیسا اُس نے خدا سے عہد کیا ہے۔

حکومت کی ہوس نے مراد بخش کو شہباز خواجہ سرا کی نصیحت پر عمل نہ کرنے دیا۔ اور وہ اورنگ زیب سے ملنے کے لئے روانہ ہوگیا جو مانڈو کے جنگل کے قریب اُسکا منتظر تھا۔ اورنگ زیب نے مع اپنے فرزند سلطان محمد کے مراد بخش کا استقبال کیا اور نہایت عزت کے ساتھ اُسے لایا۔ اورنگ زیب مراد بخش کو بادشاہ کہہ کر خطاب کرتا۔ اور دست بستہ اُسکے سامنے کھڑا رہا۔ اس کے بعد تمام وعدوں کا اعادہ کرکے اورنگ زیب نے اُسے یقین دلایا کہ اُسے تاج شاہی کی طرف مطلق رغبت نہیں بلکہ اپنے دشمن دارا شکوہ کے مقابلہ

میں مراد بخش کو امداد دینا اور تخت پر بٹھانا اُس کا مقصد اعلیٰ ہے اس کے بدلے میں وہ صرف مراد بخش سے محبت و الفت کا خواہاں ہے۔

دونوں لشکر ساتھ ساتھ کوچ کرتے تھے۔ اسی اثنا میں اورنگ زیب اپنے وعدل کا اعادہ اور دوستی کا یقین دلاتا رہا۔ یہ مراد بخش کا نہایت ادب کرتا تھا۔ سب کے سامنے اور تخلیہ میں ہمیشہ اُسے بادشاہ اور جہاں پناہ کہکر خطاب کرتا۔ اورنگ زیب نے اُسے سمجھایا کہ اگر وہ بادشاہ ہونا چاہتا ہے تو صرف معاملات گولکنڈہ ہی کافی ہیں۔ اگر دنیا کی چیزوں کی اُس کی نگاہ میں کچھ قدر و قیمت ہے تو اب وہ گولکنڈہ کا بھی بادشاہ ہو جائیگا۔ مراد بخش کو پورا یقین تھا کہ اورنگ زیب اُس کا دوست صادق ہے اور وہ اپنے تمام وعدوں کو ایفا کریگا اور اُسے اس کے ساتھ سچی محبت ہے۔ مراد بخش نے بھی اورنگ زیب سے بڑے بڑے وعدے کئے۔

مانڈو کے جنگل میں پہنچنے کے بعد اورنگ زیب رات کے دس بجے اپنے خیمہ میں بیٹھا قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا کہ داہنی طرف سے ایک مہیب سانپ ظاہر ہوا جو اُسکی طرف آرہا تھا۔ اس نے مطلق خیال نہ کیا اور بغیر کسی قسم کا اضطراب ظاہر کئے اطمینان سے تلوار ماری جو ہمیشہ اس کے پاس رہا کرتی تھی۔ ایک ہی وار میں سانپ کا سر علٰحدہ ہو گیا اور اُسکی خون کی چھینٹیں اورنگ زیب پر پڑیں۔ اس نے کھڑے ہو کر نوکروں کو آواز دی اور اُنہوں نے فوراً پہنچکر اُس کے تمام جسم کو پیٹ کر مار ڈالا۔ بیجان ہونے کے بعد جب اُسے تولا گیا تو اُس کا تیس سیر وزن ہوا۔ اورنگ زیب نے ظاہر کیا کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ انشاءاللہ وہ مظفر و منصور ہوگا۔ کیونکہ اکثر مسلمان وہمی ہوتے ہیں۔

بعض نکتہ چین یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ اول تو سانپ اس قدر بڑا نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ اتنا بڑا سانپ خیمہ میں کس طرح داخل ہوا۔ اور مصنفین سے قطع نظر کرکے جنہوں نے سانپوں کی نسبت بہت کچھ لکھا ہے میں نے خود بڑے بڑے قد آور

سانپ دیکھے ہیں۔ خیمہ میں داخل ہونے کی نسبت میں ناظرین کو یاد دلاتا ہوں کہ خیمہ مذکور جنگل میں تھا جہاں پتھر کی چٹانیں بکثرت تھیں اور زمین کا ہموار کرنا محال تھا۔ باقی تمام لشکر بھی اسی طرح خیمہ زن تھا۔ زمین ناہموار ہونے کی وجہ سے لشکر کا زیادہ حصہ درختوں کے سایہ میں تھا۔ جیسا مجھے اکثر موقعوں پر دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

دونوں فوجوں کے مل جانے سے کثیر اور طاقتور لشکر مجتمع ہو گیا۔ تمام درباریان شاہی عموماً اور شاہجہان و دارا شکوہ خصوصاً نہایت پریشان اور خوفزدہ تھے کیونکہ انہیں لشکر مخالف کی کثرت اور قوت کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اورنگ زیب کی قابلیت، مراد بخش کی دلیری و شجاعت اور ان دونوں کے استقلال سے کوچ کرنے نے اس پریشانی کو اور بھی زیادہ کر دیا تھا۔ اُن کو صاف صاف نظر آرہا تھا کہ یہ ایسی آگ لگی ہے جس کا بجھانا مشکل ہے۔ شاہجہاں نے دونوں شہزادوں کو متعدد خطوط کے ذریعہ سے متنبہ کر کے اپنے اپنے صوبوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور یہ بھی وعدے کئے کہ اُنکی اس بغاوت پر آئندہ لحاظ نہ کیا جائیگا۔ مگر تمام تحریرات بے سود ثابت ہوئیں۔ اورنگ زیب مراد بخش کو بھی ذہن نشین کر تا رہا کہ دارا یہ مصنوعی خطوط روانہ کر رہا ہے ورنہ دراصل شاہجہاں کا انتقال ہو چکا۔ اگر یہ بات درست نہیں تو دارا نے قید کر رکھا ہے کیونکہ عرصہ سے اعلیحضرت برآمد نہیں ہوئے۔ اگر ہمارے والد بزرگوار زندہ و سلامت ہیں تو ہم دونوں عاجزی کے ساتھ اُن سے معافی کے خواستگار ہونگے۔ اور عرض کر سکتے ہیں کہ ہم آپ کو دارا کے ہاتھ سے رہا کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تھے اور اب اپنے اپنے صوبونکو واپس جاتے ہیں

یہ تمام باتیں بالکل جھوٹ تھیں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک دن شاہجہاں نصف گھنٹہ تک درشن دینے کے لئے شاہی محل کے دریچہ میں جو دریا کی طرف ہے آکر بیٹھا۔ فوجی اور عام آدمیوں کی کثیر تعداد موجود تھی جس نے شرف دیدار حاصل کیا اور بادشاہ کی آواز سُنی لیکن اکثر آدمی کہتے تھے کہ یہ شاہجہاں نہیں ہے بلکہ دارا نے

اس کی ہم شکل تصویر بنا کر لوگوں کے اطمینان کے لئے یہاں بٹھا دی ہے۔

بہت سے تفرقہ انداز درباری اورنگ زیب سے ساز باز رکھتے تھے اُنہوں نے اُسے لکھا کہ بنگالہ سے سلیمان شکوہ کے واپس ہونے سے پہلے آگرہ پہنچ جانا چاہئے۔ کیونکہ دارا نے سلیمان شکوہ کو دارالسلطنت میں واپس طلب کیا ہے۔ اور شاہجہاں مہلک بیماری میں مبتلا ہے اس قسم کے خطوط شائستہ خاں[۵] اور محمد امین خان ابن میر جملہ نے بھی روانہ کئے تھے جو دارا شکوہ نے گرفتار کر لئے۔ اور ان دونوں سرداروں کو اپنے محل کی ایک کوٹھری میں قید کر دیا۔ تمام درباریوں کا خیال تھا کہ ان دونوں کے سر قلم کئے جائیں گے۔ خود میں بھی اُس دن ان دونوں کا انجام دیکھنے کے لئے حاضر دربار رہا۔ مگر رات کے سات بجے روشن آرا بیگم اور دیگر شہزادیوں کی سفارش سے یہ دونوں آزاد کر دیئے گئے۔ روشن آرا بیگم نے بادشاہ کو یہ یقین دلایا کہ گرفتار شدہ خطوط مصنوعی ہیں۔ بعد میں دارا کو یہ افسوس رہا کہ اس نے ان کو کیوں نہ قتل کر دیا۔

شاہجہاں نے دیکھا کہ بیٹے اس کی نہ کچھ عزت کرتے ہیں اور نہ اُسکے احکامات کی تعمیل کرتے ہیں بلکہ نہایت تیزی اور عجلت کے ساتھ کوچ کرتے ہوئے اس غرض سے آرہے ہیں کہ دارا شکوہ سے جنگ کریں۔ اگر وہ بذات خود بھی انکے روکنے کے واسطے گیا تو بھی وہ حملہ کرنے سے باز نہ آئیں گے۔ حملہ آور لشکر میں زیادہ تر وہی دھوکہ باز اور شریر شامل تھے جنہوں نے مشہور کر دیا تھا کہ شاہجہاں کا انتقال ہو گیا حالانکہ وہ زندہ تھا اگرچہ نحیف و کم قوت تھا۔ شاہجہاں نے دارا سے کہا کہ باوجود اس ناطاقتی کے میدان جنگ میں میرا خود جانا نہایت مناسب ہے اور اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ بہت سے شریر اور دھوکہ باز اطاعت قبول کریں گے۔ دارا نے بھی اس تجویز کو پسند کیا۔

اس تجویز کو سُنکر اُن دھوکہ باز درباریوں نے جو اورنگ زیب سے ساز رکھتے تھے اختلاف کیا۔ خصوصاً خلیل اللہ خاں نے دارا سے کہا کہ" جو صورت بھی ہو مگر آپکو لئے

---

[۵] شائستہ خان ملکہ ممتاز محل کا بھائی اور شاہجہاں کی اولاد کا ماموں تھا۔

کسی طرح یہ مناسب نہیں کہ بادشاہ کو بذات خاص میدان جنگ میں جانے دیں۔ میں آپکو وثوق کے ساتھ یقین دلاتا ہوں کہ حتماً آپ کی فتح ہوگی۔ اگر اتفاقاً بادشاہ نے جنگ میں حصہ لیا تو اُن کی وجہ سے فتح ہونا بیان کیا جائیگا اور انہیں کی ناموری و شہرت ہوگی اور اس فتح کے متعلق آپ کا کوئی نام بھی نہ لیگا"۔ شاہجہاں کو چونکہ اس کا یقین تھا کہ میدان جنگ میں اُس کی موجودگی فائدہ سے خالی نہ ہوگی لہذا باوجود علالت اُس نے تیاری سامان سفر کا حکم دیدیا۔ دارا نے کچھ تو اپنی عزت کے خیال سے اور کچھ خلیل اللہ خان کی اشتعال سے بادشاہ سے عرض کیا کہ "اگر آپ بذات خاص میدان جنگ میں تشریف لیجائیں گے تو آپ کے سامنے میں اپنے شکم میں خنجر مار کر مر جاؤں گا" یہ سنکر افسردہ دل شاہجہاں نے چشم پُرآب ہو کر دارا سے کہا کہ اس وقت سے میں کسی امر کا ذمہ دار نہیں ہوں خداوند عالم تمہاری مدد فرمائے۔ دارا کو ان عیار افسروں کے بھروسہ پر چونکہ فتح کا کامل یقین تھا لہذا کہنے لگا کہ "میں اپنی چھڑی سے اپنے دشمنوں کو زیر کر کے گرفتار کرلونگا"۔ دارا نے بھائیوں سے انتقام لینے اور جنگ کی عجلت کر ساتھ تیاری شروع کردی۔

بیچارہ شاہجہاں اپنی آخر عمر میں ان پیچیدگیوں اور مخالفتوں کو دیکھ کر سخت پریشان تھا اور مجبور تھا کہ دارا کا اعتماد کر کے اپنا تمام خزانہ اُس کے سپرد کردے۔ آخر راؤ چتر سال[1] اور راؤ رام سنگھ[2] روٹیلہ کو طلب کر کے اور سرداران فوج پر افسر مقرر کیا۔ جن میں سے اکثر کے تعلقات دارا کے ساتھ اچھے نہ تھے۔ ان سرداروں کو اُس نے اپنی طرف سے اپنے ہی فرزندوں سے لڑنے کا حکم دیا۔ ان جھگڑوں کے اثر سے جو ابتری سلطنت میں

---

[1] راؤ چتر سال ڈاڈا اور تن راجہ لونڈی کا پوتہ تھا (ماثر الامرا)

[2] رام سنگھ خلف کرم سی راٹھور مادری رشتہ سے رانا جگت سنگھ راجہ اُدیپور کا بھتیجا تھا (ماثر الامرا)

ہو رہی تھی بادشاہ اس سے بھی غافل نہ تھا اور اپنی تباہی و بربادی کا اُسے بیحد خوف تھا۔ اُسے اس بات کا پورا یقین تھا کہ اُس کی اولاد قتل کی جائیگی۔ کبھی اُسے اُس فقیر کا قول فراموش نہو جس نے اسے دو سیب دیئے تھے۔

دارا نے بہ تعجیل سلیمان شکوہ کے پاس یہ احکامات روانہ کئے کہ وہ شجاع کا تعاقب ملتوی کرکے مع اپنے سپہ سالاروں اور فوج کے داراشکوہ کے لشکر سے مل کر اورنگ زیب اور مراد بخش کا مقابلہ کرے جو بطور یلغار آرہے ہیں۔ اور تاکید کی کہ کسی طرح دیر نہ کی جائے کیونکہ قبل از جنگ دونوں فوجوں کا متحد ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ تجویز اگرچہ بہت مناسب تھی مگر بعد از وقت ہونے کی وجہ سے دارا کی بدقسمتی سے سلیمان شکوہ کا عین وقت پر پہنچنا ناممکن تھا۔ اگر سلیمان شکوہ کی فوج وقت پر دارا کے لشکر سے مل جاتی تو یہ امر محال تھا کہ اورنگ زیب اور مراد بخش ایسی بیباکی سے حملہ کرتے جیسا اُنہوں نے کیا کیونکہ طرفین کا پلہ غیر مساوی تھا۔

میدان میں فوجیں روانہ کرنے کی تیاریاں ہو رہی تھیں کہ آگرہ میں خبر پہنچی کہ مقام برہان پور اورنگ زیب اور مراد بخش نے دریا کو عبور کرکے مانڈو کے جنگل میں پہاڑی اور تنگ راستہ اختیار کیا ہے۔ میں خود اس پہاڑی راہ سے کئی مرتبہ گذرا ہوں۔ دارا کو امید تھی کہ وہ انکا راستہ روک دیگا۔

مذکورہ بالا خبریں پہنچنے سے دربار میں پریشانی اور گھبراہٹ کا اور اضافہ ہوگیا۔ اس پر شاہجہاں نے اور دوسرداروں راجہ جسونت سنگھ راٹھور (جو بادشاہ کا معتمد تھا) اور قاسم خاںؔ (جو دارا سے کشیدہ خاطر تھا) کو طلب کرکے اورنگ زیب اور مراد بخش کے مقابلہ کے لئے متعین کیا۔ اور یہ بھی ہدایت کردی کہ حتی الامکان اس کی کوشش کی جائے کہ دونوں شہزادے اپنی اپنی دارالحکومتوں کو واپس ہو جائیں۔ اگر وہ باز نہ آئیں تو پھر بذریعہ فوج روکا جائے۔

ؔ محمد قاسم ابن ہاشم خاں ابن قاسم خاں میر بحر کو پہلے محمد خاں بعدہ قاسم خاں کا خطاب دیا گیا۔ یہ آخر ۱۰۷۰ھ (جولائی یا اگست ۱۶۶۰ء) کو متھرا کے راستہ میں اپنے خسر پورہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ (تاریخ محمدی و ماثر الامرا)

قاسم خاں محض شاہجہاں کی خوشنودی مزاج کی وجہ سے راجہ جسونت سنگھ کے ساتھ شامل ہوگیا ورنہ اس لڑائی میں شامل ہونے یا دربار شاہی سے علیحدہ ہونے کو اس کا دل نہ چاہتا تھا۔ جب یہ دونوں سلام رخصتی کے لئے حاضر ہوئے تو دارا نے دونوں کو تحائف وانعامات چند سجے ہوئے ہاتھیوں اور گھوڑوں قیمتی اسلحہ کی شکل میں عنایت فرمائے۔ اور خوش خلقی سے دوستانہ گفتگو کرکے انہیں رخصت کیا۔

ان دونوں نے راستہ سے کئی خطوط اورنگ زیب اور مراد بخش کی خدمت میں اس استدعا کے ساتھ روانہ کئے کہ وہ اپنے صوبوں کو واپس جائیں مگر نہ کسی خط کا جواب آیا اور نہ وہ آدمی واپس ہوئے جو خطوط لیکر گئے تھے۔ ان دونوں نے ایسی تیزی کے ساتھ کوچ کیا کہ شاہجہاں کے سپہ سالاروں کی امید کے خلاف یہ ایک بلند مقام پر جو اجین سے دریا سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے قابض ہوگئے۔ اپریل کا آخر مہینہ تھا۔ گرمی تیز تھی اور دریا میں پانی کم تھا۔ شاہجہاں کے سپہ سالاروں نے فوراً لڑائی کی تیاری کردی۔ مگر اورنگ زیب نے اس نقل و حرکت کی کچھ پروا نہ کی۔ کیونکہ نہ تو ابھی تمام لشکر پہنچا تھا اور نہ موجودہ لشکر لڑائی کے قابل تھا۔ اس لئے صرف دشمن کو دریا کے قریب آنے سے روکنے کے لئے توپ خانہ سے چند فیر کردیئے۔ اس کی یہ غرض تھی کہ بقیہ لشکر پہنچ جائے اور تمام فوج کو آرام کرنے کا بھی موقع مل جائے جو گرمی میں کوچ کرنے سے بہت تھکی ہوئی تھی۔ اگر راجہ اسی وقت حملہ کردیتا تو حالت موجودہ کو دیکھتے ہوئے اورنگ زیب کو تھوڑی سی مدافعت کے بعد شکست ہوجاتی اس موقع پر میں آگرہ میں ہونے کی وجہ سے اس پہلی لڑائی میں شریک نہ تھا۔ جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ ان اعلیٰ افسروں سے سنکر لکھا ہے جو اس معرکے میں شریک تھے اور مجھ سے ان کی دوستی تھی۔ علاوہ اس کے بہت سے حالات مجھے ان اہل یورپ کی زبانی معلوم ہوئے جو اورنگ زیب کے توپخانہ میں ملازم تھے۔ ان سب نے حالات یکساں طور پر بیان کئے۔ راجہ جسونت سنگھ نے اپنے مورچے دریا کے کنارے بموجب حکم

جو اُسے دیا گیا تھا قائم کئے۔[۱]

دشمن کے دیر کرنے اور آرام کرنے کے بعد جب اورنگ زیب کی سپاہ تازہ دم ہو گئی تو اُس نے دریا کو عبور کرنے کی تیاری کی اور حکم دیا کہ تمام توپ خانہ ایک دم سے فیر کرنا شروع کر دے۔ اور اُسی حالت میں مراد بخش مع اپنے تمام لشکر کے دریا میں اُتر جائے۔ اس دریا کے کنارے نہایت ناہموار ہیں اور بڑے بڑے پتھر نکلے ہوئے ہیں اس لئے ان پر چڑھنا اور اُترنا بہت مشکل ہے۔ اگرچہ یہ دریا کچھ زیادہ چوڑا نہیں ہے دمیں نے بہت مرتبہ سے عبور کیا ہے) ادہر سے قاسم خاں نے اپنے توپ خانہ سے فیر کرنے شروع کئے تاکہ ظاہر ہو کہ دشمن کے اُترنے میں مزاحمت کی جا رہی ہے لیکن قاسم خاں نے خفیہ اورنگ زیب کے ساتھ سازکر لیا تھا۔ اور شب گزشتہ کو اُس نے اپنا تمام گولہ بارود کسی جگہ پوشیدہ کر کے صرف اس قدر رکھ لیا تھا جو چند فیروں کے لئے کافی ہو۔ شروع شروع میں سخت لڑائی ہوئی۔ اور جسونت سنگھ کے سپاہی جی توڑ کر دریا کے عبور کرنے میں مزاحم ہوئے۔ لیکن آخر میں مراد بخش ایسی دلیری کے ساتھ دریا میں اُترا کہ راجہ اُسے نہ روک سکا۔ اور قاسم خاں واپس ہو گیا۔ راجہ نہایت بہادری سے اُس وقت تک لڑتا رہا جب تک اُس کی فوج کا بہت تھوڑا حصہ باقی رہ گیا۔

جب اورنگ زیب کا لشکر دریا کے دوسری طرف پہنچ گیا تو کمی جمعیت کی وجہ سے راجہ جسونت سنگھ کو اُس کے مشیروں نے یہ صلاح دی کہ اگر وہ زندہ رہے گا تو لشکر جمع کر کے متعدد لڑائیاں لڑ سکتا ہے۔ یہ سنکر وہ اپنی خواہش کے خلاف پانسو سوار ہمراہ لیکر اپنے علاقہ کو روانہ ہو گیا جو وہاں سے ستر فرسخ کے فاصلہ پر تھا۔ چونکہ اُس کے ہمراہیوں میں سے تقریباً دس ہزار راجپوت کام آ گئے تھے اس لئے راجہ آگرہ نہ گیا۔ اور اورنگ زیب نے اُس جگہ ایک سرائے

---

[۱] اورنگ زیب کا مورچہ موضع دہرات پور و تھا جو اُجین سے سات کوس کے فاصلہ پر ہے۔ اور راجہ کا مورچہ اُس کے مقابل تھا۔ (عالمگیر نامہ)

تعمیر کرنے اور ایک باغ نصب کرنے کا حکم دیا جس کا نام فتحپور[۵۱] رکھا۔ دشمن کا توپ خانہ اور اسباب اس کے قبضہ میں آیا۔ قاسم خاں نے جو بارود دفن کردی تھی اُسے بھی نکال لیا گیا اور اس سے اورنگ زیب کو اور قوت ہوگئی۔

راجہ جسونت سنگھ جب اپنے علاقہ میں پہنچا تو اس کے ساتھ صرف پندرہ سوار رہ گئے تھے اور بعض حادثات ایسے پیش آئے کہ باقی سوار چھوٹ گئے۔ راجہ کی زوجہ رانا کی دختر تھی جو رانی جی کے لقب سے مشہور تھی۔ جب اُس نے لڑائی اور راجہ کی واپسی کا حال سنا کہ کس بہادری کے ساتھ جنگ کی اور سپاہی کم رہ جانے کی وجہ سے وہ زیادہ دشمن کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ رانی بجائے اسکے کہ تسلی بخش پیام بھیجکر اس ہزیمت کے رنج و ملال کو اسکے دل سے مٹاتی۔ رانی نے حکم دیا کہ اُدیپور[۵۲] کے قلعہ کے دروازے بند کردیئے جائیں تاکہ راجہ داخل قلعہ نہ ہو۔ اور اس نے یہ حقارت انگیز الفاظ کہے کہ "آج سے نہ وہ میرا شوہر ہے اور نہ میں اسکی صورت دیکھنی چاہتی ہوں۔ چونکہ میں بڑے رانا کی اولاد سے ہوں اس لئے یہ کمینہ پن برداشت نہیں کرسکتی۔ اسے کم سے کم اُس تعلق کا لحاظ رکھنا چاہیئے تھا جو اُسے میرے مشہور اور نامور خاندان سے تھا۔ اسے یا لڑائی فتح کرنی چاہیئے تھی اور یا اُسی جگہ لڑتے لڑتے مرجانا۔ اس صورت میں میں یا تو ایک فاتح کی رانی کہلاتی اور یا ذیعزت بیوہ کی طرح جل کر مرجاتی"۔

غصہ کے جوش میں اُسے مطلق خبر نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ اُسی حالت میں اُسے یہ خیال ہوگیا کہ اُس کا شوہر در اصل لڑائی میں مارا گیا اور ستی ہونے و جلنے سے روکنے کی غرض سے ایسا کہا جاتا ہے پس اُس نے ان تمام چیزوں کے فراہم کرنے کا حکم دیا جو ستی ہوتے

---

[۵۱] ممکن ہے کہ مصنف کی مراد فتح آباد سے ہو جو اُجین سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر بسمت شمال و مشرق واقع ہے۔

[۵۲] یہ قصہ برنیر نے بھی اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے مگر اُس میں اُدے پور کا ذکر نہیں جو رانا کا دارالحکومت تھا نہ کہ راجہ جسونت سنگھ کا۔

وقت ضرورت ہوا کرتی ہے۔ اور بار بار یہی کہتی تھی کہ میرا شوہر مارا گیا اور یہ کسی طرح ممکن نہیں کہ وہ میدان جنگ سے پشت پھرا کر اور بھاگ کر گھر آئے۔"

جب اُسے یقین دلایا گیا کہ واقعی اُس کا شوہر زندہ ہے تو اُسے ایسا جوش غضب ہوا کہ زمیں پر گر کر بیہوش ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو کہنے لگی کہ کاش میں پیدا ہی نہ ہوتی یا یہ دن دیکھنے سے پہلے مر جاتی۔ یا کم سے کم اس خاندان سے میرا تعلق نہ ہوتا۔ یا بجائے اس بزدل کے کسی ذی عزت اور بہادر شخص کے ساتھ بیاہی جاتی۔ اگرچہ وہ نیچے درجہ کا ہوتا" آخر میں اُس نے ظاہر کیا کہ عمر بھر وہ ایسے بزدل کا مُنہ نہ دیکھے گی اور اسی حالت میں زندگی بسر کرے گی۔

رانی کی والدہ نے بھی آکر اُس کی تسلی و تشفی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور یہ وعدہ کیا کہ تھوڑے عرصہ بعد لشکر فراہم کر کے راجہ پھر اورنگ زیب پر حملہ کریگا اور اُسکی عزت قائم رہے گی۔ دولت خرچ کرنے میں بھی دریغ نہ کیا جائیگا۔ لیکن رانی نے کسی طرح راجہ کا قلعہ میں داخل ہونا قبول نہ کیا۔ اور حکم دیا کہ اُس کے سامنے کوئی اُسکے شوہر کا نام تک نہ لے۔ کئی برس تک یہی حالت رہی۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب نے جواب بادشاہ تھا درمیان میں پڑکر ان دونوں میں صلح کرانی چاہی۔ اس نے مختلف موقعوں پر محل کی چند عورات اور خواجہ سرا رانی کے پاس بھیجا۔ رانی نے شاہی حکم کی عزت برقرار رکھنے کی نیت سے بادل ناخواستہ سلوک کرنا منظور کر لیا۔ تاہم رانی نے کبھی اپنا چہرہ راجہ کو نہ دکھایا۔

ایک روز راجہ نے خربزہ کھانا چاہا اور خادمہ نے اُس کے ہمراہ تراشنے کے لئے چھری پیش کی۔ یہ دیکھ کر رانی غصہ سے ایسی برافروختہ ہوئی کہ خادمہ کے بال پکڑ کر مارنا شروع کیا اور کہا کہ تو ابتک اس بات سے واقف نہیں کہ یہ بھگوڑا جب لوہا دیکھتا ہے تو اُسے غش آجاتا ہے" رانی کا تمام عمر یہی طرز عمل رہا۔

شاہجہاں کو جب اس شکست کی خبر پہنچی تو دونوں ہاتھ اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ کر کہا کہ "الحمدللہ۔ مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ میرا زمانہ حکومت ختم ہونے کو ہے۔ مگر اس کا علم

نہ تھا کہ میرے سر پر یہ مصیبت پڑے گی۔ در در رسیدہ ہو کر سوا ے اس کے کیا کہوں کہ یا اللہ جو تیری رضا۔ یہ میرے گناہوں کی سزا ہے جس کا میں مستحق ہوں"

دارا کو جب معلوم ہوا کہ اُجین میں دشمن نے دریا عبور کر لیا تو سخت پیچ و تاب کھایا اور ہاتھ ملکر قاسم خان کو گالیاں دینے لگا۔ اگر یہ موقع پر موجود ہوتا تو بیشک اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتا۔ اسی سلسلہ میں اس نے میر جملہ کو بھی برا بھلا کہنا شروع کیا۔ اور شاہجہاں سے عرض کیا کہ ذات والا ہی اس مصیبت کا باعث ہے۔ اگر حضور عالی میر جملہ پر اعتماد نہ کرتے تو اُس کا لشکر اورنگ زیب باغی کی طرف نہ چلا جاتا لیکن آج ہمارے ہی ہتھیار ہمارے مقابلہ میں کام آرہے ہیں۔ اگر بندگان عالی اول ہی فدوی کی صلاح مانتے تو یہ روز بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا" دارا نے اس الزام میں محمد امین خان اور شائستہ خان کو بھی شامل کر کے عرض کیا کہ یہ بھی اورنگ زیب سے ساز رکھتے ہیں۔ لہذا انکو قتل کر کے ان کے اہل و عیال کو کسی مکان میں مقید کر دینا چاہیے۔ دارا اس سخت اشتغال کی حالت میں ضرور ایسا کر گذرتا لیکن شاہجہاں نے اپنے حلم اور عقلمندی سے دارا کے غصہ کو دھیما کرنیکے لئے کہا کہ یہ اورنگ زیب کی مکاری اور چالبازی ہے۔ اُس نے میر جملہ کو پکڑ کر اُس کا تمام مال و اسباب اس لئے لے لیا کہ اورنگ زیب کو معلوم تھا کہ محمد امین خاں اور شائستہ خان اُسکا ساتھ نہ دیں گے۔ دارا نے تمام گفتگو کو سنا اگرچہ اُسے شاہجہاں کی رائے سے اتفاق نہ تھا۔ اور فوج کی تیاری میں مصروف ہوا: پہلے ہی معرکہ میں فتحیاب ہونے سے اورنگ زیب اور مراد بخش کی ہمت بڑھ گئی اور وہ خیال کرنے لگے کہ اب کوئی لشکر اُن کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح فوج کے سپاہی بھی لاف زنی کرتے تھے کہ اس سلطنت کے فتح کرنے کے بعد وہ فارس و ترکستان کو تسخیر کریں گے۔ فوج کا دل بڑھانیکے لئے اورنگ زیب نے ظاہر کیا کہ دارا کے لشکر سے تیس ہزار مغل ادھر آنیکے لئے تیار ہیں یہ بات خلاف عقل نہ تھی جیسا میں نے ایک وقت اپنی آنکھ سے دیکھا۔

شہباز خواجہ سرا کو پورے طور سے یقین تھا کہ اورنگ زیب اُس کے آقا مراد بخش کو دھوکا دیرہا ہے۔ اور فتحیابی کے بعد یکسو ہو کر وہ ضرور اُس کی جان لیگا۔ جب اورنگ زیب مع اپنے فرزند سلطان محمد کے مراد بخش کی ملاقات کے لئے آیا جیسا کہ اکثر آیا کرتا تھا تو شہباز نے چاہا کہ خیمہ سے نکلتے وقت اُسے قتل کردے۔ چنانچہ جب یہ تینوں شہزادے مشغول گفتگو تھے تو اشارتاً اُس نے اپنے آقا سے دریافت کیا کہ اگر حضور کا حکم ہو تو کیڑا قطع کردیا جائے۔ مگر چونکہ مراد بخش کا ستارہ پستی میں تھا۔ اُس نے جواب دیا کہ ابھی ضرورت نہیں۔ مراد بخش کو شہباز کے ارادہ کا حال معلوم تھا۔ اگر یہ ہاں کہدیتا تو شہباز ان دونوں باپ بیٹوں کو وہیں قتل کردیتا۔ اور اس غرض سے اُس نے اپنے آدمی مناسب موقع پر پوشیدہ کر رکھے تھے۔ اس خواجہ سرا نے یہی بیوقوفی کی کہ اپنی تجویز کو عملی صورت میں لانے کے لئے اپنے آقا کی رضامندی کا منتظر رہا۔ بلکہ جو اُس کے دل میں تھا اُسکو کر گذرتا اگر اس جھگڑے میں اُس کی جان جاتی تو بھی اُسے اطمینان کی موت نصیب ہوتی۔ کیونکہ جو اُسکے آقا کو مار ڈالنا چاہتے تھے اُن کو اس نے قتل کردیا۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ اورنگزیب کسی حالت میں بھی مراد بخش کو زندہ نہ چھوڑیگا کیونکہ خاندان مغلیہ کا یہی دستور ہے۔

اورنگ زیب یہ گفتگو سنکر سمجھ گیا کہ اُس کی جان خطرہ میں ہے۔ لیکن اضطراب و خوف کا مطلق اظہار نہ کیا۔ اور پھر کبھی وہ مراد بخش کے خیمہ میں نہ گیا۔ بلکہ اپنے پسر سلطان محمد کو بھیجکر کثرت کار اور کم فرصتی کا عذر کردیتا تھا۔ مراد بخش کو اسکی فکر تھی کہ فتوحات برابر جاری رکھی جائیں اور سلیمان شکوہ کو یہ موقع نہ دیا جائے کہ وہ دارا سے مع اپنے لشکر کے آکر ملجائے۔ لہذا اُس نے جنگ سے دوسرے روز فوج کو آرام کی بھی مہلت نہ دی اور کوچ کردیا۔ اسی لئے اُس نے اپنے سپاہیوں کی تنخواہ میں اضافہ کیا اور شان و شوکت کے ساتھ تیسرے روز روانہ ہوگیا۔ اورنگ زیب بھی اپنے مناسب حال تدابیر سے غافل نہ تھا اور اُسنے جاسوسوں کو خطوط دیکر اپنے دوستوں کے پاس روانہ کیا جن میں بڑے بڑے

وعدے کئے گئے تھے۔ اور دربار کی حالت بھی دریافت کی تھی کہ مدافعت کے واسطے کیا کیا سامان کیا جارہا ہے تاکہ یہاں بھی مناسب تدابیر اور سامان کیا جائے۔ جو امرا اورنگ زیب سے ملے ہوئے تھے انہوں نے بالاتفاق لکھا کہ بلا تامل بڑھنا چاہیئے۔ اور انہوں نے یقین دلایا کہ اب جو لڑائیاں ہونگی وہ زیادہ آسانی سے فتح ہونگی۔

اورنگ زیب و مراد بخش کی جرأت اور تجاویز دیکھ کر شاہجہاں کو یقین ہوگیا کہ اب یہ دونوں اپنی اپنی دارالحکومتوں کو واپس نہیں ہوسکتے اور ایسی کوشش کرنا بےسود ہے۔ اس پریشانی میں وہ اس بات کا فیصلہ نہ کرسکا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیئے۔ جو مصیبت آنے والی تھی وہ بھی اُس کے پیش نظر تھی۔ شاہجہاں نے اس پریشانی و مصیبت سے نکلنے کی بہت کوشش کی مگر نحوست طالع مانع ہوئی۔ بوجہ جسمانی کمزوری کے اور نیز اس لئے کہ اُسے دارا کی خاطر منظور تھی۔ اُس نے تمام شاہی اختیارات وغیرہ دارا کو منتقل کردیئے اور سب کو اُس کی اطاعت کا حکم دیا۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ شاید اسی ذریعہ سے وہ علالت اور اُن خطروں سے نجات پاجائے جو اُسے اورنگ زیب کی طرف سے تھے۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ دارا نے شاہجہاں کو گرفتار کرلیا اور جبراً اُسے اختیارات تفویض کرنیکے لئے مجبور کیا۔ مگر میں یقین کے ساتھ بیان کرتا ہوں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ میں نے تحقیق کیا اور مجھے خود بھی معلوم ہے کہ دارا اپنے باپ کا بڑا فرمانبردار تھا۔ اور کوئی کام اُس سے بغیر دریافت کئے نہ کرتا تھا۔ میرے پاس اس بات کے کئی ثبوت ہیں۔ میں ناظرین کو اُن خطوط کا واقعہ یاد دلاتا ہوں جو محمد امین خان اور شائستہ خاں نے لکھے تھے جن کا ابھی میں نے ذکر کیا ہے۔ اسی وجہ سے دارا ان دونوں کو قتل کرنا چاہتا تھا۔ مگر شاہجہاں کے حکم سے وہ آزاد کردیئے گئے۔ اگر بقول

ان مورخین کے دارا نے تمام اختیارات چھین لئے تھے تو وہ ضرور اس موقع پر اپنے اختیار سے انکے سر قلم کرا دیتا اور انصاف بھی اسی کا مقتضی تھا۔

اسی ثبوت میں ایک اور واقعہ ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ بمقابلہ اورنگزیب میدان جنگ میں جانے سے چند روز قبل پولیس نے ایک جینیوا کے عیسائی نوجوان کو اس الزام میں گرفتار کر لیا کہ اس کے پاس سے ایک شراب کی بوتل برآمد ہوئی تھی جسکے رکھنے کی اہل یورپ کو اجازت ہے۔ میں اس کی رہائی کی درخواست کرنیکے لئے حاکم کے پاس گیا جس نے ملزم کے ہمراہ مجھے بھی حراست میں لے لیا۔ میں نے اپنے ملازم کو اشارہ کیا اور اس نے فوراً میرے ان دوستوں کو خبر کی جو دارا کی فوج میں گولنداز تھے یہ سب مجتمع اور مسلح ہو کر آئے اور قید خانہ کا دروازہ توڑ کر ہم دونوں کو نکال لیا۔ پولیس کے سپاہی بھاگ گئے اور حاکم تنہا رہ گیا۔ میں نے رنج و غصہ کی حالت میں حاکم کے پاس پہنچکر اپنا طپنچہ اس کے سینہ پر رکھ دیا۔ میں نے اس کی منت و سماجت پر رحم کر کے اسے قتل نہ کیا۔ جب اس جھگڑے کی اطلاع شاہجہاں کو ہوئی تو اس نے دارا سے اس کا جواب طلب کیا جو اس کے گولندازوں نے کیا تھا۔ دارا نے بادشاہ کو مطمئن کرنے کے لئے افسر توپخانہ کو حکم دیا کہ جینیوا کے نوجوان کو زجر و توبیخ کرے۔ ہم سب نے جمع ہو کر افسر مذکور کے سامنے حاکم کی شکایت کی کہ جبکہ بادشاہ نے ہم لوگوں کو شراب نوشی کی اجازت دے رکھی ہے تو اس نے کیوں ہماری توہین کی۔ اگر دارا خود مختار ہوتا جیسے یہ مورخین کہتے ہیں تو کسی کو دارا کے ملازمین سے آنکھ ملانے کی جرات نہ ہوتی اور نہ شاہجہاں تک اس جھگڑے کی نوبت پہنچتی۔

یہ معلوم کر کے کہ شاہجہاں نے کل اختیارات اور فوج داراشکوہ کے اختیار میں دیدی ہے شہر میں ایک غوغا تھا۔ ہر شخص نے اسلحہ اٹھائے اور اپنے شوق اور رغبت کے موافق ان سے کام لینے لگا۔ ایک لاکھ سے زیادہ سوار اور بیس ہزار سے زیادہ

پیدل جمع ہوگئے۔ ایک سو توپیں تھیں جن میں چار سیر سے لیکر ۲ سیر تک کے گولے چل سکتے تھے علاوہ ان کے ایک بڑی توپ تھی جس میں دس سیر کا گولہ چلتا تھا۔ دو سو سے زیادہ یورپین گولنداز تھے۔ بہت سے دوکاندار رسد بہم پہنچانیکے لئے ہمراہ تھے۔ اور بکثرت صراف فوج کو نقد روپیہ دینے کے لئے موجود تھے۔ بہت سے طاقتور مسلح ہاتھی اور پانسو اونٹ تھے۔ ہر اونٹ پر ایک زنبورک تھی اور اُسی پر اُس کا چلانے والا (زنبورچی) بیٹھا ہوا تھا۔ زنبورک میں سات تولہ سے دس تولہ تک کا گولہ چلتا ہے۔ زنبورچی اونٹ پر بیٹھے بیٹھے بھرتا اور فیر کرتا ہے اور نیچے اُترنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پانسو ہاتھی مع حوضوں کے تھے اور ہر ایک ہاتھی پر دو دو چھوٹی توپیں اور دو دو آدمی تھے۔ یہ توپیں مثل اونٹوں کی زنبورک کے تھیں۔

جب یہ کل سامان ہو چکا تو ہم ۱۴ مئی ۱۶۵۶ء[ل] کو شہر آگرہ سے روانہ ہوئے۔ کوچ کرتے وقت حد نگاہ تک تمام زمین فوج اور آدمیوں سے پُر نظر آتی تھی۔ میں جس امر سے پریشان تھا وہ یہ بات تھی کہ باوجود اس کثیر لشکر کے کوئی شخص یہ نہ کہتا تھا کہ دارا کو یقیناً فتح ہوگی۔ علاوہ ازیں مجھے وہ جواب خوب یاد ہے جو فادر بزوئی (Father Buzee) نے دیا تھا جبکہ میں نے اس عقلمند شخص سے دریافت کیا کہ اس قدر لشکر اور دولت ہونے کی حالت میں کیا آپ کو اب بھی دارا کے بادشاہ ہونے میں شبہ ہے؟ پادری صاحب نے مجھ پر اعتبار و عنایت فرما کر جو اکثر میرے حال پر مبذول فرماتے تھے مجھے یہ جواب دیا کہ "میری رائے میں ہرگز دارا بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہندوستان کے باشندے نہایت بداندیش ہیں اور ان پر حکومت کرنیکے واسطے سخت مزاج بادشاہ کی ضرورت ہے نہ کہ ایسے نیک دل کی جیسا دارا ہے۔

جن وجوہات سے کسی کو دارا کی فتح کا یقین نہ تھا وہ میری رائے میں حسب ذیل ہیں:۔ چونکہ شاہجہاں اکثر امیروں اور درباریوں کی بی بیوں کو اپنے تصرف میں

[ل] صحیح سال ۱۶۵۸ء ہے

ے آیا تھا اس لئے یہ سب اپنی توہین کا انتقام لینے کے لئے ایسے ہی موقع کے منتظر تھے تاکہ اُسے اُس کے جانی دشمن اورنگ زیب کے حوالہ کردیں۔ دارا کی غلطی اگر تھی تو یہ تھی کہ اُس نے ان ارکین سلطنت کی ساتھ خوش خلقی اور عمدہ برتاؤ سے انہیں اپنا دوست نہ بنایا۔ ناکامی کا خاص سبب یہ بھی تھا کہ سلیماں شکوہ نے راجہ جے سنگھ کی صلاح پر عمل نہ کیا اور وارالسلطنت سے بہت فاصلہ پر چلا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ وقت پر نہ پہنچ سکا اور بہترین سپاہی اور افسر جو دارا کے لشکر میں تھے اُس سے علیحدہ رہے اور کام نہ دسکے۔

دارا نے جو نئے سپاہی بھرتی کئے تھے اُن میں زیادہ ایسے تھے جو بالکل لڑائی کے ناقابل تھے۔ یہ قصاب، حجام، لوہار، بڑھئی، درزی اور اسی قسم کے اشخاص تھے جو ہتھیار لگائے گھوڑوں پر سوار دیکھنے میں تو اچھے معلوم ہوتے تھے لیکن نہ تو ان کے اپنے دل تھے اور نہ فن جنگ سے واقف تھے۔ اگر سلیماں شکوہ وقت پر پہنچ جاتا تو نہ ان آدمیوں اور نہ خلیل اللہ خاں کی ضرورت رہتی۔ خلیل اللہ خاں کی زوجہ نے دارا کو آگاہ کردیا تھا کہ کبھی اُس کے شوہر پر اعتماد نہ کرے اور نہ اُس کی شیریں سخنی پر بھروسہ کرے۔ اسے خوب معلوم ہے کہ موقع پر یہ بغیر مکاری کے باز نہ آئے گا۔ اور نہ ان تیس ہزار مغلوں کا کچھ اعتبار ہے جو شاہجہاں کے ملازم ہیں۔

شاہجہاں کی یہ خواہش تھی کہ سلیماں شکوہ کے پہنچنے تک جنگ شروع نہ کیجائے مگر دارا کے دونوں مخالف بھائی ایسی عجلت کے ساتھ پہنچے کہ دارا کو دیر کرنے کا موقع نہ ملا مجھے یقین ہے کہ اورنگ زیب نے ایسی تجاویز کی تھیں کہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اگر تیمور لنگ بھی مع اپنی تمام اولاد کے مقابلہ کرتا تو بھی اورنگ زیب کا شکست کھانا ناممکن تھا۔ اُس نے ان اشخاص کے بھروسہ پر جنگ کی تھی جو اس سے سازش رکھتے تھے اور دارا کے لشکر میں تھے۔

ہمارا لشکر جب میدان میں عمدہ ترتیب کے ساتھ پہنچا تو یہ موقع ایک خوبصورت

شہر معلوم ہوتا تھا خوبصورت خیموں سے آراستہ تھا۔ بیشمار اور مختلف رنگ اور وضع کی جھنڈیاں ہوا سے لہرا رہی تھیں۔ ہر خیمہ پر بغرض شناخت مختلف اقسام کے جھنڈے اور علامتیں تھیں۔ شہزادہ داراشکوہ بادشاہ اور اپنی ہمشیر بیگم صاحبہ سے اجازت لینے گیا جو اُس زمانہ میں قلعہ آگرہ میں مقیم تھے اپنے عزیز فرزند اور بھائی کو دیکھ کر دونوں رونے لگے اور شاہجہاں نے دارا کو مخاطب کرکے یہ تقریر کی "میرے عزیز اور پیارے بیٹے! اولاد اکبر اور نیک خصال ہونے کی وجہ سے میں ہمیشہ تم سے محبت کرتا رہا۔ سب سے بالاتر تمہاری فرمانبرداری اور اطاعت تھی جس کو تم ہمیشہ مدنظر رکھتے تھے۔ تمہارے باپ کی تمنا تھی کہ تم امن وسکون کے ساتھ ہندوستان کے بادشاہ ہو مگر خدائے بزرو بزرگ کی مشیت کو کوئی نہیں جان سکتا۔ میری تمنا تھی کہ تمہیں قلعہ میں چھوڑ کر میں بذات خود اورنگ زیب و مرادبخش باغیوں کے مقابلہ میں جاؤں جو میرے بیٹے اور تمہارے بھائی کہلائے جانے کی قابل نہیں ہیں۔ میرا منشا اُن باغیوں اور مکاروں کو سزا دینے کا تھا جو میرے دشمنوں سے ساز باز رکھتے ہیں۔ لیکن پیرانہ سالی اور کم قوتی پر ترس کھا کر تم سلطنت میں امن قایم کرنے اور اپنے باپ کی آزادی برقرار رکھنے کے لئے اپنی جان خطرہ میں ڈالنا چاہتے ہو۔ تم ہرگز بددل نہ ہو میں تمہاری خواہشات کو پسند کرتا ہوں اور جو چاہو کرو۔ مگر اے عزیز فرزند! میں یہ سماجت کہتا ہوں کہ جبتک سلیمان شکوہ نہ پہنچ جائے اس وقت تک جنگ شروع نہ کرنا اس طریق سے تمہاری فتح کی مواقع میں اور اضافہ ہوگا۔ اپنے غصہ کو ضبط کرو۔ میں سوائے اس کے اور کیا کرسکتا ہوں کہ دعا کروں کہ تم صحت و سلامتی کے ساتھ ہندوستان کے بادشاہ ہو۔ اور ہمارے دشمن قتل و غارت ہوں۔ میں تمہیں خدا کی ضمانت میں دیتا ہوں وہی ہم کو مظفر و منصور کریگا اور اُسی کی ذات پر اعتماد ہے۔"

باپ سے وداع ہو کر دارا جلد لشکر میں آگیا۔ مگر چونکہ کچھ سامان جنگ اور درکار تھا اور نجومیوں نے بھی روانگی کا وقت مناسب نہ خیال کیا اس لئے آج کوچ نہ ہوا۔ تیسرے روز

۷ مئی، اس کثیر لشکر نے کوچ کیا۔ جب دارا اپنے ہاتھی فتح جنگ پر سوار ہونے لگا تو اُس نے یہ الفاظ کہے "غریب معاف مغرور مرگ"۔ جس پر تمام موجودہ سپہ سالاروں نے "انشاء اللہ" کہا۔ ہم نے ایسی ترتیب کے ساتھ کوچ کرنا شروع کیا کہ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ سمندر اور زمین دونوں مل گئے ہیں۔ دارا شکوہ سواروں کے درمیان میں مثل آفتاب کے معلوم ہوتا تھا۔ اُسکے گرد راجپوتوں کے رسالے تھے جنکے اسلحہ اور تلواروں کے متحرک قبضے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ انکے علاوہ اور رسالے تھے جو نیزوں سے مسلح تھے۔ اُنکے آگے بہت سے خونخوار آہن پوش ہاتھی تھے جن کی سونڈوں میں زنجیریں تھیں اور جنکے دانت سونے اور چاندی سے آراستہ اور اُن میں چھلوں کے ذریعہ سے چوڑی تلواریں لگائی گئی تھیں۔ سب سے آگے ایک ہاتھی تھا جس پر فوج کا نشان تھا اور اُس کا فیلبان تلوار اور ڈھال لگائے ہوئے تھا۔ بلند وپست زمین پر کوچ کرتے وقت لشکر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ چار روز سفر کرنیکے بعد ہم دریائے چمبل کے کنارے پر پہنچے جہاں موضع دھولپور آباد ہے۔ یہاں ہمارا لشکر اُترا اور مورچہ بندی کے بعد مناسب موقعوں پر توپیں لگا کر ناکہ بندی کردی۔

ہم دشمن کا انتظار کرتے رہے جو قریب تھا مگر تیسرے روز فاصلہ پر اُس کی فوجیں نظر آئیں۔ چونکہ تمام سامان تیار تھا اور سب کو لڑائی کا اشتیاق تھا اس لئے ہم سب نے دشمن پر حملہ کرنے کی اجازت چاہی۔ مگر دو وجہوں سے دارا نے اجازت نہ دی۔ اول تو اُسے سلیمان شکوہ اور اُس کی فوج کا انتظار تھا جس کے پہنچنے میں زیادہ عرصہ نہ تھا۔ اور اس کا اطمینان تھا کہ اگر دیر بھی ہوئی تو ایسی مضبوطی کے ساتھ ناکہ بندی کی گئی ہے کہ دشمن اس موقع سے دریا کو عبور نہیں کرسکتا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ حملہ کرنے کے لئے بوجہ چٹانوں اور غاروں کے یہ موقع بالکل غیر مناسب تھا اورنگ زیب حسب عادت منصوبہ بندی میں مصروف رہا۔ اُسکے لشکر نے دوسرے طرف

دریا کے نزدیک پڑاؤ کیا۔ اسکے بعد اورنگ زیب نے اپنے تمام سپہ سالاروں کو جمع کر کے کہا کہ اب سب کو اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ لڑائی کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ جلدی کرنیکے ساتھ فتح کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے پائے۔ اگر سب نے اپنی شجاعت پر اعتماد کر کے جنگ کی۔ تو ہم ضرور فتحیاب ہونگے۔ لڑائی ملتوی کرنی اس لئے مناسب نہیں کہ سلیمان شکوہ اور اُس کی فوج کے پہنچنے کا خطرہ ہے۔ اس گفتگو کی اطلاع دارا کے لشکر میں پہنچی۔ اور ہر شخص تیاری میں مصروف ہوا اور ہر روز دشمن کے حملہ کرنے کی امید ہوتی ہے۔ لیکن اورنگ زیب کی خفیہ تجویز یہ تھی کہ راجہ چمپت[۵۱] کو اپنا طرف دار بنائے۔ چنانچہ اُس نے راجہ کے پاس قیمتی تحائف روانہ کئے اور آئندہ انعامات اور معافی دینے کا وعدہ کیا۔ صرف اس لئے کہ راجہ اپنے علاقہ میں سے اورنگ زیب کی

---

۵۱ یہ واقعہ عالمگیر نامہ میں اس طرح لکھا ہے۔ داراشکوہ مع اپنے چھوٹے بیٹے سپہر شکوہ کے ۲۵ شعبان (۲۸ مئی ۱۶۵۸ء) کو آگرہ سے روانہ ہوا۔ اس سے قبل ۱۶ شعبان (۱۹ مئی) کو اُس نے خلیل اللہ خان اور رام سنگھ راٹھور کو مع دیگر افسروں کے دہولپور کے گھاٹ پر قبضہ کرنے اور دیگر گھاٹوں و قابل عبور جگہوں کی نگرانی کے لئے مامور کیا۔ اورنگ زیب کو گوالیار پہنچکر معلوم ہوا کہ دہولپور کے گھاٹ اور نیز قابل عبور جگہوں پر توپیں لگی ہوئی ہیں۔ زمینداروں سے تحقیقات کی گئی تو معلوم ہوا کہ آگرہ سے مغرب کی طرف اور یہاں سے چالیس میل بھدوریہ کے علاقہ میں ایک قابل عبور جگہ ہے جس پر پہرہ وغیرہ نہیں ہے۔ خان جہاں اور دیگر سپہ سالار متعین کئے گئے اور وہ جائے مذکور پر چمبل کے کنارے دوسرے روز پہنچے۔ اورنگ زیب بھی اُسی روز (۱۳ مئی) گوالیار سے روانہ ہوا اور دو کوچ کر کے اُس جگہ پہنچا اور یکم رمضان (۲ جون) کو دریا عبور کیا۔

نسخہ دلکشا مصنفہ بھیم سین رفیق راجہ دتیا میں اس طرح لکھا ہے۔ جب اورنگ زیب دریائے چمبل پر پہنچکر دہولپور کے سامنے خیمہ زن ہوا تو سبھ کرن سنگھ بوندیلہ راجہ دتیا نے چمپت بوندیلہ کو پیش کیا جسے سوائے قزاقی کے کچھ نہ آتا تھا اور گھر ور نہ ہونے کی وجہ سے جنگلی کبوتر کی طرح پہاڑوں اور جنگلوں میں مارا مارا پھرتا تھا

فوج گذرنے کی اجازت دیدے۔ تاکہ یہ ایک غیر معروف گھاٹ سے دریا کو عبور کرلے جو ہماری قیام گاہ سے بارہ فرسنخ تھا۔ ناظرین کو یاد ہوگا کہ راجہ چمپت کو شاہجہاں سے رنج تھا جیسا پہلے بیان ہوچکا ہے اس لئے اُس نے اورنگ زیب کی خواہش پوری کرنی منظور کرلی۔ راستہ دشوار گذار تھا اور جنگل گنجان ہونیکی وجہ سے یہ ناممکن تھا کہ اورنگ زیب تمام فوج کو اپنے ہمراہ لیجائے۔ اُس نے اپنا خیمہ بدستور کھڑا رکھا اور کچھ سوار و پیادے چھوڑ دیئے تاکہ اُس کے منصوبہ کا کسی کو علم نہ ہو۔ مجھے معلوم ہوا کہ ۳۰ رمئی ۱۶۵۶ء (صحیح سال ۱۶۵۵ء) کو اُس نے آٹھ ہزار سواروں سے زیادہ کے ساتھ دریائے مذکور کو عبور کیا۔ اگرچہ تمام سوار تھکے ہوئے تھے مگر یہ خود اُنکے ساتھ رہا۔

اس روز اورنگ زیب کو اُسی قدر خوشی تھی جس قدر دارا کو رنج تھا۔ جب دارا کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ راجہ چمپت پر بہت برہم ہوا جس نے وعدہ کرلیا تھا کہ کسی طرح اورنگ زیب کو دریا عبور نہ کرنے دیگا۔ اور اسی وجہ سے دارا نے وہ گھاٹ نہ روکا تھا۔ اس خبر کو سنکر دارا نے بذات خود تعاقب کرنے کا ارادہ کیا۔

سپہ سالار[۵] ابراہیم خاں خلف علی مردان خان نے دارا کو یہ نیک صلاح دی کہ

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۵) اُس سے بہت کچھ وعدے کرکے تالیف قلب کی غرض سے اُسے پنج ہزاری کا منصب دیا گیا۔ اُس نے اطلاع دی کہ دھولپور کا گھاٹ توڑ کا ہوا ہے مگر گورگھتا کا گھاٹ یہاں سے ایک روز کا راستہ ہے اور وہاں سے دریا باسانی عبور کرسکتے ہیں۔ چنانچہ رات کو کوچ کیا گیا اور دوسرے روز دوپہر کو لشکر سموگڑھ کے میدان جنگ میں پہنچگیا۔ دارا اپنی توپیں جہاں سے نہ ہٹا سکا۔ گرمی اور پیاس کی شدت سے اُسکے بہت آدمی مرگئے۔ لڑائی میں سبہ کرن زخمی ہوا۔ اورنگ زیب نے اس موقع پر ایک سرائے تعمیر کی اور ایک باغ (فتح آباد) نصب کیا۔

۵ ابراہیم خان نے جبکہ وہ گورنر کشمیر تھا آخر صفر یا اوائل ربیع الاول ۱۱۲۲ھ (۲۰ اپریل ۱۷۱۰ء) میں بعمر اسی سال وفات پائی۔ یہ علی مردان خاں امیرالامرا کا فرزند تھا جس نے ۱۲ رجب ۱۰۶۷ھ (۲۷ اپریل ۱۶۵۷ء) کو مقام

بجائے اس کے کہ آپ خود تعاقب فرمائیں یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ بارہ ہزار سوار فوراً روانہ کئے جائیں تاکہ وہ اچانک اورنگ زیب کی فوج پر حملہ کردیں جو راہ کی خستگی اور ماندگی کی وجہ سے دریا کے کنارہ پر متفرق طور سے پڑی ہوگی۔ جب دغا باز خلیل اللہ خان کو معلوم ہوا کہ دارا اس تجویز پر عمل کرنے کو آمادہ ہے تو اُس نے اگر اس تجویز کی تردید کی اور کہا کہ یہ بالفعل نامناسب ہے۔ اس سے آپ کی ناموری اور شہرت میں کچھ اضافہ نہ ہوگا۔ کیونکہ اگر اس طرح فتح حاصل بھی ہوئی تو اُس سپہ سالار کا نام ہوگا جس کی سرکردگی میں یہ بارہ ہزار سوار جائیں گے نہ کہ حضور کا۔ ایسے لڑکوں کی صلاح پر عمل نہ کرنا چاہئے جن کو جنگ کا کچھ تجربہ نہیں۔ اپنے پاس سے بارہ ہزار سوار علیحدہ کرنا سخت غلطی ہے کیونکہ اب فتح یقینی ہے اور اس قدر سواروں کے علیحدہ ہونے سے ظفر مشکوک ہو جائیگی۔ دوسرے روز ہم اورنگ زیب کے تعاقب میں روانہ ہوئے جو بعد از وقت تھا کیونکہ رات کو اور علی الصباح اورنگ زیب کا بقیہ لشکر دریا عبور کرچکا تھا۔ ہم دریا کو چھوڑ کر ایک کشادہ میدان میں آگئے۔

یکم جون ۱۶۵۶ء کو ہم نے نہایت دقت سے تالابوں سے پانی لاکر استعمال کیا کیونکہ گرمی نہایت سخت تھی۔ دونوں لشکروں کے درمیان یک و نیم فرسخ سے زیادہ فاصلہ نہ تھا ہم اپنی فوج کے لئے زمین پر قبضہ کرتے تھے اور اورنگ زیب کا بقیہ لشکر آآکر اپنی صفوف میں شامل ہو رہا تھا۔ اس کا توپ خانہ اور اسباب نہیں پہنچا تھا۔ اورنگزیب کے لشکر سے جاسوس مفصل خبریں لا رہے تھے۔ جب دارا کو معلوم ہوا کہ اورنگ زیب کا تمام لشکر نہایت تھکا ہوا ہے تو اُس نے چاہا کہ اب حملہ کردیا جائے۔ مگر مکار اور دغاباز سرداروں نے جو دشمن سے ملے ہوئے تھے اس بنا پر مخالفت کی کہ بروئے علم نجوم

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۵۶) مچھی واڑہ (پنجاب) وفات پائی (ماثر الامرا) ۱۶۵۸ء میں ابراہیم خاں کی عمر تقریباً چھبیس ۲۶ سال کی ہوگی۔

آج کا دن اور وقت لڑائی شروع کرنیکے لئے سعد نہیں ہے لہذا جنگ ملتوی رکھی جائے
مظفر و منصور ہونے میں کوئی شک نہیں کیونکہ ایسے کثیر لشکر کے سامنے جس میں بڑے
بڑے بہادر سپاہی اور افسر ہیں اورنگ زیب کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ یہ ساری عیاریاں
اس لئے تھیں کہ اورنگ زیب کا لشکر آرام پا کر تازہ دم ہو جائے اور اس کا توپ خانہ
بھی پہنچ جائے۔

ان دغاباز افسروں نے اورنگ زیب سے یہ قرار داد کر رکھا تھا کہ وہ جب لڑائی
شروع کرنا چاہے تو اول توپخانہ سے تین فیر کر کے آگاہ کر دے تاکہ ایسا انتظام کر سکیں کہ
دارا گرفتار ہو کر اس کے ہاتھ آجائے۔ اس اثنا میں اورنگ زیب نے وہ طریقہ بھی ظاہر کر دیا
کہ جس طرح وہ ان لوگوں کو صلہ دینا چاہتا ہے جنہوں نے اس غیر منصفانہ کام میں اس کا
ساتھ دیا ہے۔ اورنگ زیب نے اپنے دوست چمپت کو طلب کیا جو اپنے خیمہ کے نزدیک
بیٹھا ہوا ان وعدوں اور انعامات کا تصور کر رہا تھا جو اُسے ملنے والے تھے جس وقت
چمپت اورنگ زیب کے سامنے پہنچا تو بلا خیال اس امر کے کہ اس کی اس حرکت کا
کیا اثر ہوگا راجہ کی مشکیں باندھ کر اس فوج میں بھیج دیا جس کے ساتھ لڑائی پر
جانے کا اسے حکم دیا تھا۔ وہاں بطور قربانی اس کا سر کاٹ لیا گیا۔

۲ رجون ۱۶۵۸ء کو دارا کے پاس شاہجہاں کا فرمان پہنچا جس میں ہدایت کی
گئی تھی کہ وہ آگرہ آکر سلیمان شکوہ کے پہنچنے تک یہیں مورچہ بندی کرے۔ اس وقت
یہ بالکل غیر ممکن تھا۔ کیونکہ اگر دارا اس وقت آگرہ کو واپس ہوتا تو دشمن ضرور نہایت
دلیری سے وہ احمت کرتا اور ہمارے لشکر کے سپاہیوں کو بھی شہزادہ کی ہمت اور شجاعت
میں شبہ ہو جاتا اور وہ خیال کرتے کہ اگر دارا میں دشمن پر حملہ کرنے یا مدافعت کی قوت ہوتی تو وہ
آگرہ کو واپس نہ ہوتا۔ اور آخر میں لشکر کا کثیر حصہ اورنگ زیب کی طرف چلا جاتا۔ دارا باپ
کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا اور اس نے جنگ شروع کرنے کا ارادہ کر لیا۔ شاہجہاں کو اس سُنے

یہ جواب لکھ دیا کہ "آپ اطمینان رکھیں تین روز کے عرصہ میں اورنگ زیب اور مراد بخش کو گرفتار کرکے دست بستہ بندگان عالی کی حضور میں پیش کرونگا۔ اُس وقت جو مناسب ہو اُنہیں سزا دی جائے۔" حقیقت یہ ہے کہ دارا نے ۳ رجون بروز شنبہ جنگ شروع کرنی چاہی لیکن طرفداران اورنگ زیب نے بارش سے فائدہ اُٹھایا جو اتفاق سے اُس روز سے ہوگئی تھی وہ کہنے لگے کہ "حملہ کرنے کے لئے یہ وقت مناسب نہیں۔ لڑائی کا ارادہ معلوم کرکے آسمان بھی رونے لگا۔ کل تک تامل کرنا چاہیے۔ کیونکہ کل ہفتہ کا پہلا روز ہے جو نہایت نیک ہے۔ اسی روز خدا نے روشنی کو خلق فرمایا تھا۔ لہذا اگر اس روز جنگ شروع کی گئی تو ہم ضرور کامیاب ہونگے۔" ان مکاروں نے یہ چال اس لئے چلی کہ اُنہیں معلوم تھا کہ اگر اس وقت حملہ ہوا تو اورنگ زیب کو ہزیمت ہوگی۔ کیونکہ ابھی اُس کے لشکر کی ترتیب درست نہیں اور نہ ابھی وہ جنگ کے قابل ہے اور نہ ہنوز اُس نے مقررہ اشارہ کیا۔

یہ دیکھ کر میرا دل بہت دُکھا کہ دارا ان عیار اور دغاباز سرداروں کی باتوں کا اعتبار کرتا ہے۔ لیکن میں نے یہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لی کہ کم عمر ہونے کی وجہ سے تجربہ حاصل کرنیکے لئے ایسا کرتا ہے۔ اجمالی طور سے مجھے معلوم ہوا کہ دارا حسب دلخواہ اتنے بڑے لشکر کی ترتیب و انتظام میں جانفشانی نہیں کرتا۔ اور نہ اُسے معاملات جنگ میں کافی تجربہ ہے۔ وہ ہمیشہ ناچنے گانے والی عورتوں اور نقالوں کی صحبت میں رہا۔ اور ان بدمعاش سرداروں اور افسروں کی باتوں پر بیجا بھروسہ اور اعتماد کرتا ہے۔

۳ رجون کی نصف شب کو دشمن کی طرف سے توپ کے تین فیر ہوئے۔ اور یہ ایک اشارہ تھا جیسا کہ اورنگ زیب اور مکار افسروں کے درمیان میں طے ہوا تھا۔ اب ان سرداروں کو معلوم ہوگیا کہ اورنگ زیب جنگ کے لئے ہر طرح تیار ہے اور صبح ہوتے ہی لڑائی آغاز ہوجائے گی۔ ہم نے بھی جواب میں ادھر سے تین فیر کئے ایک گھنٹہ گذرنیکے بعد دارا برآمد ہوکر ہمارے توپ خانہ میں آیا۔ کیونکہ وہاں میرا خیمہ

اکھاڑنے کی اس لئے ضرورت ہوئی کہ دارا اور اُس کے اردلی کے سواروں کے آنے کے لئے راستہ ہو جائے۔

تھوڑی دیر بعد میں اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر دیکھنے کیلئے چلا کیونکہ اس سے پہلے مجھے کسی جنگ میں شامل ہونے اور دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ اپنے گھوڑے پر بھروسہ کرکے میں روانہ ہوا اور ایک غیر آباد موضع کی بلندی پر جا کر کھڑا ہو گیا جو بالکل قریب تھا۔ اگرچہ ابھی تاریکی تھی مگر میں نے دیکھا کہ ہمارے لشکر سے بہت سے سوار اورنگ زیب کی طرف چلے گئے اور پھر واپس نہ ہوئے۔

آفتاب طلوع ہونے کے قریب اورنگ زیب کے لشکر سے چند اونٹ بم کے گولوں سے لدے ہوئے چند سواروں اور پیدلوں کی زیر حفاظت گانوں میں آئے۔ اور متفرق مناسب فاصلہ پر کھڑے ہوئے۔ جب روز روشن ہوا تو میں نے دیکھا کہ اورنگ زیب مع اپنے تمام لشکر کے نہایت اطمینان کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ اورنگ زیب کے لشکر کے پانچ حصے کئے گئے تھے۔

پہلے حصہ کے درمیان میں قوی دل اورنگ زیب قد آور ہاتھی پر متمکن تھا اور پندرہ ہزار سوار نیزوں، تیر و کمان اور بندوقوں سے مسلح اُسکے ہمراہ تھے۔ داہنی طرف اُس کا فرزند سلطان محمد اور اُس کا برادر رضاعی میر بابا تھا جسے بہادر خاں[۵] کا خطاب پہلے دیا گیا تھا۔ انکی ماتحتی میں بھی پندرہ ہزار سوار تھے۔ تیسرے حصہ میں سلطان محمد کی داہنی طرف نجابت خاں[۶] اور دیگر افسروں کی سرکردگی میں پندرہ ہزار سوار تھے۔ چوتھے

[۵] میر ملک حسین ابن ابو المعالی خافی خاں نے ۱۱۰۹ہجری (۱۶۹۷ء) میں وفات پائی۔ دکن کی روانگی کے وقت اسے بہادر خاں کا خطاب دیا گیا تھا۔ یہ اورنگ زیب کی فوج میمنہ کا سپہ سالار تھا۔ بعدہ اسے خان جہاں بہادر کوکلتاش کا خطاب عطا ہوا۔ (ماثر الامرا)

[۶] نجابت خاں غالباً مرزا شجاع مخاطب بہ نجابت خاں ہے۔ یہ شاہ بدخشاں کا فرزند تھا۔ یہ شروع جلوس

حصہ میں مراد بخش ہاتھی پر سوار مع پندرہ ہزار سواروں کے تھا۔ مراد بخش کے ساتھ اُسکے ہاتھی پر اُس کا چھوٹا بچہ[1] بھی تھا۔ اورنگ زیب کی فوج کے باقی حصہ میں وہ نیچے درجے کے لوگ شامل تھے جو جنگ کرنیکے قابل نہ تھے۔ اور اسی میں گاڑیاں، اونٹ، خالی بیل وغیرہ تھے یہ مراد بخش کی بائیں سمت تھے۔ سب سے پیچھے توپ خانہ تھا۔ یہ کل لشکر آہستگی سے آگے بڑھ رہا تھا۔ میں اُس وقت تک یہاں سے علیحدہ نہ ہوا جبتک اورنگ زیب کا لشکر اُس غیر آباد موضع کے نزدیک نہ پہنچ گیا۔ اب توپخانہ سامنے لایا گیا۔ اُسکے پیچھے بندوقچی اور پھر وہ اونٹ کھڑے کئے گئے جن پر زنبورکیں تھیں۔

میں اپنی جگہ جانیکے لئے اپنے لشکر کے بڑھنے کا منتظر تھا مگر میں نے دور سے دیکھا کہ ہماری فوج حرکت نہیں کرتی۔ میں آخر فوج کے نزدیک گیا جہاں مجھے چند متفرق سوار نظر آئے۔ میں وہاں کھڑا ہو کر لشکر اور اُس کی ترتیب دیکھنے لگا۔ مجھے معلوم ہوا کہ جب میں اورنگ زیب کی فوج دیکھنے چلا گیا تھا تو دارا نے اپنا لشکر اسطرح مرتب کیا کہ تمام توپ خانہ ایک صف میں تھا اور ہر گاڑی پر دو دو سرخ جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ توپوں کی قطار اُن پچیس ہزار بندوقچیوں کی محافظ تھی جو اُس کے عقب میں تھے۔ بندوقچیوں کی پشت پر پانسو اونٹ مع زنبورکوں کے تھے۔ اُنکے پیچھے آہن پوش ہاتھی اور پھر اٹھائیس ہزار سوار تھے۔ سب کے بعد دارا ایک ہاتھی پر سوار تھا اور چند ہاتھی اُس کے ہمراہ تھے جن پر نقارے، ڈھل، قرنا وغیرہ تھے۔

میمنہ میں رام سنگھ راٹھور مع اپنے پندرہ ہزار مسلح و جنگجو سواروں کے تھا۔ اسکے داہنی طرف خلیل اللہ خاں مع تیس ہزار مغلوں کے بیڑے سے لڑنیکے لئے متعین تھا یہ خود خلیل اللہ خاں نے مکاری سے تجویز کی تھی۔ میسرہ پر دلیر و شجاع

(بقیہ صفحہ ۲۶۰) اورنگ زیب تک زندہ رہا۔

[1] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مغل اپنے بچوں کو بھی لڑائی میں ہمراہ لیجاتے تھے۔

رستم خاں[۱] دکھنی مع پندرہ ہزار سواروں کے مقرر کیا گیا۔ اور اُس کے داہنی طرف راجہ چتر سال مع پندرہ ہزار سواروں کے تھا جن میں بیشتر راجپوت تھے۔ جب لشکر اس طرح مرتب ہو چکا تو اسلحہ کی چمک و خوبصورتی اور مختلف رنگ کے نشانوں اور جھنڈیوں کی وجہ سے ایک دلکش نظارہ پیش نظر ہو گیا۔

ناظرین کو معلوم ہو کہ یہ دونوں لشکر یورپ کے طریق پر مرتب نہیں کئے گئے تھے بلکہ ایک حصہ دوسرے حصہ کے قریب اس ترتیب سے تھا جیسا میں نے بیان کیا۔

میں اپنی جگہ رہا اور بالکل محفوظ تھا کیونکہ کسی طرف سے فیر نہیں ہو رہے تھے۔ دن کے آٹھ بجے یہ حکم پہنچا کہ جو سوار منتفرق ہیں وہ ایک جگہ ہو جائیں کیونکہ اب توپ خانہ سے فیر ہونگے۔ یہ سُن کر ہر شخص آکر فوج میں شامل ہو گیا۔ بیچارہ ایک مغل زنبورچی کو جو میرے پیچھے تھا واپسی کا وقت نہ ملا اور ہمارے توپخانہ سے پہلا فیر ہوتے ہی وہ مارا گیا۔ اگرچہ ان لوگوں سے دشمن کا کچھ نقصان نہ ہوتا تھا۔ مگر بار بار فیر جاری رکھنے کی تاکید کی جا رہی تھی۔ اورنگزیب کا لشکر چونکہ زیادہ فاصلہ پر تھا اس لئے ہمارے گولے لشکر سے ادھر گرتے تھے۔ اور سب مجھے حیرت تھی کہ ہم سے بیکار کام کیوں لیا جا رہا ہے۔ اُس وقت جبکہ ہم اپنی توپوں سے صرف شور و غل کر رہے تھے دشمن کی طرف سے کوئی جواب نہ دیا گیا سوائے اس کے کہ چند بان ہماری طرف پھینکے گئے۔

بعد ازاں اورنگزیب نے اپنے توپخانہ کے ایک حصہ کو مسلسل فیر کرنیکا حکم دیا یہ ایک مقررہ اشارہ تھا جس کے ذریعہ سے اُس نے اپنے طرفداروں کو آگاہ کیا۔ جب ہم نے اور فیر کئے تو اُس نے توپخانہ کے دو حصوں کو مجتمع کر دیا۔ ہماری طرف سے جب دس فیر ہو چکتے تھے تو دشمن کے توپ خانہ سے مسلسل تین فیر ہوتے۔ اس اشارہ سے گویا اُس نے اسپنے

---

[۱] رستم خاں دکھنی شمالی ایران کے جرکس نسل سے تھا یہ پہلے دکن میں سلاطین نظام شاہیہ کا ملازم تھا بعد ازاں یہ شاہجہاں کے دربار میں چلا آیا سموگڑھ کی لڑائی میں بہ ماتحتی سپہر شکوہ دارا کی فوج میں مامور تھا۔ (ماثر الامرا)

طرفداروں کو جو دارا کے لشکر میں تھے مطلع کیا کہ اب دارا کی طرف سے حملہ کیا جائے۔ اورنگزیب کا لشکر ایک جگہ قایم تھا اور مطلق آگے نہ بڑھتا تھا خلیل اللہ خان اپنی فوج سے علٰحدہ ہوکر دارا کو تلاش کرتا ہوا اُس کی حضور میں پہنچا اور یہ کہکر فتح کی مبارکباد دی کہ "بغیر کسی سپاہی کے قتل ہوئے صرف حضور کے توپ خانہ نے دشمن کے آدمیوں کا اس قدر نقصان کر دیا کہ مکمل فتح کے لئے بہت تھوڑی کوشش کی ضرورت ہے۔ اب توپ خانہ سے آگ برسانی مناسب نہیں بلکہ آگے بڑھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑنا چاہئے۔"

فوراً توپ خانہ کو فیر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور مشہور سپہ سالار رستم خاں مشورہ کے واسطے طلب کیا گیا۔ خلیل اللہ خان کی رائے دریافت کرنیکے بعد اُس نے جواب دیا کہ "یہ بہتر ہے کہ ہم دشمن کے حملہ کا انتظار کریں۔ کیونکہ وہ دور و دراز فاصلہ سے صرف ہماری تلاش میں آیا ہے۔ اور دستور کے موافق وہ کبھی اس سے باز نہ رہے گا۔ اگر اُس نے ہم پر حملہ کیا تو ہم دلیری و جوش کے ساتھ اُس کا مقابلہ کریں گے اور اُسی میں ہمارا فائدہ ہے۔"

یہ دور اندیشانہ رائے تھی مگر چالاک خلیل اللہ خاں نے رستم خاں کو الزام دیکر اس کی اس طرح تردید کی کہ "مجھے نہایت حیرت و افسوس ہے کہ ایسا مشہور اور نامآور افسر ایسے موقع پر ہم کو ایسا بزدل اور نامرد بنانا چاہے کہ جس حالت میں دشمن قریب قریب تباہ ہو چکا جب بھی ہمیں حملہ کرتے ہوئے ڈر معلوم ہوتا ہے۔" دارا نے بغیر کوئی عذر سُنے خلیل اللہ خان کے مشورہ کو مان لیا اور حملہ کرنیکے لئے اپنے ہاتھی اور فوج کو آگے بڑھایا۔ رستم خان کو حکم دیا گیا کہ اپنی فوج کے ساتھ شامل ہوکر ہمت و بہادری کے جوہر دکھائے۔ توپ خانہ کی زنجیر بندی بھی علیحدہ کر دی گئی تاکہ سواروں کو درمیان سے جانے میں آسانی ہو۔

خلیل اللہ خان اپنی تجویز بارآور ہوتے اور دارا کو موت کے مُنہ میں جاتے ہوئے دیکھکر نہایت خوش تھا۔ نصف راہ تک دارا کے ساتھ رہا اور پھر اپنی فوج میں واپس چلا آیا۔ دشمن ابھی فاصلہ پر تھا۔ اس طرف جب دارا مع اپنی فوج کے حملہ کرنیکے لئے بڑھا تو ہر جگہ ابتری

پھیل گئی۔ حجاموں، قصابیوں وغیرہ نے بندوقیں چھوڑ چھوڑ کر منہ پھیر کر بھاگنا شروع کیا۔ اور اکثر اسباب اور صندوقوں کو توڑ کر لوٹنے میں مصروف ہوئے۔ اس کشاکش میں بہت سے آدمی مارے بھی گئے۔ دارا دلیری کے ساتھ بڑھتا رہا۔ اور ہاتھی پر سے اپنے ہاتھوں سے اشارہ کر رہا تھا کہ سب کو جلدی کرنی چاہیے۔ دل بڑھانے کے لئے اُس نے نقارہ بھی بجوایا۔ میں نے دارا کے جوش کی تعریف کی اور دیکھا کہ دشمن نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی باوجودیکہ ہماری طرف سے برابر بم کے گولے چلائے جا رہے تھے۔ جب دارا بالکل قریب پہنچ گیا تو دشمن نے ایکدم سے توپیں بندوقیں زنبورکیں وغیرہ چلانی شروع کر دیں جس سے ہمارے آدمی ضائع ہوئے اور کچھ خوف زدہ ہو کر ادھر اُدھر متفرق ہو گئے۔ اس فوری خطرہ کو دیکھ کر دارا نے توپیں کھینچکر لانے اور بندوقچیوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ فرنگیوں (اہل یورپ) کو بھی اس بلا میں شامل ہونے کو کہا۔ لیکن تمام لشکر ابتر اور بے ترتیب ہو چکا تھا۔ ہر شخص نے اپنا اپنا راستہ اختیار کیا۔

اس پر بھی دارا دل شکستہ نہ ہوا اور ہاتھ ہلا ہلا کر آگے بڑھنے کا اشارہ کرتا رہا۔ بعدہ رستم خاں اور چھتر سال رائے نے آکر آدمیوں کو جمع کیا باوجودیکہ ان دونوں کو دشمن کے توپ خانہ سے سخت نقصان پہنچ چکا تھا۔ دارا نے بھی یہی کیا۔ پھر ایسے غیض و غضب اور دلیری و بہادری کے ساتھ دشمن پر حملہ کیا کہ توپخانہ کی صف کو توڑ کر اُس کے پڑاؤ میں گھس کر رسالوں، اونٹوں وغیرہ کو درہم و برہم کر دیا۔ دارا کی یہ جرأت و بہادری دیکھ کر دشمن نے شیخ میر اُستاد اورنگ زیب کو مع دیگر افسران اور فوج کے بطور کمک روانہ کیا۔ یہ بعجلت پہنچے اور اس وقت طرفین سے سخت لڑائی ہوئی۔ اور قریب ہو کر دونوں طرف کے سپاہیوں نے جوش میں آکر تلواریں کھینچ لیں۔ دارا نے میدان نہ چھوڑا اور ہاتھی پر سے چلا کر اور ہاتھوں کے اشاروں سے فوج کو بڑھنے کی ترغیب دیتا رہا وہ ہمیشہ نہایت اطمینان سے آگے بڑھتا تھا۔ آخر اس مزاحمت کی تاب نہ لا کر دشمن لوٹنے پر مجبور ہوا۔

اس جنگ میں میں نے اور مثل میرے اور لوگوں نے جو وہاں موجود تھے دیکھا کہ

جو سپاہی آگے تھے صرف وہی لڑ رہے تھے عقب فوج کے سپاہی ننگی تلواریں لیے کچھ بھی نہ کرتے تھے۔ مغلوں کو "بکُش بکُش" کہنے اور ہندوستانیوں کو "مارو، مارو" چلانے کے سوا کچھ کام نہ تھا۔ اگر فوج کا اگلا حصہ بڑھتا تو یہ بھی اُن کی پیروی کرتے اور اگر وہ واپس ہوتا تو یہ بھی ایسا ہی کرتے۔ برخلاف یورپ کے ہندوستان کا یہی دستور ہے۔ اگر فوج کا اگلا حصہ بھاگ جائے تو پھر اوروں کو روکنا ناممکن ہے۔

اورنگ زیب زیادہ فاصلہ پر نہ تھا کہ اپنے لشکر کی یہ بے ترتیبی دیکھ کر جو دارا کی بہادری و جرات نے پیدا کر دی تھی اُسے شکست کا اندیشہ ہوا لیکن اُس نے اس خطرہ کی پروا نہ کی اور ایک بڑے رسالہ کو جو اُس کے نزدیک تھا دارا کو روکنے کا حکم دیا۔ اورنگ زیب نے سپاہیوں کا دل بڑھانے کیلئے جو اُس کے نزدیک باقی رہ گئے تھے خاص خاص افسروں کے نام لے لے کر کہنا شروع کیا "مردان دلاور دبہادر وقت است"۔ پھر آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ "یا خدا تجھی پر بھروسہ ہے۔ میں بجائے پشت پھرانے کے اسی جگہ جان دیدونگا"۔ اُس نے اپنے قول کی تائید میں حکم دیا کہ اُس کے ہاتھی کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دی جائیں تاکہ بھاگنے نہ پائیں۔ اُس نے ہاتھی وان افسروں کو اپنے ساتھ شامل کرنیکے لئے ذرا آگے بڑھایا جو اُس کے قریب جمع ہو کر دعویٰ کر رہے تھے کہ بجائے ایک قدم پیچھے ہٹانیکے وہ سب اپنی جانیں دیدیں گے۔

دارا برابر بڑھتا چلا جا رہا تھا حتیٰ کہ وہ اورنگ زیب کے اس قدر نزدیک پہنچ گیا کہ وہ بذات خود اُس پر حملہ کر سکتا تھا۔ مگر کچھ تو زمین کی ناہمواری کی وجہ سے اور کچھ بوجہ ماندگی اور تکان کے تھوڑی دیر کے لئے تھم گیا۔ اور اسی سے اُس کے ظفریاب ہونے میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ کیونکہ اگر وہ اُسی طرح بڑھتا اور حملہ کرتا رہتا تو یقیناً فتحیاب ہوتا۔ اورنگ زیب تھوڑے سے آدمیوں سے جو اُس کے نزدیک رہ گئے تھے دارا اور اُس کے بہادر ہمراہیوں کو نہیں روک سکتا تھا۔

مگر اورنگ زیب کا طالع یاور ہوا کہ اسی قیام کی حالت میں دارا کو خبر پہنچی کہ نجابت خاں کی فوج نے چھتر سال رائے کو قتل کر دیا۔ فوراً ہی یہ اطلاع ہوئی کہ رستم خاں دکھنی بھی جو سلطان محمد اور بہادر خان کے مقابلہ میں لڑ رہا تھا کام آیا اور اُس کی فوج ابتر ہوگئی۔ یہ دونوں افسر اُنہیں دغا بازوں کے ہاتھوں مارے گئے جو اورنگ زیب کے طرفدار تھے اور انہیں کی فوجوں میں شامل تھے۔ ایسے موقع پر ان کا مار ڈالنا کچھ مشکل نہ تھا کیونکہ یہ ہاتھیوں پر سوار تھے

یہ معلوم کر کے کہ ان دونوں کی فوجیں ابھی تک دلاوری سے لڑ رہی ہیں دارا اُن کی کمک کے لئے لوٹا۔ وہاں پہنچکر اُس نے سلطان محمد اور نجابت خاں کو پسپا کر کے وہ کام کیا جو ایک تجربہ کار اور بہادر سپہ سالار یا جنرل کو کرنا چاہیئے تھا۔ اگر اس وقت بزدل خلیل اللہ خان دارا کو تھوڑی سی بھی مدد دیتا تو باغیوں کا قلع قمع ہو کر شاہجہاں کو اطمینان ہو جاتا اور دارا کی شہرت و ناموری کے ساتھ ہندوستان میں صلح و امن قایم ہو جاتا کیونکہ اگرچہ شاہ شجاع اسم با مسمی شجاع ضرور تھا۔ مگر عقل اور لشکر کی کمی کی وجہ سے اُس پر فتح پانی کچھ مشکل نہ تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہی کو یہ منظور تھا کہ شاہجہاں کو اُس کے گناہوں اور شہوت پرستی کی سزا دی جائے اور اُس کے غرور کو توڑا جائے جو اُسے ہندوستان پر تھا۔ اب پھر یہ غم انگیز خبر آئی کہ رام سنگھ راٹھور بھی مارا گیا۔ اس راجہ نے ایسی دلیری سے مراد بخش پر حملہ کیا کہ اسکی فوج کو زیر و زبر کر کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کیا۔ اور فوج ہراول کو پسپا کر کے توپخانہ پر قبضہ کر لیا۔ مع راجپوتوں کے مراد بخش کے قریب پہنچکر اس کے ہاتھی پر حملہ کر کے اس قدر تیر مارے کہ ہودہ تیروں سے پر ہو گیا۔ فیلبان بھی مارا گیا اور مراد بخش کے بھی چہرہ پر تین تیر لگے۔ اپنی جان بچانے کے لئے ادھر اسے ہاتھی کو قابو میں رکھنے کا خیال تھا اور ادھر کمسن فرزند کی حفاظت کی فکر تھی۔ اس واقعہ کو دیکھکر راجہ ایسا پریشان ہوا کہ مراد بخش اُسے ڈھال کے نیچے پوشیدہ کرنے اور اُس پر اپنا ایک پاؤں رکھنے پر مجبور ہوا۔

اورنگ زیب کی طرف سے کوئی ایسی بہادری سے نہیں لڑا جیسے مراد بخش نے

جنگ کی۔ اُس کی مزاحمت سے غصہ میں آکر اور یہ سمجھ کر کہ اس کا قتل کرنا دشوار ہے۔ رام سنگھ راٹھور اور چند راجپوت پیدل ہو گئے اور غضبناک کتوں کی طرح اسکے ہاتھی کی طرف چلے۔ اس امید پر کہ تلواروں سے رستے کاٹ کر اور نیزوں کی نوکوں سے مراد بخش کو زمین پر گرادیں گے۔ مگر مراد بخش نے موقع پاکر ایک ایسا تیر لگایا جو رام سنگھ کے سینہ پر پڑا اور وہ وہیں گر گیا۔ ہاتھی نے اُٹھکر اپنی سونڈ سے پکڑ کر اُسے پاؤں سے روند ڈالا۔ راجپوت اپنے عزیز سردار کے مارے جانیکے بعد بھی نہایت بہادری اور دلیری کے ساتھ لڑتے رہے۔

دارا لشکر کے تین حصوں کو ہزیمت دیکھ چکا تھا۔ جب اُس نے یہ خبر سُنی تو بہ تعجیل راجہ پتول کو کمک پہنچانی چاہی جو مراد بخش کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اُسے خوب معلوم تھا کہ اگر اُس کا یہ بھائی مارا گیا تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیگا لیکن اُس کی بدقسمتی نے ایسا ہونے دیا۔ اب ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو کبھی دیکھا گیا اور نہ کبھی سنا۔ اگرچہ اُس وقت یہ بات محسوس نہیں ہوئی مگر دارا کی خرابی اور شکست کا یہی باعث ہوا۔ اور وہ یہ تھا کہ دغاباز خلیل اللہ خان اورنگ زیب کی گرفتاری کے موقع مناسب کا بہانہ کرکے دارا کے پاس آیا اور فتح کی خوش خبری سنا کر اس طرح گفتگو کی۔ "فدوی بڑی بڑی لڑائیوں میں شریک ہوا ہے اور بڑے بڑے معرکوں میں افسروں اور جنگجو سپاہیوں کی بہادریاں آنکھوں سے دیکھی ہیں۔ مگر اب تک کبھی نہیں سنا کہ مثل حضور کے کسی شہزادہ نے اول ہی مرتبہ میدان جنگ میں آکر ایسے کارہائے نمایاں کئے ہوں۔ اگر اس وقت اورنگ زیب کو گرفتار کر لیا جائے جو بالکل آسان ہے تو یہ حضور عالی کی ازدیاد شہرت و ناموری کا سبب ہوگا۔ فدوی کو اس کا علم ہے کہ بندگان عالی اُس محنت شاقہ کی وجہ سے جو صبح سے ابتک کی ہے بہت تھکے ہوئے ہیں لیکن اس عمدہ موقع کو ہاتھ سے دینا بڑی غلطی ہوگی۔ اورنگ زیب سامنے قلیل ہمراہیوں کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ ہم کو ایک دم سے حملہ کرکے گرفتار کر لینا چاہیے۔ اور اس میں کوئی دقت نہ ہوگی۔ اگر حضور اپنے ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار ہوں اور اپنے

اور مع سے رسالہ کو ساتھ لیکر اورنگ زیب پر حملہ فرمائیں تو نہایت مناسب ہوگا۔ صرف اسی لئے فدوی نے اپنے رسالہ کو بچا ئے رکھا تھا۔"

بیچارہ دارا نے پورے طور سے اس پر غور نہ کیا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ اور جب وہ اپنے ہاتھی پر نظر نہ آئے گا تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا جبکہ تمام نظریں اسی کی طرف ہیں۔ صرف دغا باز خلیل اللہ خاں کی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ کھا کر اُس نے خیال کیا کہ جو کچھ یہ مکار کہہ رہا ہے وہ راست و درست ہے۔ دارا اپنے ہاتھی سے اُترا اور گویا اُس نے اپنی فتح کو رخصت کیا۔ کیونکہ جو افسر اور سپاہی مصروف پیکار تھے اور نظر اُٹھا کر اُسے دیکھ لیتے تھے۔ جب اُس کا ہاتھی خالی نظر آیا تو اُن سب نے سمجھا کہ دارا خود مارا گیا۔ اور تمام فوج میں اضطراب پھیل گیا۔

تمام لشکر میں یہ پریشانی اور گھبراہٹ دیکھ کر اور دارا کو اپنے ہاتھی پر نہ پا کر خود مجھے تعجب اور خوف پیدا ہوا اور نہیں جانتا تھا کہ کیا خیال کیا جائے۔ اُن بادلوں کی طرح جن کو ہوا اُڑائے لئے جاتی ہو تمام لشکر پیچھے کی طرف بھاگا جا رہا تھا۔ کیونکہ سب کو یہ خوف واندیشہ تھا کہ اگرچہ اورنگزیب اب کسی قدر فاصلہ پر ہے مگر کوئی دم کے بعد وہ سب پر حملہ کر دیگا۔ دارا یہ حال دیکھ کر بہت گھبرایا اور اب اسے اپنی غلطی کے احساس کے ساتھ خلیل اللہ خاں کی مکاری کا حال معلوم ہوا۔ یہ اپنی غلطی پر تاسف کرنے لگا مگر بسبب غیض وغضب کی حالت میں اُس نے خلیل اللہ خاں کو تلاش کرایا۔ تاکہ اُسے قتل کر دے۔ لیکن وہ بہت فاصلہ پر تھا۔ اور جب دارا ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہوا تو یہ اورنگ زیب کی طرف جانے کی نیت سے اپنے رسالہ میں آگیا۔ تقریباً پانچ ہزار سوار اُس کے ہمراہ اورنگ زیب کی طرف چلے گئے۔ باقی سوار جو شاہی ملازم تھے مثل دیگر سواروں کے تربتر ہو گئے۔

لڑائی کے یہ واقعات جو میں نے بیان کئے صرف تین گھنٹے کے ہیں۔ نو بجے جنگ شروع ہوئی اور دوپہر کو یہ شکست ہو گئی۔ آدمی، گھوڑے اور دیگر جانور بکثرت مارے گئے۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ ہماری طرف کے گھوڑے درست حالت میں نہ تھے۔ اور نہ اُن سے لڑائی

کا سخت کام لیا جاتا تھا۔ برخلاف اس کے اورنگ زیب کے گھوڑوں کو ضرورت سے زیادہ خوراک نہ دیجاتی تھی اور ہمیشہ اُن سے محنت لی جایا کرتی تھی۔ دوسرا سبب گرمی اور گرد کی شدت تھی۔ جس پر پانی نایاب تھا۔ مری رائے میں بہ نسبت اسلحہ کے ان سے زیادہ آدمی مرے۔

دارا کے بھاگنے اور میدان میں سے اپنی واپسی کا حال آگے بیان کرونگا۔ اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ دارا کا لشکر فرار ہوتے ہوئے دیکھکر اورنگ زیب نے اُس کی فوج کے اسباب وغیرہ پر کس طرح قبضہ کیا۔ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ خلیل اللہ خان مع پانچ ہزار سواروں کے اورنگ زیب کی طرف چلا گیا۔ چونکہ اس مکار کے ادہر آنے سے اورنگ زیب کو اپنی فتح کا یقین ہو گیا لہذا اُس کے پہنچتے ہی شادیانہ فتح بجائے گئے۔ تمام لشکر کے سپاہی اور مراد بخش اورنگ زیب کے پاس جمع ہو گئے۔ اورنگ زیب اور مراد بخش نے ایک دوسرے کو فتح کی مبارکباد دی۔ اورنگ زیب نے مراد بخش کی جرأت وہمت کی بہت تعریف کی۔ اور اس فتح کو اُسی کی طرف منسوب کیا۔ اس کے بعد اُس نے مکار و دغاباز خلیل اللہ خان کو مراد بخش کے سامنے پیش کر کے کہا کہ "یہ شخص بادشاہ کا بڑا وفادار دوست ہے (اورنگ زیب مراد بخش کو ہمیشہ بادشاہ کہہ کر خطاب کیا کرتا تھا) اور تمام سلطنت میں اس سے زیادہ کوئی خیرخواہ نہیں۔ یہ مشکل سے مشکل کام انجام دےسکتا ہے۔ اور اپنے موجودہ بادشاہ کا رتبہ شناس ونمک حلال ہے"۔ غرض خلیل اللہ خان اور مراد بخش کی شان میں اورنگ زیب نے اسی طرح کے تعریفی الفاظ کہے۔ اس کے بعد یہ دونوں دارا کے خیمہ گاہ کی طرف چلے۔ جب نزدیک پہنچے تو سواروں کے خیمے دیکھے اور زمین کھودنے کا حکم دیا تاکہ اگر سرنگ لگی ہوئی ہو تو معلوم ہو جائے۔

جب اس بات کا یقین ہو گیا کہ کسی طرح کا خطرہ نہیں ہے تو دونوں دارا کے خیمہ کی طرف چلے اور اپنے ہاتھیوں سے اُتر کر داخل خیمہ ہوئے۔ اورنگ زیب نے مراد بخش سے کہا کہ آج اُس کی حکومت کا پہلا دن ہے اور پھر فتح کی مبارکباد دی۔ اور ایسا برتاؤ کیا

جیسا نوکر آقا کے ساتھ کرتا ہے۔ اورنگ زیب نے خلیل اللہ خان اور دیگر حاضرین کے سامنے مراد بخش کی حد سے زیادہ تعظیم کی اور اظہار اطاعت کے طور پر ہزاروں سلام کئے گویا کہ وہ اُس کا ادنیٰ خادم ہے۔ یہاں مراد بخش نے خلیل اللہ خان سے پھر ملاقات کی اور بہت سے وعدے کئے۔ مراد بخش کو دارا کے خیمہ میں چھوڑ کر سب وہاں سے چلے آئے۔

اکثر آدمی اورنگ زیب کے مقصد کی اس تہہ کو پہنچ گئے کہ اُس کا سلطنت کرنیکے خلاف فقیر یا تارک الدنیا ہونے کا ارادہ ظاہر کرنا بادشاہ ہونیکے لئے اُس کی ایک مہذب تدبیر یا چالاکی ہے۔ اور کسی دن موقع پاکر یہ مراد بخش کو تباہ و برباد کر دیگا۔

اسی لئے اورنگ زیب سخت محنت کرتا اور رات دن صوبوں کے حاکموں اور ناظموں کے نام خطوط لکھتا رہتا تھا اس نے اپنے نانا شائستہ خان سے بھی مشورہ لیا جو نہایت عقلمند و ذکی تھا۔ یہ شخص سلطنت بھر میں سب سے بڑا اور قدیم امیر تھا اور دیگر امراء سے بھی اس کی رشتہ داری ہونے کی وجہ سے سب پر اس کا اثر تھا۔ اورنگ زیب نے اس سے اپنے دوستوں کو خطوط لکھنے کی استدعا کی جو دارا کے خلاف اور اس کے موافق ہوں۔ اورنگ زیب کو اس کا علم تھا کہ شائستہ خاں شاہجہاں سے نفرت کرتا ہے اور دارا سے بھی اسے محبت نہیں اس لئے اس کی امداد کرنے میں وہ درگذر نہ کرے گا۔ اور اس کی حسب خواہش عمل کریگا۔

اورنگ زیب نے علاوہ اور خطوط کے راجہ جے سنگھ و دلیر خاں کو بھی خطوط روانہ کئے جو شاہجہاں کے ملازم اور سلیمان شکوہ کی ماتحتی میں سرداران فوج تھے۔ ان خطوط کا یہ مضمون تھا کہ " اُن کو اب سمجھنا چاہئے کہ دارا سے اب انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اُس کو شکست ہو چکی اور نہ اس کے بادشاہ ہونیکا کوئی موقع ہے اور نہ یہ امید ہو سکتی ہے۔ دارا کے تمام لشکر نے اطاعت قبول کر لی۔ اگرچہ تنہا دارا فرار ہو گیا مگر اس کی گرفتاری کے لئے تمام سلطنت میں احکامات جاری کر دیئے گئے ہیں اور وہ ہمارے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ اس وقت اعلیٰ حضرت شاہجہاں کا کچھ خیال نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ خود بیمار ہیں اور اُن کی زندگی کی امید نہیں۔ چونکہ تم عقل سلیم رکھتے ہو لہٰذا تمہیں

خود سوچنا چاہیے کہ اس وقت کونسا طریقہ اختیار کرنا مناسب ہے۔ اگر تم کو یہ منظور ہے کہ تمہارے ساتھ عمدہ سلوک اور برتاؤ کیا جائے اور میرے دوستوں میں تمہارا شمار ہو تو میری نصیحت و صلاح پر عمل کر کے سلیمان شکوہ کو پکڑ کر میرے سامنے پیش کر دو۔"

یہ خط پہنچنے پر راجہ جے سنگھ سخت پریشان ہوا اور حیران تھا کہ اس موقع پر کیا کرنا چاہیے۔ اُس کو شاہجہاں اور دارا کی جانوں کے ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوا۔ علاوہ اس کے کہ وہ کسی شہزادہ کے گرفتار کرنے کو بھی ناپسند کرتا تھا۔ اُس کے دل میں یہ دغدغہ بھی پیدا ہوا کہ جلد یا دیر میں شاہجہاں، دارا یا اورنگ زیب کے ہاتھوں سے اُسے سخت نقصان پہنچے گا۔ اس کے علاوہ راجہ نے بطور پیش بینی اس امر پر بھی غور کیا کہ سلیمان شکوہ انتہا درجہ کا دلیر و شجاع ہے اور آسانی سے گرفتار نہیں ہو سکتا ہے۔ بہ گرفتار ہونے پر مرنے کو ترجیح دیگا۔ اور مدافعت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریگا۔

راجہ جے سنگھ نے اپنے دوست دلیر خاں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر یہ تجویز ہوئی کہ راجہ کو فوراً سلیمان شکوہ کے خیمہ میں جانا چاہیے جہاں وہ اُس کا منتظر ہے۔ شہزادہ کو اپنے باپ کے شکست کھانے کا حال ابھی معلوم ہوا تھا۔ برسبیل تذکرہ راجہ نے تمام حال بیان کر کے وہ خط دکھایا جو اورنگ زیب نے راجہ کے پاس بھیجا تھا۔ مگر اس نے اورنگ زیب کا حکم جو خط میں لکھا ہوا تھا پوشیدہ کر لیا۔ کیونکہ راجہ دارا سے اُس بات کا بدلا لینا چاہتا تھا کہ ایک مرتبہ دارا نے اسے ڈوم کہہ دیا تھا۔ راجہ جے سنگھ نے سلیمان شکوہ کو اُس خطرہ سے بھی آگاہ کر دیا جو اُسے پیش تھا اور یہ صلاح دی کہ اُسے اب کوہستان سری نگر کو چلا جانا چاہیے۔ کیونکہ یہ بہترین محفوظ مقام ہے اور وہاں گرفتاری کا بھی خوف نہیں۔ وہاں راجہ خوشی سے اس کا خیر مقدم کریگا۔ وہاں رہ کر بلا خوف اورنگ زیب کے تمام معاملات حاضرہ پر نظر رکھ سکتا ہے۔

اس گفتگو کے بعد سلیمان شکوہ نے یہ خیال کر کے کہ اب وہ نہ تو راجہ پر اور نہ دلیر خاں

پر اعتماد کرسکتا ہے اپنے سپہ سالار داؤد خاں سے مشورہ لیا۔ اُس نے صلاح دی کہ رخصت ہونیکے بہانہ سے اور نیز کچھ معاملات رازداری کہنے کے حیلہ سے ان دونوں کو یہاں طلب کیا جائے۔ جب دونوں داخل خیمہ ہوں تو قتل کرکے ان کی فوجوں کو اپنی ماتحتی میں لیلیا جائے پھر تمام متحدہ لشکر کے ساتھ انتقام لینے کے لئے اورنگ زیب پر چڑھائی کرنی مناسب ہے اگر اس پر عملدرآمد کیا گیا تو اورنگ زیب ہرگز اپنے ارادہ میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔

یہ صلاح تو معقول تھی مگر پوشیدہ نہ رہ سکی۔ راجہ کو اسکی اطلاع شہزادہ کے حکیم نے کردی جو ارمنی النسل سکندر بیگ کے نام سے مشہور تھا۔ یہ تمام قصہ مجھ سے خود راجہ نے بیان کیا تھا۔ مذکورہ بالا تجویز کو عملی صورت میں لانیکے لئے سلیمان شکوہ نے سب سامان درست کرکے راجہ اور دلیر خاں کو حسب معمول طلب کیا۔ چونکہ انہیں کل راز کی خبر ہوچکی تھی لہذا اُنہوں نے صاف صاف یہ جواب دیا کہ اُن کا پہلا جواب اور صلاح کافی ہے اُسی کی پابندی کرکے شہزادہ کو بعجلت تشریف لیجانا بہتر ہے۔ اُس کا انتظار نہ کیا جائے اور نہ اب اُن کا آنا کچھ مفید ہے۔

اس جواب پر سلیمان شکوہ کی تمام امیدیں منقطع ہوگئیں اور اُسے اپنے گرفتار ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس لئے اپنی حفاظت کا پورے طور سے انتظام کرکے وہ کوہستان کو روانہ ہوا۔ اُس کے ساتھ چند خواجہ سرا، غلام، اور سپاہی روانہ ہوئے۔ وہ ارمنی حکیم بھی ہمراہ گیا جس نے تمام راز فاش کردیا تھا۔ اسے شہزادہ کی ذات سے بڑی امیدیں تھیں اور اسی لئے اُس نے یہ تکلیفیں گوارا کیں۔ اس شخص سے دو سال بعد دربار میں میری ملاقات ہوئی اور اُس نے بالتفصیل اُن سختیوں اور تکلیفوں کا مجھ سے ذکر کیا جو سلیمان شکوہ پر پڑی تھیں جنکو حسب موقع آیندہ بیان کرونگا۔

سلیمان شکوہ کے بقیہ سپاہیوں اور افسروں میں سے کچھ اپنے مکانات کی طرف راہی ہوگئے اور کثر راجہ جے سنگھ یا دلیر خاں کی فوج میں شامل ہوگئے۔ اگرچہ یہ سب مشہور نامور

افسر تھے مگر اس موقع پر ان سے یہ عامیانہ حرکت ظہور میں آئی کہ انہوں نے شہزادہ سلیمان شکوہ کا اسباب لوٹنے کے لئے آدمی روانہ کئے اور انہوں نے ایک ہاتھی طلائی سکوں سے اور دوسرا جواہرات سے لدا ہوا لوٹ لیا۔ اور چند اونٹ جن پر غریب شہزادہ کی ضروریات کے لئے تمام دولت بار تھی قبضہ میں لے آئے۔ اس سے شہزادہ کے ہمراہی مختصر جماعت میں بددلی و اضطراب پیدا ہو گیا اور اکثروں نے ترک رفاقت کرنی شروع کر دی۔ راستہ میں ہر منزل پر دیہاتی اُسے روکتے اور اُس کے ساتھیوں کو لوٹ لیتے۔ ایک ایک دو دو ہمراہی علیحدہ ہونے شروع ہوئے۔ جب وہ پہاڑ پر پہنچا تو اس کے ساتھ علاوہ اُس کی عیال کے صرف چالیس آدمی باقی رہ گئے تھے۔ راجہ سری نگر نے نہایت عزت واحترام کے ساتھ اُس کا خیر مقدم کیا اور یقین دلایا کہ حتی المقدور راجہ اُس کی امداد میں کمی نہ کریگا۔ اور یہ بھی ظاہر کیا کہ یہاں شہزادہ ایسا محفوظ ہے گویا کہ وہ خود اس ملک کا حکمراں ہے۔

بدقسمت دارا میدان جنگ سے بھاگ کر بعجلت نو بجے رات کے قلعہ آگرہ کے دروازہ پر پہنچا۔ مگر قلعہ میں اس خوف سے داخل نہ ہوا کہ مبادا اورنگ زیب پہنچکر محاصرہ نہ کرلے۔ ایسی صورت میں محصور ہو کر وہ کچھ نہ کرسکے گا۔ علاوہ اس کے اُسے اپنے باپ کے سامنے جاتی ہوئے شرم آئی۔ اُسے خوب یاد تھا کہ شاہجہاں نے بذات خاص میدان جنگ میں جانیکی خواہش کی اور اس نے مخالفت کی تھی جس سے شاہجہاں کو رنج ہوا تھا۔ دارا ایسا حواس باختہ تھا کہ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اُسے کیا کہنا یا کرنا چاہیے۔

اس نے شاہجہاں اور اپنی ہمشیر و بیگم صاحبہ کے پاس کہلا بھیجا کہ جو کچھ آپ نے پیشینگوئی کی تھی اُس کا ظہور ہوا۔ یہ سُنکر ان دونوں کو بہت رنج ہوا لیکن چونکہ دارا سے بیحد محبت تھی بجائے اُسکی بدقسمتی پر افسوس کرنیکے نیک دل بوڑھے باپ نے فہیم خواجہ سرا کی معرفت تسلی آمیز پیام بھیجا۔ اور یقین دلایا کہ اُسے اب بھی ویسی ہی محبت ہے جیسے پہلے تھی اور ہمیشہ رہے گی۔ جو کچھ بدقسمتی سے واقع ہوا وہ اگرچہ قابل افسوس ہے مگر بددل ہونا

چاہیئے۔ سلیمان شکوہ کی ماتحتی میں ابھی اتنا لشکر ہے کہ جس سے از سرِ نو حملہ کر کے باغیوں کی سرکوبی کر کے اُن سے انتقام لیا جا سکتا ہے۔

اس کے ساتھ ہی شاہ جہاں نے طلائی سکوں سے لدے ہوئے خچر دارا کے پاس روانہ کرنے کا حکم دیا۔ اور تجویز کیا کہ دارا دہلی جا کر شاہی اصطبل کے تمام گھوڑے اور ہاتھی اپنے کام میں لائے۔ حاکم دہلی کے نام حکم جاری کیا گیا کہ قلعہ دہلی مع جملہ سامان متعلقہ و خزانہ دارا کو سپرد کر دیا جائے اور دارا کا مثل خود شاہجہاں کے استقبال کرے۔ ان احکامات کی تعمیل کرانیکے لئے معتبر اور مشہور امراء دارا کے ہمراہ کئے گئے دارا کو ہدایت کی گئی کہ وہ دہلی میں مقیم رہے اور کہیں نہ جائے۔ شاہ جہاں نے یہ بھی اقرار کیا کہ جہانتک ممکن ہوگا وہ اورنگ زیب کو گرفتار کرنے اور سزا دینے کی کوشش کریگا اور ہر معاملہ کی خبر دارا تک پہنچاتا رہیگا۔

خواجہ سرا نے یہ شاہی پیغام دارا تک پہنچا دیا۔ مگر رنج و مصیبت کی وجہ سے اُسکے حواس اس قدر منتشر ہو رہے تھے کہ وہ ایک لفظ بھی زبان سے نہ کہہ سکا۔ خواجہ سرا نے یہ حالت دیکھ کر اُس کو تسلی و تشفی دینی چاہی مگر وہ خاموش ہی رہا۔

اُس کی ہمشیر بیگم صاحبہ نے اپنے معتمد خواجہ سرا کی معرفت کچھ بیش قیمت جواہرات روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ اُسے بھی اُسی قدر رنج ہے جس قدر خود دارا کو ہے۔ لیکن وہ اس سے ناامید نہیں ہوئی کہ چند روز بعد اُسے امن کے ساتھ بادشاہت کرتے ہوئے دیکھے اور ہر نماز میں وہ خدا سے دعا کرتی ہے کہ وہ تم پر اپنا فضل رکھے۔ اس کے بعد دارا گھبرایا ہوا اپنے مکان پر آیا اور جس قدر جواہرات وہ لیجا سکتا تھا اُن کو نکلوایا۔ اور نصف شب کو وہ اپنی تینوں بیگموں، جانی بیگم دختر، چھوٹے بچے سپہر شکوہ۔ اور چند غلاموں کو لیکر روانہ دہلی ہوا اُس کے ساتھ پانسو سپاہی بھی تھے جن میں سے اکثر خانہ زاد تھے۔ یہ انقلاب دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا۔

دہلی پہنچکر اُس نے فوراً شاہی حکم حاکم دہلی کے پاس بھیجکر سپردگی قلعہ کا مطالبہ کیا۔ مگر

حاکم نے شاہی حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کیا۔ کیونکہ یہ اورنگ زیب کے زیر اثر تھا اور اُس نے بذریعہ خط حاکم دہلی کو قلعہ حوالہ کرنے سے منع کر دیا تھا۔ لہذا بدنصیب دارا اس پر مجبور ہوا کہ شاہی اصطبل سے گھوڑے لیکر لاہور چلا جائے۔

شکست کے بعد میں جلد روانہ آگرہ ہوا اور دس بجے رات کو وہاں پہنچا۔ تمام شہر میں ایک ہنگامہ تھا۔ کیونکہ ایک پرتگیز جس کا نام انٹونیو ڈی ازی وڈیو (Antonie de Azevedo) تھا۔ جس نے شروع جنگ میں اسباب لٹتا ہوا دیکھا اور اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی کے ساتھ چلا آیا تھا۔ جو دو بجے دن کے آگرہ پہنچا اور مکان کے دروازہ پر پہنچکر اُس کا گھوڑا مر گیا۔ اُسی وقت سے دارا کی شکست کی خبر شہر میں مشہور ہوئی۔ اور خود دارا کے پہنچنے پر اس خبر کی تصدیق ہو جانے سے پریشانی زیادہ ہو گئی۔ ہر شخص متعجب ہو کر جاننا چاہتا ہے کہ کس طرح شکست ہوئی۔ اُدہر سے جو کوئی آتا اُس سے لوگ اپنے اپنے آقا کی خبر دریافت کرتے تھے۔ چنانچہ مجھ سے بھی ایک بوڑھیا نے خلیل اللہ خان کو دریافت کیا۔ اُسکی مکاری کی وجہ سے چونکہ میں جلا ہوا تھا لہذا میں نے کہدیا کہ میری موجودگی میں اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے گئے۔ یہ سُن کر بوڑھیا بہت گھبرائی اور جلد جلد قدم اُٹھا کر اس کے گھر یہ خبر پہنچائی جہاں رونا پیٹنا اور ماتم شروع ہو گیا۔ اور واقعی اُسے مرا ہوا خیال کر لیا۔ کیونکہ میں نے بھی واقعات اس طرح بیان کئے جو سچ معلوم ہوتے تھے۔

یہ معلوم کر کے کہ دارا دہلی جانا چاہتا ہے میں نے فوراً اُس کے ساتھ شامل ہو جانا چاہا۔ مگر میرا گھوڑا اس قدر تھکا ہوا تھا کہ اُس میں کھڑے ہونے کی بھی طاقت نہ تھی۔ اور ایسے ہی اُن سب کے گھوڑوں کی حالت تھی جو رات میں بھاگ کر یہاں آئے تھے۔ لہذا میں نے ارادہ کیا کہ چوبیس گھنٹے آرام کرنے کے بعد دارا کی تلاش میں روانہ ہو جاؤں۔

اورنگ زیب نے اپنا مقصد پورا کرنے کے لئے مستعدی اور ہوشیاری میں کمی نہ کی بہادر خان کو مع رسالہ اُس سڑک پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کیا جو بسمت مغرب آگرہ کو جاتی

اس کی غرض یہ تھی کہ کوئی شخص دارا کے پاس نہ جا سکے۔ طلوع آفتاب سے قبل کچھ آدمی مع چند اہل یورپ کے اس سڑک سے بلا مزاحمت گذر گئے۔ مگر اس کے بعد جو گئے انہیں معلوم نہ تھا کہ بہادر خاں نے سڑک روک لی ہے۔ لہذا ان بعد کے جانیوالوں کو اول لوٹ لیا گیا اور مار پیٹ کر کے انہیں شہر کو واپس کر دیا۔

چونکہ مجھے ان واقعات کا علم نہ تھا میں نو بجے دن کے اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر اور ایک اونٹ پر اپنا اسباب بار کر کے مع چند ملازمین کے روانہ ہوا۔ شہر سے نکل کر میدان میں کچھ سواروں کو دیکھا جن کو اپنی طرف کے سوار خیال کر کے میں نے انکے ساتھ شامل ہو جانا چاہا۔ پھر میں نے تقریباً پانسو سواروں کا رسالہ دیکھا جو میری طرف آرہا تھا۔ میرے نزدیک پہنچکر ایک افسر مع دو سواروں کے آگے بڑھا اور نرمی سے اُس نے مجھ سے دریافت کیا کہ "کہاں جا رہے ہو" میں نے صاف طور سے کہدیا کہ میں اپنے آقا دارا شکوہ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ اُس نے میری نوجوانی اور ناواقفیت پر ترس کھا کر کہا کہ اگر تم میری صلاح مانو تو اپنے مکان کو واپس ہو جاؤ۔ کیونکہ اگر تم آگے بڑھے تو تمہاری جان کا خطرہ ہے۔ یہ افسر ایسا شریف اور نیکدل تھا کہ بغرض حفاظت میرے ساتھ سوار کر دیئے اور خود مجھے میرے مکان پر پہنچا گیا۔

اگر یہ افسر ایسا نہ کرتا تو آگے جو سوار متعین تھے وہ بلاشبہ مجھے لوٹ لیتے۔ یا اسی کے سوار ایسا کرتے جنہوں نے اس خواہش کا اظہار بھی کیا مگر اس افسر نے اُن کو روک دیا۔ جب میں مکان پر صحیح وسالم پہنچ گیا تو اُس افسر نے مجھے نصیحت کی کہ اب ہرگز اپنے مکان سے باہر نہ نکلوں کیونکہ اورنگ زیب نے فتح پائی اور سلطنت بدل گئی۔ اُسی وقت سے میں کسی محفوظ موقع کی جستجو میں رہنے لگا۔ تاکہ روانہ ہو کر دارا کی خدمت میں پہنچ جاؤں جس سے مجھے بیحد خلوص تھا۔ اگر اورنگ زیب سڑک کو نہ روکتا تو دارا کے تمام آدمی اُسکے پاس پہنچ جاتے۔ ناکہ بندی سے پہلے اس لئے نہ جا سکے کہ اس قدر فاصلہ سے

بھاگ کر آنے سے وہ اور اُن کے گھوڑے ایسے تھک گئے تھے کہ بالکل چلنے کے ناقابل تھے میں شہر آگرہ میں مقیم رہا اور دیکھا کہ اورنگ زیب نے اپنا ارادہ کس طرح پورا کیا. جنگ سے چار روز بعد ۸ ; جون ۱۶۵۶ء کو (صحیح ۱۶۵۸ء) اورنگ زیب اور مراد بخش آگرہ پہنچے. اور شہر سے دو میل کے فاصلہ پر باغ ظفر آباد[ل] میں مع اپنے لشکروں کے مقیم ہوئے. یہاں سے اورنگ زیب نے اپنے معتمد اور خیر خواہ خواجہ سرا فہیم کو اپنے والد بزرگوار شاہجہاں کی خدمت میں روانہ کیا۔ اور اُس کی زبانی اطاعت و فرمانبرداری کے ہزاروں وعدے کئے۔ اور جو واقعات پیش آئے اُن پر اظہار افسوس کر کے اس بنا پر معافی چاہی کہ دارا کی ہوس اور خیالات کی وجہ سے اُسے یہ انتہائی تدبیر اختیار کرنی پڑی۔ اب اعلیٰ حضرت کی صحتوری مزاج سے جو مسرت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ فدوی دارالخلافت میں حاضر ہو گیا اور بسر ارشاد کی تعمیل کرنیکے لئے موجود ہے. فہیم خواجہ سرا شاہجہاں کو نہ باقاعدہ آداب بجالایا اور نہ اُس نے نرمی سے گفتگو کی۔ کیونکہ اُسے تو اورنگ زیب کی خوشنودی مزاج سے مطلب تھا۔

اور ادہر شاہ جہاں اظہار محبت و اطاعت کے ایسے ہزاروں طریقوں سے بھی مطمئن نہیں ہو سکتا تھا. تخت برقرار رکھنے کے لئے وہ بھی کسی حیلہ و بہانہ کا متلاشی تھا. کیونکہ وہ اورنگزیب کے طرز عمل اور پوشیدہ برائیوں سے بخوبی باخبر تھا۔ اُس نے فقیر کے یہ الفاظ کبھی فراموش نہ کئے کہ اورنگ زیب کی ذات اور شیریں کلامی پر کبھی اعتماد نہ کرنا چاہیئے۔

اس لئے موجودہ خرابیوں کے دور کرنیکے لئے شاہجہاں نے کوئی تدبیر کرنی چاہی۔ اُس نے پہلے اس امر کا اندازہ کرنیکے لئے کہ اُس کے سپہ سالار مطیع ہیں یا نہیں شہر میں آنے اور گذرنے کا ارادہ کیا مگر پھر خود اُس نے محسوس کیا کہ یہ فعل بعد از وقت ہے۔ کیونکہ سب کے سب اورنگ زیب کی طرف چلے گئے۔ اور اگر باشندگان شہر اُس کے طرفدار بھی ہوئے تو اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

[ل] عالمگیر نامہ میں لکھا ہے کہ باغ نور منزل میں مقام تھا۔ یہ جگہ آگرہ کی چھاؤنی میں شامل ہو گئی ہے۔

اگر یہاں کے باشندے مثل یورپ کے باشندوں کے ہوتے تو بلا شک اورنگ زیب کو یہ موقع ہی نہ ملتا۔

چونکہ شاہجہاں بھی چالبازی میں اُستاد تھا لہذا آخر میں اُس نے اورنگ زیب سے لئے یہ جال بچھانا چاہا کہ الماس خواجہ سرا کی وساطت سے یہ پیام اورنگ زیب کے پاس بھیجا کہ دو مجھے دارا کی خراب حالت اور کم عقلی کا علم ہے۔ اور بوجہ اُس خاص محبت کے جو مجھے تمہارے ساتھ ہے اور جس کی وجہ سے میں نے تمہیں دکن کا زرخیز صوبہ دے رکھا ہے۔ یہاں تمہارے آنے سے نہایت خوشی ہوئی۔ اُن خرابیوں اور ابتریوں کے دور کرنے کیلئے جو آجکل سلطنت میں ہو رہی ہیں میں تم سے بذات خاص گفت گو کرنا چاہتا ہوں۔ اور مجھے تم سے بغلگیر ہونیکا بڑا اشتیاق ہے۔

یہ ترکیب اس لئے تھی کہ اورنگ زیب کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو اور وہ قلعہ میں چلا آئے تاکہ وہاں اسے قتل کر دیا جائے۔ پہلے سے خفیہ طور سے اس نے تیاری کر لی تھی۔ بہت سی تاتاری قلماقنیں۔ اوزبک مضبوط عورتیں پہرہ دیا کرتی تھیں۔ اور یہ جملہ اقسام کے اسلحہ کا استعمال کر سکتی تھیں۔ یہی اپنی بندوقوں، تیروں اور تلواروں سے اورنگ زیب کو مار ڈالتیں۔ لیکن اورنگزیب بھی بڑا چالاک تھا وہ سمجھ گیا کہ اس وقت شاہ جہاں کے فقروں میں نہ آنا چاہئے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بیگم صاحبہ کو دارا کے ساتھ اُنس ہے اور وہ ہر وقت شاہجہاں کے پاس رہتی ہیں۔ یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ وہ اورنگ زیب کے خلاف دارا کے لئے کوشش نہ کریں۔ لہذا ان باتوں پر کچھ توجہ نہ کرنی چاہئے اور جلد سے جلد تمام سلطنت پر قبضہ کر لینا مناسب ہی اس طرح اورنگ زیب نے اپنی ذات کو خطرہ میں نہ ڈالا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ مشہور کرتا رہا کہ وہ فلاں روز شاہجہاں کی ملاقات کو جائیگا اور مقررہ روز پر کچھ بہانہ تراش کر عذر کر دیتا اور پھر دوسرا دن تعین کرتا۔ اسی طرح وہ ملاقات کی تاریخیں ملتوی کرتا۔ اس زمانہ میں دربار کے بڑے بڑے امرا کو اپنی شیریں کلامی اور خوش

خلق سے اپنا طرفدار بنانے کی کوشش کرتا رہا۔ جب خفیہ خفیہ سب سامان تیار ہوگیا تو یہ اس قابل تھا کہ اپنا ارادہ پورا کرے۔ جبکہ ہر شخص کو یہ امید تھی کہ اورنگ زیب شاہجہاں کی ملاقات کے لئے جائیگا تو اس نے اپنی طرف سے اپنے فرزند سلطان محمد کو کوتوال مقرر کردیا۔ اس پردہ میں وہ قلعہ کو محصور کرنا چاہتا تھا تاکہ کوئی شخص اُس میں داخل نہ ہوسکے۔

شاہجہاں اس حراست سے بہت گھبرایا خصوصاً اس بات سے کہ اورنگ زیب اور اُس کا لشکر قلعہ کے سامنے مقبرہ ممتاز محل کے قریب خیمہ زن ہوگیا۔ جب اورنگ زیب یہاں پہنچا تو شائستہ خاں و محمد امین خاں خلف میر جملہ مع دیگر امرا کے اُس کے استقبال کے لئے آئے اور قیمتی تحائف پیش کرکے مبارکباد دی۔ یہ سب اس وجہ سے بہت خوش تھے کہ جو ان کی تمنا تھی وہ پوری ہوئی۔ سوائے دو شخصوں کے سب ان مکاروں اور دغابازوں کے گروہ میں شامل تھے۔ ایک دانشمند خاں[۱] جو سلطنت بھر میں بڑا فاضل شخص تھا۔ دوسرے مکرم خاں[۲] طبیب شاہجہاں ساکن ایران یہ دونوں اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے اور کسی فریق کی طرفداری نہیں کی۔

بیچارے شاہجہاں نے یہ دیکھ کر کہ سوائے اسد خاں کے کوئی اُس کے پاس نہیں۔ محل سے نکل کر قلعہ کا دورہ کیا۔ جو سپاہی موجود تھے اُن کو پہرہ پر متعین کرکے توپ خانہ کو تیار رہنے کا حکم دیا۔ اورنگ زیب کے آدمیوں کو قریب آتے دیکھ کر اُس نے فیر کرنے کو کہا۔ اس وقت سے اورنگ زیب کے ملنے کی امید منقطع ہوگئی جس کا وہ منتظر تھا اورنگزیب نے

۱؎ ملا شفیع یزدی دانشمند خاں ہندوستان میں بغرض طبابت آیا تھا جو شاہجہاں کی ملازمت میں سنہ ۲۴ جلوس شاہجہانی (۱۶۵۰ء) میں داخل ہوا۔ سنہ ۳۱ جلوس میں میر بخشی ہوا اور سہ ہزاری ۸۰۰ سواروں کا منصب دیا گیا۔ اس نے ۱۰ ربیع الاول ۱۰۸۱ھ (۲۸ جولائی ۱۶۷۰ء) کو وفات پائی۔ (مآثر الامرا)

۲؎ ممکن ہے کہ مکرم خاں سے تقرب خاں (حکیم داؤد) سے مراد ہو جو شاہجہاں کا طبیب خاص تھا۔ اور جس نے شروع ۱۰۷۳ھ میں وفات پائی۔ (مآثر الامرا)

ان فیروں کی پروانہ کی اور شہر پر قبضہ کرنیکے بعد یہ آگے بڑھتا رہا۔ اس نے اپنی فوج قلعہ کی دیوار کے نیچے اُن مکانات کی آڑ میں رکھی جو قلعہ کے چاروں طرف واقع تھے۔

اگرچہ شاہجہاں کی یہ حالت تھی کہ گویا قفس میں بند ہوگیا تھا لیکن توپوں اور بندوقوں کے فیروں کو نہ روکا۔ اور کوشش کرتا رہا کہ اورنگ زیب کا لشکر جو بڑھتا چلا آرہا ہے واپس ہوجائے۔ چونکہ دشمن آڑ میں تھا اس لئے اُس کا نہ تو کچھ نقصان ہوتا تھا اور نہ اُسے جواباً فیر کرنے کی ضرورت تھی۔ تین رات اور تین دن برابر اسی طرح فیر ہوتے رہے جن سے بڑا شور وغل برپا رہا۔ اس عرصہ میں گولندازوں نے دیواروں پر سے رسّے ڈالکر بھاگنا شروع کیا۔ انکا افسر ایک مسمی بہ ریوبن اسمتھ (Reuben Smith) تھا۔ ان کو اورنگ زیب کی طرف سے رشوت دی گئی اور تیروں میں وعدوں کے خطوط باندھکر قلعہ میں پھینکے گئے۔ گولندازوں کے بھاگنے کے بعد اور سپاہی بھی بددل ہوکر بھاگ گئے۔

اب اورنگ زیب نے شاہجہاں کی خدمت میں ایک عرضی روانہ کی جس میں اپنی حاضری میں دیر ہونے کی معافی چاہی اور عذر کیا کہ بوجہ بیماری حاضری کے ناقابل تھا۔ یہ بھی لکھا کہ اُس کی مرضی کے خلاف جاہل سپاہیوں نے یہ کارروائی کی۔ اور اب اجازت دی جائے کہ سلطان محمد اُس کا فرزند حاضر حضور ہوکر آداب بجالانے کی عزت حاصل کرے صحت ہونے کے بعد وہ خود بھی شرف قدمبوسی سے مشرف ہوگا۔

شاہ جہاں نے اسے منظور کرلیا اور اُسے امید ہوئی کہ شاید اسی سلسلہ میں وہ اپنی تدبیر میں کامیاب ہو۔ سلطان محمد کو دینے کے لئے قیمتی کپڑوں کے تھان زیادہ تعداد میں مہیا کئے گئے اور دھوم دھام کے ساتھ استقبال کا سامان کیا گیا محض اس لئے کہ اورنگزیب بھی چلا آئے۔ مگر اُس سے یہ خیال کوسوں دور تھا۔ برخلاف اسکے اس نے سلطان محمد کو یہ حکم دیا تھا کہ قلعہ کے دروازہ پر پہنچکر مستعدی کے ساتھ داخل ہوکر دروازے کو محفوظ کرے اس کے بعد اپنے تمام آدمیوں کو قلعہ کے اندر داخل کرے۔ اگر کوئی مزاحمت کرے تو

اُس کے قتل میں تامل نہ کیا جائے۔ سلطان محمد نے حرف بحرف اس حکم کی تعمیل کی۔

شاہجہاں اس وقت حرم سرا میں دو ہزار عورتوں کے درمیان میں تھا۔ اس مکاری اور فریب سے حیرت زدہ ہوگیا۔ تمام عورتیں مدافعت کرنے اور اپنی جانیں دینے پر آمادہ تھیں اسی لئے اورنگ زیب نے معاملات کو آگے نہ بڑھنے دیا کہ مبادا کسی خرابی کا باعث ہو۔ اُسنے شاہجہاں کے پاس پیام بھیجا کہ "اعلیٰ حضرت حرم سرا میں بہ آسائش رہیں اور عورتوں سے بہت ساتھ باطمینان اپنا دل بہلائیں اور اب کاروبار سلطنت کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔ بادشاہ کا تمام بار یہ فدوی اپنے سر لیتا ہے" اس وقت شاہجہاں کی عمر اکسٹھ سال کی تھی اور تیس سال تین ماہ سلطنت کرچکا تھا۔[۵]

یہ بات معلوم کرکے کہ اُس کے جملہ اختیارات صلب ہوچکے شاہجہاں نے ایک اور تدبیر اپنے آزاد ہونیکے لئے کی۔ اگر یہ چال چل جاتی تو اورنگ زیب کا تخت سلطنت پر قایم رہنا مشکل تھا۔ اُس نے یہ تجویز کی کہ سلطان محمد کو اپنے پاس طلب کرکے ظاہر کرے کہ اُسے اس قابل خیال کرکے وہ اُسے بادشاہ بنانا چاہتا ہے۔ یہ سنکر سلطان محمد فوراً چلا آئیگا اور اپنے دادا کے ہاتھ سے تاج سلطنت لینے میں کچھ عذر نہ کریگا۔ کیونکہ یہ موجب خوشنودی خدا بھی ہے کہ ایک بے بس کو ظالم کے ہاتھ سے آزاد کیا جائے۔

سلطان محمد عقل سلیم رکھتا تھا اور اپنے دادا کے دم میں نہ آنیوالا تھا۔ اسے خوب معلوم تھا کہ تمام امرا و باشندگانِ شہر اُس کے باپ سے رضامند ہیں اور انہیں کے طلب کرنے پر

---

[۵] شاہجہاں یکم ربیع الثانی سنہ ۱۰۰۰ھ (۱۶ جنوری سنہ ۱۵۹۲ء) کو پیدا ہوا۔ اور ۸ جمادی الثانی سنہ ۱۰۳۷ھ (۱۴ فروری سنہ ۱۶۲۸ء) کو تخت نشین ہوا۔ بموجب تاریخ الفنسٹن صاحب ۱۷ رمضان سنہ ۱۰۶۸ھ (۱۸ جون سنہ ۱۶۵۸ء) کو معزول ہوا۔ لہذا معزولی کے وقت اُس کی عمر بحساب قمری ۶۸ سال چھ ماہ اور بحساب انگریزی ۶۶ سال چھ ماہ تھی۔ مدت سلطنت تا وقت معزولی بحساب قمری ۳۱ سال تین ماہ نو دن اور بحساب انگریزی تیس سال چار ماہ چار دن ہوئی۔

وہ یہاں آیا ہے۔ اگر وہ اپنے دادا کی بات منظور کرلیگا تو اُسکی بھی یہی حالت ہو جائیگی جو خود شاہجہاں کی ہے۔ اس لئے سلطان محمد نے نہ تو شاہجہاں کی بات سُنی چاہی اور نہ محل میں قدم رکھا بلکہ یہ سخت جواب دیا کہ اُسے اُسکے باپ کا حکم نہیں ہے اسلئے نہ وہ مل سکتا ہے اور نہ کچھ گفتگو کر سکتا ہے۔ مجکو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ قلعہ کے دروازوں کی کنجیاں لئے بغیر یہاں سے واپس نہ ہوں۔

یہ سنکر شاہجہاں کچھ برہم نہ ہوا بلکہ یہ جواب دیا کہ "سلطان محمد بلا خوف آزادی کے ساتھ حرم سرا میں آئے کہ مجھے اُسے اپنے سینہ سے لگانے کا بہت شوق ہے اور میں اُسے نہ صرف قلعہ کی کنجیاں دیدونگا بلکہ تاج سلطنت بھی اُسکے سر پر رکھونگا"۔ لیکن سلطان محمد اپنی بات سے نہ ہٹا اور کہلا بھیجا کہ یہ خیال باطل ہے اور اس قسم کی باتیں بنانے کا اب وقت نہیں ہے۔ قبل اسکے کہ آپ کی حالت اس سے بھی بدتر ہو یہ مناسب ہے کہ کنجیاں روانہ فرما دیجئے۔ سلطان محمد کو اپنے ارادہ میں ایسا مستقل پاکر شاہجہاں نے کنجیاں سپرد کرنے کا ارادہ کرلیا۔ کیونکہ اُس نے دیکھا کہ سلطان محمد اور اُس کے ماتحت افسر اپنے کام میں ہوشیار ہیں۔ اُنہوں نے جنس اور کھانے پینے کی چیزیں قلعہ میں آنی بند کردیں اور قلعہ کے آدمی بھوک پیاس سے تنگ ہوکر رفتہ رفتہ بھاگنے شروع ہو گئے اور وہ سپاہی بھی فرار ہو گئے جو محل سرا کے نزدیک اُس مکان کی حفاظت کر رہے تھے جو عام خاص کہلاتا ہے اور جہاں شاہجہاں دربار کیا کرتا تھا۔ اپنے آپ کو اس مصیبت میں گھرا ہوا دیکھ کر شاہجہاں نے بلا کسی خاص شرط کے کنجیاں روانہ کردیں۔ اُس نے اپنے دل میں ٹھان لیا تھا کہ اگر دشمن اور آگے بڑھا تو وہ مع اپنی بیگموں، خواجہ سراؤں، اور اسدخان کے جان دیدیگا۔ اسدخان نے شاہجہاں سے علیحدہ ہونا منظور نہ کیا اور حرم سرا کے دروازہ پر مثل خادموں کے موجود رہا یہ امر اُس سے اُس محبت و نمک حلالی کی وجہ سے ظہور میں آیا جو اُسے شاہجہاں کے ساتھ تھی۔

جب کنجیاں بھیجدی گئیں تو شاہجہاں نے اورنگ زیب کو اس بہانہ سے طلب کیا کہ ایک ضروری اور اہم امر میں اُس سے مشورہ کرنا ہے اور اُس کا منشا یہ تھا کہ اگر وہ حرم سرا میں آئے تو قتل کر دیا جائے۔ لیکن اورنگ زیب چونکہ بیدار مغز اور زود فہم تھا اب بات پر ہنسنے لگا۔ اُس نے بجائے جواب کے ایک معتمد خواجہ سرا کو روانہ کیا۔ جسے شاہجہاں نے ایک مدت پہلے اورنگ زیب کو عطا کیا تھا اور جس کا نام اعتبار خاں تھا اس خواجہ سرا نے جا کر شاہجہاں اور بیگم صاحبہ کو مع دیگر بیگمات کے حرم سرا میں بند کر دیا لیکن روشن آرا بیگم کو جو اورنگ زیب کی عزیز ہمشیرہ تھی علحدہ کر کے شان و شوکت کے ساتھ روانہ کیا۔

اعتبار خاں نے مختلف دروازوں اور کھڑکیوں پر عورتوں کا پہرہ اس طرح قایم کیا کہ شاہجہاں نہ کسی اجنبی سے گفتگو کر سکے اور نہ کسی کو کوئی خط وغیرہ تحریر کر سکے۔ اور نہ بغیر اجازت اعتبار خاں حرم سرا سے نکلکر باغ میں چہل قدمی کر سکے۔ اورنگ زیب کی چالاکیاں ابھی ختم نہ ہوئیں اور اپنے تمام افعال منصفانہ ظاہر کرنیکے لئے اور لوگوں کو شاہجہاں سے برگشتہ کرنے کی غرض سے اُس نے ایک مصنوعی خط شاہجہاں کی طرف سے دارا کے نام تیار کیا اور اُس کا مضمون یہ تھا کہ "میری رائے ہے کہ تم آگرہ سے زیادہ دور نہ جاؤ۔ وہ وقت قریب ہے جبکہ تم اپنے باغی اور دشمن بھائیوں کو اُس کے ہاتھ سے مقتول دیکھو گے جو بدقسمتی سے اُن کا باپ ہے۔ یہ دونوں شیطان وحشیانہ حرکات اور بدعادات کا مجموعہ ہیں۔ عنقریب اورنگ زیب و مراد بخش مجھسے ملنے آئیں گے۔ اگرچہ وہ زندہ داخل محل ہونگے مگر اپنے پاؤں سے باہر نہ جا سکیں گے۔ البتہ دوسرے لوگ اُنہیں دفن کرنے کے واسطے لیجائیں گے اور اُس وقت اگر تم آؤ گے تو خوشدلی کے ساتھ تخت سلطنت پر جلوس کرو گے۔"

یہ مصنوعی خط اورنگ زیب کے سامنے دربار میں اُس وقت پیش کیا گیا جبکہ

تمام درباری حاضر تھے۔ شائستہ خاں نے خط کھول کر سُنایا جس پر اورنگ زیب نے مکاری سے ایسا اظہار خوف واندیشہ کیا کہ چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا۔ پاؤں سے زمین اور ہاتھوں سے تکیوں کو پیٹنے لگا۔ گویا کسی خاص خطرہ اور سازش کی اُسے خبر ملی ہے۔ سر جھکا کر سوچنے کے بعد حکم دیا کہ خط مذکور بآواز بلند پڑھا جائے۔ اس کے بعد جو شخص اسے دیکھنا چاہے اُسے دکھا دیا جائے۔ اس کارروائی سے تمام درباریوں میں اضطراب پیدا ہوگیا۔ پھر مکاری کو کام میں لاکر اپنے باپ سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا اور کہا کہ یہ خط جعلی معلوم ہوتا ہے اس پر حاضرین نے عرض کیا کہ حضور عالی کو خطرہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ مگر اورنگ زیب مکاری سے اپنی خواہش کا بار بار اظہار کرتا رہا اور باپ کے ملنے کا اشتیاق جتا کر بے چین ہونا ظاہر کیا۔

اس کے بعد اورنگ زیب نے تمام حاضرین دربار سے اس بارہ میں رائے لی کہ آیا اُسے اپنے باپ سے ملنے کے لئے جانا چاہیئے یا نہیں۔ سب نے متفق اللفظ یہی عرض کیا کہ کسی طرح وہاں جانا مناسب نہیں اور نہ ہم لوگ ایسی رائے دے سکتے ہیں۔ یہ سن کر اورنگ زیب بظاہر بہت رنجیدہ ہوا۔ اگرچہ دل میں بہت خوش تھا۔ آخر اُس نے اپنے باپ کو خط روانہ کرنا تجویز کیا۔ جو سب کو سُنایا گیا۔ اُس خط میں علاوہ اور باتوں کے یہ بھی تحریر کیا کہ "مجھے تحقیق معلوم ہے باوجودیکہ حضور نے میرے ساتھ انتہائی محبت کا اور دارا سے نفرت کا اظہار فرمایا ہے مگر جب دارا رخصت ہونے لگا تو حضور ہی نے طلائی سکے خچروں پر بار کر کے اُسکے ہمراہ کئے تاکہ اُن کے ذریعہ سے وہ میرے مقابلہ کے لئے نئی فوج بھرتی کرے گا۔ مگر میں بغیر دارا کے گرفتار کئے باز نہ آؤنگا جو تمام خرابیوں کا باعث ہے۔ جس وقت میری یہ مراد حاصل ہوگئی اُسی روز اعلیٰ حضرت کی خدمت میں مثل ایک مطیع فرزند کے حاضر ہوکر شرف قدمبوسی حاصل کروں گا۔ آپ میری خطاؤں سے درگذر فرماکر غیظ و غضب کو ضبط فرمائیں۔ جسوقت بھی دارا کا قلع قمع ہوگیا یہ تمام قیود دور کر کے اعلیٰ حضرت کو مثل سابق اپنا آقا سمجھ کر با اختیار کر دیا جائیگا۔"

ایک زمانہ میں منجملہ اُن عورتوں کے جو شاہجہاں اور بیگم صاحبہ کی خدمت کے لئے متعین ہیں اور جنکا کام باہر سے خط لیجانا اور جواب لانا تھا مجھے چند عورتوں کی واقفیت ہوگئی۔ اُنہوں نے مجھے وثوق کے ساتھ یقین دلایا کہ کبھی اس قسم کا کوئی خط شاہجہاں کے پاس نہیں گیا۔ اورنگ زیب لوگوں کے دکھانے اور اپنی برائیوں پر پردہ ڈالنے کے لئے ایسی کارروائیاں کیا کرتا تھا۔ وہ تمام الزامات شاہجہاں اور دارا کے سر رکھ کر یہ بات ثابت کرنی چاہتا تھا کہ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے وہ منصفانہ ہے اور یہ دونوں اسی کے لائق ہیں۔

اسی زمانہ میں ایک بیہودہ اور قابل مضحکہ واقعہ ہوا جس سے تمام آدمی واقف ہیں بیگم صاحبہ کا گویّا دولارا یہ دیکھ کر کہ شاہجہاں اور بیگم صاحبہ قیدخانہ میں ہیں اور اب اُسے انعامات اور تحائف ملنے کی کوئی اُمید نہیں۔ نئے قدردانوں کی تلاش کرنے لگا۔ یہ لشکر مراد بخش کے چند افسروں کے پاس گیا۔ چونکہ اسے موسیقی میں کمال حاصل تھا لہذا یہ افسر اسکے ساتھ خوش خلقی اور قدردانی سے پیش آئے۔ گانے کے بعد بطور تفریح شراب کا دور چلا۔ دولارا جب نشہ میں سرشار ہوا تو اُس نے اپنے ملازم سے اعلیٰ قسم کی شراب لانے کو کہا جیسی وہ ہر روز پیتا ہے اور جس کا وہ عادی ہے۔ اُن افسروں نے اُسکی طرز معاشرت کو غور سے دیکھا۔ شراب طلائی بوتل میں لائی گئی جس پر میناکاری ہو رہی تھی اور جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ ایسی بیش قیمت بوتل ان افسروں میں کسی کے پاس بھی نہ تھی۔ دولارا شیخی مار کر اپنے آپ کو ان افسروں کا ہمسر جتانے لگا۔ کچھ تو اُس کی مغرورانہ باتوں اور کچھ بوجہ اُس حسد و دشمنی کے جو اُنہیں بیگم صاحبہ سے تھی۔ ان افسروں نے اُسے باندھکر اول اُس کا پاجامہ اتارا اور پھر اُس کی مقعد میں شمع دیکر اُسے روشن کر دیا۔ شمع اُس وقت تک جلتی رہی جبتک دولارے نے اپنے قصور کی معافی نہ چاہی۔ جب اُس نے بہت منت و سماجت کی تو مار پیٹنے کے بعد اُسے نکال دیا۔

اور دولارے کے دماغ سے وہ خیالات نکل گئے جو اُسے شیخی مارنے پر آمادہ کرتے تھے۔ اپنے گھر جاکر وہ پھر کبھی باہر نہ نکلا یہاں تک کہ مرگیا۔

تمام امرائے دربار پر قابو پانے اور شاہجہاں کو قید کرنیکے بعد اورنگ زیب نے اپنے نانا شائستہ خاں کو شہر اگرہ کا حاکم مقرر کیا۔ اور حسب ضرورت خزانہ سے روپیہ لیکر وہ اور مرادبخش دارا کے تعاقب میں روانہ ہوئے۔ جو سلیمان شکوہ کی طرف سے ناامید ہو کر لاہور میں اپنا لشکر فراہم کر رہا تھا۔ ابتدائے جون میں یہ دونوں لشکر روانہ ہوئے۔

میں بھی دارا کے لشکر میں پہنچنے کے لئے فقیر کا بھیس بدلکر لشکر کے ساتھ ہوگیا۔ شہباز خواجہ سرا اور مرادبخش کے خیر خواہوں نے مرادبخش کو یہ صلاح دی کہ اورنگ زیب کو دارا کے تعاقب میں جانے دیا جائے اور مرادبخش مع اپنے لشکر کے اگرہ اور دہلی کا انتظام کرے مرادبخش اورنگ زیب کی دلی حالت سے بے خبر تھا اور اُس کے جھوٹے وعدوں اور قرآن مجید پر حلف کرنے کا اُسے پورے طور سے یقین تھا لہذا اُس نے اپنے خیر اندیشوں کی نصیحت وصلاح پر توجہ نہ کی اور اپنے درغگو و مکار بھائی کے ساتھ جانا پسند کیا۔ اور دونوں لشکر تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر روانہ دہلی ہوئے۔

دریائے جمن کے کنارے کنارے چل کر ہندوؤں کے شہر متھرا میں پہنچے جو اگرہ سے اٹھارہ فرسخ ہے اور جہاں ایک عمدہ مندر بنا ہوا ہے۔ اثنائے راہ میں بہت سے دارا کے شکست خوردہ سپاہی اور افسر آکر مرادبخش کے ملازم ہوئے جس نے انہیں بہ اضافہ تنخواہ بھرتی کرلیا۔ دلیر خاں بھی سلیمان شکوہ سے الگ ہوکر آیا اور اورنگ زیب اُسکے ساتھ خلق ومروت سے پیش آیا اور اُس کی تنخواہ میں اضافہ کرنیکے علاوہ بہت سے تحائف مرحمت کئے۔ راجہ جے سنگھ اپنے علاقہ کو چلا گیا۔

تمام راستہ اورنگ زیب مرادبخش سے غافل نہ رہا۔ کئی مرتبہ اُس نے میوہ جات اور پھول وغیرہ مرادبخش کے پاس روانہ کئے اور کہلا بھیجا کہ "چند روز بعد آپکی تاجپوشی ہونیوالی ہے

لہذا اُس کی بھی تیاری کرنی چاہیئے۔" اس غرض سے اُس نے نئے خیمے اور پوشاک تیار کرنیکا اور جواہرات ہاتھیوں اور گھوڑوں کی فراہمی کا حکم دیا۔ دعوت کیلئے اجناس، مٹھائیاں، عطریات وغیرہ جمع ہونے شروع ہوگئے۔ تمام گویوں اور طائفوں کو تیار رہنے کا حکم دیا۔

میں نے دیکھا کہ اورنگ زیب کے لشکر میں لوگ آپس میں استعاروں اور اشاروں میں خفیہ باتوں کا اظہار کرتے تھے۔ مثلاً ایک کہتا کہ "بڑا شیر چھوٹے شیر کو پکڑ لیگا"۔ دوسرا کہتا کہ "اب بیمار صحتیاب نہیں ہو سکتا" وغیرہ وغیرہ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کی نیت کے حال سے سب باخبر تھے۔ مراد بخش کے لشکر میں سوائے ناچ گانے اور شراب کا دور چلنے کے اور کوئی شغل نہ تھا۔ تاہم مراد بخش کے خیر خواہ خصوصاً شہباز خواجہ سرا اُسے آگاہ کرتے رہتے تھے کہ اورنگ زیب کا دل برائی سے خالی نہیں اور وہ ضرور دغابازی کریگا انہیں کسی ذریعہ سے یہ علم ہوگیا تھا کہ اورنگ زیب کوئی نئی چال چلنی چاہتا ہے۔ مگر مراد بخش اپنے بھائی کے جھوٹے وعدوں اور اپنی قوت و طاقت پر ایسا مطمئن تھا کہ مطلق ان باتوں پر متوجہ نہ ہوتا تھا اور بھائی کے حلف و شیریں کلامی کو بالکل درست خیال کرتا تھا۔

متھرا پہنچنے سے پہلے اورنگ زیب نے جلسہ تاجپوشی کے لئے کولی گھاٹ[1] کو منتخب کیا۔ جو بوجہ کھلی ہوئی اور وسیع جگہ اور قریب دریا ہونیکے اس تقریب کے واسطے موزوں تھی۔ دریا کے شور کرنے سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ یا تو اورنگ زیب کی خوش قسمتی پر اظہار خوشی کر رہا ہے اور یا مراد بخش کی حسرت انگیز ناکامی پر رو رہا ہے۔ جبکہ وہ امراء سپہ سالاروں کے حلقہ میں دل میں اپنی تاجپوشی کا خیال کر رہا تھا۔ مراد بخش کو اب اس بات کی سزا ملنے والی تھی کہ اُس نے اپنے خیر خواہوں کی نصیحت پر عمل نہ کیا جو بار بار اسے

[1] کولی گھاٹ بجانب جنوب متھرا سے چھ میل اور اورنگ آباد سے ایک میل کے فاصلہ پر آگرہ کی سڑک پر واقع ہے جہاں اورنگ زیب کا بنایا ہوا اصطبل اس وقت تک موجود ہے۔ وہاں کے باشندے بیان کرتے ہیں کہ اورنگ زیب کا خیمہ گاہ اورنگ آباد میں تھا جہاں اُسنے ایک مسجد تعمیر کر کے اپنے نام پر اورنگ آباد آباد کیا۔

توجہ دلاتے تھے کہ اورنگ زیب کوئی نیا مکر کرنے والا ہے۔

چار روز قیام کرنے کے بعد ۱۵ رجون[ا] کو اورنگ زیب نے سلطان محمد کو بڑے بڑے افسروں کے ہمراہ مراد بخش کو اپنے لشکر گاہ میں مدعو کرنیکے لئے روانہ کیا۔ اور ظاہر کیا کہ یہاں آپ کی خواہش پوری کی جائے گی۔ اور تاج پوشی کے بعد اُن وعدوں سے سبکدوشی ہوگی جو آپ سے کئے گئے ہیں۔ منجمین نے بھی آج ہی کا دن سعد تجویز کیا ہے مراد بخش نے بلا لحاظ اس کے کہ قید خانہ اُس کا انتظار کر رہا ہے چلنے کی تیاری کی۔ مگر وفادار شہباز اور دیگر افسروں نے اصرار کیا کہ کسی ناسازی مزاج کا بہانہ کرکے تاجپوشی کے لئے آج کا دن ملتوی کرکے اورنگ زیب سے کوئی دوسرا دن مقرر کرنیکے لئے کہا جائے اس عرصہ میں ممکن ہے کہ اورنگ زیب کا اصلی منشار معلوم ہو جائے۔ یا اُسکے افسر وغیرہ یہاں آتے رہتے ہیں اُن سے بھی کچھ نہ کچھ ضرور پتہ چلے گا لیکن مراد بخش نے مطلق ان نصائح پر خیال نہ کیا کیونکہ اُسے اورنگ زیب کی طرف سے کوئی شبہ نہ تھا۔ جتنا اُس سے کہا جاتا تھا اُسی قدر اُس کی ضد اور ہٹ زیادہ ہوتی جاتی تھی۔ آخر الامر اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر شہباز اور دیگر افسروں کو ساتھ لیکر وہ اورنگ زیب کے خیمہ کی طرف روانہ ہوا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد اُسے ابراہیم خان ملا۔ یہ وہی افسر تھا کہ جب اورنگزیب نے دریا عبور کر لیا تھا تو اس نے دارا کو صلاح دی تھی کہ بارہ ہزار سوار اورنگ زیب کے تعاقب میں روانہ کئے جائیں۔ جیسا پہلے ذکر ہو چکا۔ آداب بجالا نیکے بعد اس نے نزدیک آکر مراد بخش کے گھوڑے کی باگ تھام کر آہستہ سے دریافت کیا کہ "آپ اس وقت کہاں تشریف لیجا رہے ہیں"۔ مراد بخش نے نہایت اطمینان کے ساتھ مطلع کیا کہ وہ بلا شرکت

ا؎ برنیر نے اپنے سفرنامہ میں کوئی تاریخ نہیں لکھی۔ مگر عالمگیر نامہ میں ۴ رشوال ۱۰۶۸ھ (۵ رجولائی ۱۶۵۸ء) تحریر ہے۔ تاریخ محمدی میں شہرت و افواہ کی بنا پر یہ لکھا ہے کہ مراد بخش عالمگیر کے حکم سے قلعہ گوالیار میں ۲۱ ربیع الثانی ۱۰۷۲ھ (۲۵ ردسمبر ۱۶۶۱ء) کو بروز چہار شنبہ قتل کیا گیا جبکہ اُس کی عمر ۳۷ سال کی تھی۔

غیر سے بادشاہ ہونیکے لئے بغرض تاج پوشی جا رہا ہے۔ اس افسر نے عرض کیا کہ " یہ نہایت خوشی کا مقام ہے مگر اس کام کے لئے حضور کو دوسرے کے گھر جانا ضرور نہیں جبکہ آپ اپنی لشکرگاہ میں اطمینان و حفاظت کے ساتھ یہ رسم بجالا سکتے ہیں " یہ کہکر اسنے مرادبخش کے گھوڑے کو پھیرنا چاہا مگر مرادبخش اپنی ضد پر قایم رہا۔ یہ دیکھکر ابراہیم خاں نے بآواز بلند کہا کہ " حضور اپنے پاؤں سے قید خانہ تشریف لئے جا رہے ہیں " شہباز نے بھی اس موقع کو ہاتھ سے نہ دیا اور اپنے آقا کے قدم پر سر رکھکر عرض کیا کہ " خدا و رسول کے واسطے ابراہیم خاں کی صلاح پر عمل فرمایئے " مگر اس کے جواب میں مرادبخش دست بہ قبضہ ہوکر کہنے لگا کہ " از ما کسے بہادر نیست "

جب یہ اورنگ زیب کے خیمہ کے دروازہ پر پہنچا تو قاضی نے آداب بجالاکر آہستہ سے کہا کہ حضور عالی۔ اپنے ہی قدموں سے تشریف لائے ہیں ہ جس کے یہ معنے تھے کہ اب باہر آنا اُس کے اختیار میں نہ ہوگا۔ مگر مرادبخش پر اورنگ زیب کی مکاری کا جادو ایسا اثر کئے ہوئے تھا کہ وہ بلا کسی بات کا خیال کئے داخل خیمہ ہوگیا۔ اورنگ زیب نے شیخ میر، امیر خاں اور دیگر افسروں کے ساتھ نہایت گرمجوشی سے مرادبخش کا استقبال کیا اور بغلگیر ہوکر بار بار اظہار محبت کرتا اور سلام کے لئے جھکتا تھا۔ اُسے لیجاکر سب سے اعلیٰ جگہ بٹھاکر رومال لیکر مکھیاں ہلانے اور کبھی چہرہ سے گرد صاف کرنے لگا۔ اور ایسا طرز عمل اختیار کیا جو بادشاہ کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اُس کے بعد مردانہ و زنانہ طائفے حاضر ہوئے اور گانا شروع ہوگیا۔ پھول بکھیرے گئے۔ عرق گلاب چھڑکا گیا۔ بکثرت خوشبوئیں اور عطریات ملے گئے۔ خیمہ کے باہر مختلف باجے بج رہے تھے۔ مرادبخش یہ دیکھ دیکھکر نہایت فرحناک و مسرور تھا کہ آج اُس کی تمام محنتوں کا ثمر ملا چاہتا ہے۔ مرادبخش کے پہنچنے سے تین گھنٹہ بعد غالباً دو بجے کھانا شروع ہوا۔ اورنگ زیب نے اپنے افسروں کو حکم دیا کہ مرادبخش کی سرداران فوج کو جو مدعو ہیں اُن کے ہی خیموں میں کھانا کھلایا جائے۔ تمام رات اسی

عیش و عشرت میں گذری۔ تمام لشکر میں یہ بات مشہور ہو گئی۔ مراد بخش کے سپاہی یہ دیکھ کر کہ اُن کے افسر بوجہ دعوت شب بھر یہاں رہیں گے گھوڑوں کے گھاس اور چارہ کی تلاش میں چلے گئے۔

مراد بخش کے پاس سوائے شہباز کے اور کوئی نہ تھا۔ جبتک مراد بخش کھانا کھاتا رہا یہ مسلح اُسکی پشت پر کھڑا رہا۔ جب اُس نے کھانا شروع کیا تو اورنگ زیب کے افسر شراب لاتے تھے اور خود اورنگ زیب کھانوں کی قابیں لاکر مثل خدمتگاروں کے مراد بخش کے سامنے رکھتا تھا۔ دو گھنٹہ میں کھانا ختم ہوا۔ اس کے بعد اورنگ زیب نے مراد بخش سے آرام کرنے کو کہا تاکہ اس عرصہ میں وہ تخت وغیرہ آراستہ کرکے نجومیوں سے تخت نشینی کا وقت تجویز کرائے۔ اور کہا کہ یہ سب سامان تیار ہو جانے پر وہ اُسے خود بیدار کرے گا۔

مراد بخش آرام کرنے دوسرے کمرہ میں گیا جہاں ایک خوبصورت عورت اُس کی دلبستگی کے لئے موجود تھی لیکن شہباز نے اُس عورت کو باہر نکال دیا۔ چونکہ نشہ تیز ہو رہا تھا اسلئے مراد بخش جلد سو گیا اور شہباز بیٹھ کر اپنے آقا کے پاؤں دابنے لگا اور ہوشیاری سے دروازہ کی طرف دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اورنگ زیب کو سامنے کے دروازہ سے سفید کپڑے پہنے ہوئے آتے دیکھا۔ وہ اطمینان سے آہستہ آہستہ اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا خواجہ سرا کی طرف آرہا تھا گویا اُس سے کوئی بات دریافت کرنا چاہتا ہے۔ ذرا فاصلہ پر کھڑے ہو کر شہباز کو ہاتھ کے اشارہ سے اس طرح بلایا کہ کسی معاملہ میں اُس کی رائے لینے کی ضرورت ہے۔ غریب شہباز بغرض تعمیل اُٹھا۔ اس نے اپنا سر باہر نکالا ہی تھا کہ چار آدمیوں نے کندھوں اور بازوں کی طرف سے پکڑ کر اسے زمین سے اس طرح اٹھایا کہ یہ اپنے اسلحہ کو بھی کام میں نہ لا سکا۔ بعدہ اُسے پھانسی دیکر مار ڈالا۔ اور خاموشی سے وہیں کہیں دفن کر دیا۔

اگرچہ مراد بخش شراب کے نشہ میں چور ہو رہا تھا مگر اورنگ زیب جاگ رہا تھا۔ مراد بخش

سے شہباز کے علیحدہ ہونے سے اسے اپنی کامیابی کا یقین تھا مگر احتیاطاً اس نے اپنے فرزند سلطان اعظم کو بُلایا جس کی عمر چھ سات سال[1] کی تھی اور ہنوز حرم سرا میں رہتا تھا۔ جب وہ آیا تو اُسے نہایت خوبصورت زیور دکھا کر کہا کہ اگر تم اسے لینا چاہتے ہو تو بغیر بیدار کئے اپنے چچا کی کمر سے تلوار کھول کر لاؤ جو اندر سو رہا ہے۔ یہ تدبیر اس لئے کی گئی کہ اگر مراد بخش بیدار ہو گیا تو نا سمجھ بچہ کو دیکھ کر مشتبہ نہ ہوگا۔ بچہ نے انعام کے لالچ میں مراد بخش کے پاس جا کر آہستگی سے تلوار لے لی۔ اور لا کر باپ کے حوالے کر دی۔ اورنگ زیب نے اُسے پھر چمکتا ہوا جواہر دکھا کر کہا کہ اگر دوبارہ جا کر اسی طرح اُس کا خنجر لے آؤ گے تو یہ تمہیں اور انعام ملے گا بچہ خوشی خوشی گیا اور خنجر بھی لا کر اُس کے سپرد کر دیا۔ غریب مراد بخش اب بالکل غیر مسلح ہو گیا اور کوئی مددگار بھی اُس کے پاس نہ رہا۔ اس وقت اورنگ زیب کی خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔

اب اورنگ زیب نے اُن آدمیوں کو جو پہلے سے اسی غرض سے پوشیدہ کر رکھے تھے حکم دیا کہ ہتکڑیاں اور بیڑیاں لائی جائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ چاندی کی بنی ہوئی تھیں جو اورنگ زیب نے اپنے بیٹے سلطان محمد کے واسطے تیار کرائیں تھیں کہ اگر وہ نافرمانی کرے تو استعمال کی جائیں۔ چھ آدمیوں نے جا کر مراد بخش کے پاؤں میں بیڑیاں ڈالنی چاہیں۔ مراد بخش بیدار ہو گیا اور شہباز کی بجائے اور آدمیوں کو بیڑیاں اور ہتکڑیاں لئے ہوئے دیکھا۔ اس نے فوراً تلوار اُٹھانی چاہی مگر اُس کا پتہ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر اُس کا دل ٹوٹ گیا اور اب اسے دغا بازی اور مکاری کا حال معلوم ہوا۔ پھر اس نے سکوت اختیار کر کے بیڑیاں ڈالنے کے لئے پاؤں پھیلا دیئے۔ سر جھکا کر اتنا تو کہا کہ کیا میرے ساتھ قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہی اقرار کیا تھا؟" بعض آدمیوں نے مجھے یقین دلایا

[1] محمد اعظم ۱۲ر شعبان ۱۰۶۳ھ (۱۰ر اکتوبر ۱۶۵۳ء) کو پیدا ہوا۔ اس لئے ۱۵ر جون ۱۶۵۸ء کو اس کی عمر چار سال، ۷ ماہ کی تھی۔

کہ اگر اورنگ زیب اس تدبیر میں ناکامیاب ہوتا تو اُسی روز بہ زور مراد بخش کو مار ڈالتا۔

یہ تمام کارروائی ایسے اخفا کے ساتھ کی گئی کہ کسی کو مطلق کسی قسم کا شبہ نہ ہوا خیال ہٹانے کے لئے اورنگ زیب نے خیمہ کے باہر اور اندر پھر باجے بجوانے شروع کر دیئے جس سے سب کو یہ گمان ہوا کہ محفل رقص و سرود پھر شروع ہو گئی اور رات بھر رہے گی جیسا کہ عموماً ہندوستان میں رواج ہے اسی لئے تمام سپاہی اپنے اپنے کام میں مشغول ہو ادہر اُدہر چلے گئے اور یہی اورنگ زیب کا مقصد تھا۔ اُسے تھوڑا سا یہ خوف تھا کہ علم ہو جانے پر مراد بخش کے سپاہی غدر اور بغاوت نہ کر دیں۔ لہذا اُس نے اپنے خیمے کے گرد مضبوط پہرہ قایم کر دیا۔

چھ بجے شام کو دو ہاتھی آئے جن پر اُس قسم کے پردہ دار حوضے تھے جیسے حرم سرا کی بیگمات کی سواری کیلئے ہوا کرتے ہیں۔ چار ہزار مسلح سواروں کا رسالہ بھی دلیر خاں کی ماتحتی میں آکر موجود ہو گیا دوسرا رسالہ اسی قدر سواروں کا بہادر خان برادر رضاعی اورنگ زیب کی سرکردگی میں تھا۔ انہیں سے ایک رسالہ مغرب کی اور دوسرا مشرق کی طرف خیمہ گاہ کی حد میں آکر موجود ہو گیا۔ مراد بخش کو دست و پا بستہ اُس ہاتھی پر ڈال کر جو مغرب کی طرف سے آیا تھا دلیر خان کے سپرد کیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں ہاتھی نکلے جن میں سے ایک دہلی کو اور دوسرا آگرہ کو مع ایک ایک رسالہ کے روانہ کر دیئے گئے۔

یہ اس لئے کیا گیا کہ اگر کوئی مزاحمت کرنی چاہے تو اُسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ مراد بخش کس ہاتھی پر سوار ہے اور کہاں بھیجا گیا۔ تمام کارروائی انتہائی رازداری کے ساتھ کی گئی۔ رات کا وقت اس لئے رکھا گیا تھا کہ مراد بخش کے افسر اپنے سپاہیوں سے علیحدہ اپنے خیموں میں تھے اور اگر کوئی افسر مراد بخش کو چھڑانے کی کوشش کرنا چاہے تو اُسے اورنگزیب کے افسر روک لیں اورنگزیب نے اپنے افسروں کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ مراد بخش کے افسروں کو خیموں سے باہر نہ نکلنے دیں۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو انہیں انعامات دیئے جائیں گے۔

ہاتھیوں کے روانہ ہونیکے بعد سپاہیوں کو شبہ ہوا اور ہر طرف اضطراب پھیل گیا کیونکہ اُنہیں معلوم نہ تھا کہ ان ہاتھیوں کو اس قدر فوج کے ساتھ روانہ کرنے میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ اس کے بعد چند سوار اور پیدل آئے جنہوں نے "زندہ باد شاہ اورنگزیب" کے باوازِ بلند نعرے لگائے۔ اور منادی کی کہ ملازمین شاہجہاں، دارا، مرادبخش اگر شاہ اورنگ زیب کی ملازمت کریں تو انکو دُگنی تنخواہ دی جائیگی۔ مرادبخش کے افسر جو کھانا کھا رہے تھے یہ سُنکر بہت پریشان ہوئے۔ اور وہاں سے جانا چاہا لیکن اورنگ زیب کے افسروں نے اُنہیں روکا اور صلاح دی کہ باہر نکل کر خطرہ میں نہ پڑنا چاہیئے۔ اور جس تنخواہ کا اورنگزیب وعدہ کرتا ہے اُسے قبول کرلینا چاہیے۔ آخر میں کہا کہ اس وقت تمہیں باہر موت کی تلاش میں جانا ہرگز مناسب نہیں۔ جو کچھ ہوا وہ تمہاری امداد سے اب بدل نہیں سکتا۔

تمام افسروں اور سپاہیوں نے رات نہایت پریشانی میں گذاری اور نہیں جانتے تھے کہ کیا واقعہ پیش آنے والا ہے۔ جب صبح ہوئی تو ان سب نے اورنگ زیب کی ملازمت قبول کرلی۔ اورنگ زیب نے مرادبخش کی تمام دولت و لشکر پر قبضہ کرلیا۔ اور اُسکی بیگمات لڑکوں، دختروں کو قلعہ دہلی روانہ کردیا۔ دلیرخان (جس کی سپردگی میں مرادبخش کو دیا گیا تھا) کو یہ احکامات دیئے گئے کہ دہلی کے قریب پہنچکر حوضہ سے پردہ علیحدہ کردیا جائے اور اُسی حالت سے مرادبخش کو شہر میں لیجائے۔ مرادبخش قلعہ سلیم گڑھ میں رکھا گیا۔ جو ایک قدیم قلعہ سلیم شاہ افغان کا بنایا ہوا ہے۔ یہ جگہ جمنا کے درمیان اُس قلعہ کے متصل ہے جسے شاہجہاں نے تعمیر کرکے شاہجہان آباد نام رکھا تھا۔ دونوں قلعوں کا اتصال ایک پل سے کردیا گیا ہے۔

مرادبخش کا اس طور سے داخل دہلی ہونا نہایت غم انگیز نظارہ تھا۔ اُس کا چہرہ اُداس اور سر پر نیلا عمامہ تھا۔ اُس کی پشت پر ایک شخص ننگی تلوار لئے بیٹھا تھا کہ اگر یہ بھاگنے کی کوشش کرے تو فوراً گردن اڑا دی جائے۔ مرادبخش کے ہاتھی کے عقب میں

دوسرے ہاتھی پر دلیر خاں کمان میں تیر لگائے بیٹھا تھا۔ اسی طرح تمام سوار بھی لیس تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی بڑے خطاوار مجرم کو پکڑ لائے ہیں۔ اس حفاظت و احتیاط کے ساتھ یہ سلیم گڑھ میں لایا گیا اور حکم دیا گیا کہ اسے پوست کا پانی پینے کے لئے دیا جائے تاکہ اس کے عقل و حواس درست نہ رہیں۔

اب اورنگ زیب کی یہ مکاری صاف طور سے ظاہر ہوگئی کہ وہ اپنے آپ کو فقیر اور تارک الدنیا مشہور کرتا تھا۔ اور یہ صرف اس لئے تھا کہ تخت شاہی تک پہنچنے میں اُسے آسانی ہو۔ اسی لئے عرصہ تک وہ لوگوں کو یہ دھوکہ دیتا رہا۔ مراد بخش گرفتار ہوگیا۔ دارا و سلیمان شکوہ کو شکست ہو چکی۔ اپنے باپ شاہجہاں کو قید کر چکا۔ اس کے بعد اس نے بادشاہت کا دعویٰ کیا شاہجہاں، دارا، مراد بخش کے ملازمین جنہوں نے اس کی نوکری اختیار کی اُن کو بیش قرار انعامات اور منصب دیکر اپنے موافق بنالیا اور اس طرح وہ تمام سلطنت کا مالک بن گیا۔

یہ تمام واقعات دیکھکر اور یہ سُنکر کہ دارا صوبہ لاہور میں نیا لشکر فراہم کر رہا ہے میں فقیر کا بھیس بدل کر دلی کو روانہ ہوا۔ یہاں پندرہ روز تک اور مسافروں کے انتظار میں مقیم رہا۔ کیونکہ دیہاتی اور قزاق راستہ میں مسافروں کو لوٹ کر قتل کر دیتے تھے۔ اس لئے مسافر یکجائی مسلح سفر کرنے پر مجبور تھے۔ ہر شب ہم کسی سرائے میں مقیم ہو کر کسی قدر اطمینان سے رہتے۔ دن کو دوپہر کے وقت کھانا کھانے اور جانوروں کو آرام دینے کی غرض سے ہم ٹھہر جاتے تھے۔ اور دو بجے چل کر آفتاب غروب ہونے سے پہلے دوسری سرائے میں جا کر مقیم ہوتے۔ اس سفر میں ایک دن ہم دوپہر کو قریب قصبہ پانی پت بغرض آرام مقیم تھے۔ جو دہلی سے چار روز کی راہ ہے۔ چلنے کے وقت معلوم ہوا کہ میرا گاڑیبان موجود نہیں اور قافلہ روانہ ہوگیا۔ میں سخت حیران تھا کیونکہ باوجود کوشش کے بھی میرا گاڑیبان نہ ملا۔ میں بہت متردد ہوا۔ مجھے معلوم تھا کہ بیل مجھ سے نہ چل سکیں گے اور نہ میں لُٹنے کے خوف سے پیدل سفر کر سکتا ہوں۔ اس جگہ کے باشندے میرے گرد جمع

ہوگئے۔ اور مجھے لوٹنا چاہتے تھے مگر انہوں نے اس لئے مجھ سے کچھ مزاحمت نہ کی کہ میرے پاس کوئی چیز نہ تھی۔ انہوں نے مجھے صلاح دی کہ میں سفر جاری رکھوں کیونکہ رات کو کوئی مار ڈالے گا۔

اسی اثنار میں میرا گاڑیبان بھاگتا ہوا آیا۔ جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو میں بہت غصہ ہوا اور اُسے مارا۔ لیکن مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ فعل جو میری طبیعت کے خلاف تھا خداوند عالم اپنے فضل وکرم سے اسی کو میرے حق میں فائدہ رساں کر دیگا۔ الغرض میں روانہ ہوا اور گاڑیبان بیلوں کو اس لئے تیز چلانے لگا کہ ہمراہیوں سے مل جائے جو ہم سے دو گھنٹہ پہلے روانہ ہوگئے تھے۔ اور اس طرح وہ مجھے خوش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن میں نے اُسے یقین دلایا کہ اب نہ ہم ہمراہیوں سے مل سکتے ہیں اور نہ سرائے میں پہنچنا ممکن ہے لہذا یہی مناسب ہے کہ بیلوں کو زیادہ تیز نہ چلائے۔ باوجودیکہ میں گاڑیبان سے ناراض تھا مگر میں نے اُس سے دریافت کیا کہ جبکہ وہ راہ کی مشکلات سے واقف تھا تو کیوں اُس نے ایسی بے پروائی کی۔ جس کا اُس نے یہ جواب دیا کہ چند ضروریات سے مجبور ہو کر وہ قصبہ سے پرے دور چلا گیا اور وہاں ایسا غافل ہو کر سو گیا کہ عرصہ تک آنکھ نہ کھلی اور یہی وجہ دیر کی تھی۔

ہم یہی گفتگو کرتے ہوئے ایک جنگل میں داخل ہوئے۔ جب ہم اُس کے وسط میں پہنچے تو دیکھا کہ ہمارے ہمراہی ایک جگہ زخمی یا سر بریدہ پڑے ہوئے ہیں اور چند آدمی جو زندہ ہیں اُنکے بھی کپڑے اتار کر برہنہ کر دیا ہے۔ گاڑیبان نے اس نظارہ سے خوفزدہ ہو کر بیلوں کو تیز چلایا تاکہ یہاں سے جلد گذر جائے مگر میں نے اُسے سمجھایا کہ جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ لہذا آہستہ آہستہ چلنا چاہئے۔ (اگرچہ دل میں اُس سے کم خوفزدہ نہ تھا) میں نے سڑک پر ایک آدمی کو دیکھا جس کے سینہ پر نیزہ لگا تھا۔ اُس نے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر مجھ سے مدد کرنے کی درخواست کی۔ مجھے اُسکے

حال پر رحم آیا اور دونوں ہاتھ بڑھائے تاکہ اُسے اپنی گاڑی میں بیلوں۔ مگر گاڑیبان نے بیلوں کو اس قدر تیز چلایا کہ مجھے اس نیک کام کرنے کا موقع نہ دیا۔

اس جنگل سے نکل کر ہم ایک گانوں کے نزدیک پہنچے جس کے باشندوں کو اس لڑائی کا علم ہوچکا تھا۔ وہ میری گاڑی کو آتا ہوا دیکھ کر بہت متعجب ہوئے۔ اور میرے بچنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ میں نے جواب دیا کہ خدا ہی کو اس کا علم ہے کہ اس نے کس طرح مجھے ان بدمعاشوں سے پناہ دی۔ چوروں اور قزاقوں کے خوف کی حالت میں میں سفر کرتا رہا یہاں تک کہ میں دریائے بیاس پر پہنچگیا۔ یہاں میری ایک افسر سے ملاقات ہوئی جس کا نام داؤد خان[۱] تھا۔ اور جو سلیمان شکوہ سے علیحدہ ہوکر دشوار گذار جنگلوں کی راہ سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈالکر دارا سے ملحق ہونے کے لئے آیا تھا اور اب دارا نے اُسے کافی سواروں اور توپ خانہ کے ساتھ اس دریا پر متعین کیا تھا تاکہ اورنگ زیب عبور نہ کر سکے۔

میں اس کی خدمت میں حاضر ہوا اور مجھے شناخت کرکے وہ نہایت عنایت و مہربانی سے پیش آیا اور آیندہ جانیکے لئے مجھے پروانہ راہداری دیدیا۔ کیونکہ بغیر ایسے پروانہ کے کوئی شخص لاہور نہ جاسکتا تھا۔ میں شام کے چار بجے لاہور پہنچا جبکہ دارا دربار میں تھا۔ گاڑی کو چھوڑکر میں نے اپنا تھیلا کندھے پر ڈالا اور اپنی کمان و سات تیر لے کر میں داخل محل ہوا۔ جب میرے افسر برق انداز خاں نے مجھے دیکھا تو خیر مقدم کرکے محبت سے مجھے گلے لگایا۔ اور خوش خوش مجھے اُسی حالت سے شہزادہ کی حضور میں لے گیا۔ میں حسب معمول آداب بجالایا۔ دارا نے مجھے دیکھ کر اظہار خوشی کیا اور بحالت مسرت "شاباش شاباش" کہا اور اُس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پھر حاضرین کو

---

[۱] داؤد خاں قریشی حصار فیروزہ کا شیخ زادہ تھا۔ یہ دارا کو بھکر میں چھوڑکر براہ جیسلمیر اپنے مکان کو چلاآیا۔ اس کے بعد یہ اورنگ زیب کی طرف سے پٹنہ کا گورنر ہوا (۱۰۷۵ھ ۶۵-۱۶۵۹ء) ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۰-۷۱ء) میں یہ الہ آباد کا گورنر تھا۔ (ماثر الامرا)

مخاطب کرکے حسرت انگیز لہجہ میں کہنے لگا کہ " اس یورپین نوجوان فرنگی کی وفاداری پر خیال کرو جو نہ میرا ہم مذہب نہ ہم قوم اور نہ پرانا نمکخوار ہے۔ یہ میرا اُس وقت ملازم ہوا جب یہ جھگڑے شروع ہوئے۔ یہ کیسی وفاداری ہے اس پُرآشوب زمانہ میں میرے پاس پہنچا۔ اور اُن لوگوں نے جنکی عرصہ دراز تک میں نے پرورش کی اور معقول تنخواہیں دیں اپنی نمکحرامی اور بدخواہی کا اظہار کیا۔ اور جب مجھے اُنکی ضرورت ہوئی تو مجھے چھوڑ کر چلے گئے۔ جیسا تم سب نے دیکھا۔

اس گفتگو کے بعد دارا نے مجھسے اور اہل یورپ کے آنکی نسبت دریافت کیا۔ میں نے عرض کیا کہ راستہ کی دقتوں کی وجہ سے وہ آنے سے باز رہے ہیں جس وقت اُنہیں موقع ملے گا فوراً حاضر خدمت ہونگے۔ دارا نے مجھے ایک گھوڑا عنایت کرنے کا حکم دیا۔ جو فوراً لایا گیا مگر اُسے ناپسند کرکے دوسرا گھوڑا مرحمت فرمایا۔ بجائے اسّی روپیہ کے ایک سو پچاس روپیہ مری تنخواہ مقرر کردی۔ علاوہ اس کے پانسو روپیہ مع خلعت مجھے انعام دیا گیا۔ میں ایک مکان میں مقیم ہوا جس میں میرے یورپین دوست پہلے سے قیام کئے ہوئے تھے۔ اور یہ وہی تھے جو آگرہ میں میرے ساتھ رہتے تھے۔ اور محاصرہ سے پہلے وہاں سے چلے آئے تھے۔

دارا نے وقت ضائع نہ کیا اور اورنگ زیب کے مقابلہ کے لئے نیا لشکر بھرتی کرنا شروع کردیا تھا۔ اب تک تقریباً تیس ہزار سوار مختلف قوموں کے بھرتی ہو چکے تھے۔ جن میں مغل، سید، پٹھان شامل تھے۔ یہاں یہ تیاریاں ہو رہی تھیں کہ راجہ سروپ سنگھ[1] مع چار ہزار سواروں اور دس ہزار پیدلوں کے حاضر ہوا۔ اسے دارا نے بھرتی کرنیکے لئے روانہ کیا تھا۔ اس راجہ کا علاقہ کوہستان کشمیر کے متصل ہے۔ اس کے لشکر میں پندرہ ہزار سوار اور تین لاکھ پیدل سب کے سب راجپوت ہیں۔ دارا نے نہایت

[1] صحیح نام راج روپ معلوم ہوتا ہے جو راجہ جگت سنگھ راجہ مئو و پٹھان واقع نورپوری کا پسر تھا (مآثر الامرا) میری رائے میں پٹھان سے مراد پٹھان کوٹ ہے جو کشمیر کی سڑک پر نورپور سے ۱۲ میل ہے۔

منت وسماجت کے ساتھ اس سے مع اپنے لشکر کے ساتھ دینے کی درخواست کی تھی اور کہا تھا کہ جب انعام دینے کا وقت آئے گا تو اس کو فراموش نہ کیا جائیگا۔ اس کے علاوہ دارا نے اپنی بیگم کو راجہ مذکور کے زنانہ مکان میں اس لئے بھیجا کہ وہ راجہ سے اس درخواست کا اعادہ کرے۔ چنانچہ بیگم نے وہاں پہنچکر اسے کئی تحائف دیئے جن میں خصوصیت سے قابل ذکر ایک بیش قیمت مالا سے مروارید تھی۔ بیگم نے نہایت موثر الفاظ میں گفتگو کی اور اسے اپنا بیٹا کہکر مخاطب کیا۔ اور کہا کہ وہ اسے اپنے لڑکے سلیمان شکوہ کی برابر خیال کرتی ہے۔ بیگم نے ایک بات ایسی کی جو اس سے قبل خاندان مغلیہ میں کسی نے نہیں کی تھی۔ یعنی بیگم کی چھاتیوں میں چونکہ دودھ نہ تھا اس لئے اُس نے پانی سے اپنی چھاتیاں دھوکر وہ پانی راجہ کو پینے کے واسطے دیا۔ راجہ نے خوشی کے ساتھ اس پانی کو پی کر عہد کیا کہ وہ بھی ہمیشہ ایسی ہی اطاعت و فرمانبرداری کریگا جیسے کہ بیٹے کو کرنی چاہیئے لیکن اس کے ساتھ ہی راجہ نے یہ بھی ظاہر کیا کہ نئے آدمی بھرتی کرنیکے لئے اور جو آدمی بھرتی کرکے لائے گئے ہیں اُنکے اخراجات کے لئے روپیہ کی ضرورت ہے:-

دارا نے اس بات کو یقین کرکے دس لاکھ روپئے اُس کے حوالہ کردیئے۔ اور راجہ فوج بھرتی کرنیکے لئے اور جلد واپسی کا وعدہ کرکے اپنے ملک کو چلا گیا۔ جب اورنگزیب کو یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے راجہ کو ایک خط روانہ کیا جو اُسے دارا سے برگشتہ ہونیکے لئے کافی تھا۔

دارا نے جب سنا کہ اورنگ زیب ادھر آرہا ہے تو اُس نے سروپ سنگھ کو خط پر خط لکھے کہ اب بلاتامل یہاں آنا چاہیئے۔ کیونکہ تمہاری امداد کا وقت قریب ہے۔ لیکن اُس نے ان خطوں کا کوئی جواب نہیں دیا۔ اور روپیہ لیکر اپنے علاقہ میں بیٹھا رہا۔ اور جو امیدیں دارا کو اس راجہ سے تھیں وہ منقطع ہوگئیں۔ اورنگ زیب چاہتا تھا کہ کوئی وفادار اور نمک حلال افسر دارا کے پاس نہ رہے۔ اس لئے اُس نے داؤد خاں کو جو بجد اپنے

آقا کا خیر خواہ و جان نثار تھا الگ کرنے کی ترکیب شروع کی اور چاہا کہ وہ اُس کی ملازمت قبول کرے۔ چنانچہ اُس نے اس غرض کے لئے اپنے پیام بر دریائے بیاس کے اُس گھاٹ پر روانہ کئے جہاں یہ متعین تھا۔ انہوں نے طرح طرح سے داؤد خاں کو اورنگ زیب کی ملازمت قبول کرنے کی ترغیب دی مگر یہ وفاداری میں ایسا ثابت قدم تھا کہ اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ دارا کے فائدہ کے لئے اُسے اپنی جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں اور کسی طرح وہ اُسے نہیں چھوڑ سکتا۔

جب اورنگ زیب کی یہ تدبیر کارگر نہ ہوئی تو اُس نے یہ چال چلی کہ داؤد خاں کی طرف سے اپنے نام ایک جعلی خط تیار کرایا جس میں تحریر تھا کہ "پہلے موقع پر میں اُس وعدہ کو ایفا کرونگا جو میں نے حضور سے کیا ہے اور خلاف وعدہ نہ ہوگا" اورنگ زیب نے ایسا انتظام کیا کہ یہ خط دارا کی نظر سے گذر جائے۔ خط مذکور دیکھکر دارا نہ صرف داؤد خاں سے بلکہ تمام افسروں سے بدظن ہوگیا اور اس نے خیال کیا کہ یہ سب اورنگزیب کے زیر اثر ہیں۔ اب داؤد خاں کے ساتھ دارا کا وہ طرز عمل نہ رہا جو پہلے تھا۔ اور اُسے معلوم ہوگیا کہ شہزادہ حضور اُس کی طرف سے مشتبہ ہے۔ لہذا اس نے دارا کے قدموں پر سر رکھ کر اپنی تلوار اُس کے سامنے رکھ دی اور عرض کیا کہ اگر حضور عالی کو میری وفاداری میں کچھ شبہ ہوا ہے تو حکم دیا جائے کہ یہ فدوی بندگان عالی اور حضور کی اہل و عیال کی حمایت میں اپنی جان نثار کردے۔ یہ سُن کر دارا کو یقین ہوگیا کہ وہ خط جو اُس نے دیکھا مصنوعی اور جعلی تھا۔ کچھ دنوں کے بعد اورنگ زیب نے پھر ایک خط داؤد خاں کے نام لکھا جسکا مضمون یہ تھا کہ "اپنا وعدہ پورا کرنے میں تم نے کیوں اس قدر دیر کی۔ حالانکہ تم نے نہایت وثوق سے وعدہ کیا تھا کہ بہت جلد دارا کا سر پیش کیا جائیگا۔ اس تاخیر کا سبب میری سمجھ میں نہیں آیا" یہ خط بھی دارا تک پہنچ گیا۔ جیسا کہ انتظام کیا گیا تھا۔ اس کے دیکھتے ہی دارا کے دل سے داؤد خاں کا تمام اعتماد رخصت ہوگیا۔ دربار میں حاضر ہونے کی ممانعت

کر دی گئی اور عہدہ سے برطرف کیا گیا۔ تمام آدمی اُسے مشتبہ نظر سے دیکھتے تھے۔

ان مشکلات میں پھنسا ہوا گھبرا کر اور یہ معلوم کرکے کہ اورنگ زیب بطور یلغار آرہا ہے دارا نے کابل و ایران جانے کا ارادہ کیا تاکہ وہاں سے کمک حاصل کرے۔ اُس نے اس غرض سے مہابت خان حاکم کابل اور پہاڑی افغانوں کے پاس سفیر روانہ کیا کہ وہ اُسے ایران جاتے وقت اپنے ملک سے گذر جانے دیں۔ مگر دارا کا ارادہ صرف گذرنا نہیں تھا بلکہ اُس ملک پر قابض ہونے کا قصد تھا اور اسی لئے اُس نے اپنی قوت زیادہ کی تھی۔ مہابت خان کو پہلے جھگڑے یاد تھے جیسا کہ ذکر ہو چکا۔ اُس نے جواب دیا کہ ان پہاڑی افغانوں کا کچھ اعتبار نہیں لہذا آپ دوسرا راستہ تجویز فرمائیں۔ دارا ایسا بے عقل نہ تھا جو مہابت خان کا مطلب نہ سمجھتا۔ اب اُس نے دوسرا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ وہ توپ خانہ اور سامان جنگ جو شاہجہان کے حکم سے قلعہ قندہار مفتوح کرنیکے لئے جمع کیا گیا تھا کشتیوں پر بار کیا جائے۔ اور تمام دولت و خزانہ جس قدر وہ لیجا سکتا تھا اور لاہور میں موجود تھا۔ اور قلعہ بھکر کی مضبوطی کے لئے جو سامان درکار تھا وہ بھی کشتیوں پر رکھا گیا۔ اُسے یہ بات معلوم تھی کہ اورنگ زیب روز بروز نزدیک آتا جاتا ہے۔ اُس کے پاس نہ تو مقابلہ کے لئے کافی لشکر تھا اور نہ افسروں کا اعتبار تھا۔ لہذا دارا نے اُس فوج اور توپ خانہ کو واپس طلب کر لیا جو دریائے بیاس کے گھاٹ کی حفاظت کر رہا تھا۔ اور بارود کے ذخیرہ کو آگ سے اڑا کر آخر اکتوبر ۱۶۵۶ء[۱] (صحیح ۱۶۵۸ء) میں وہ لاہور سے روانہ ہوا۔ وہ اپنے ہمراہ تمام اہل و عیال اور آٹھ ہزار سوار لیکر ملتان کی طرف چلا جو دریائے راوی پر آباد ہے اور یہ وہی دریا ہے جو لاہور کے نیچے بہتا ہے۔ لاہور سے ملتان دس روز کی راہ ہے۔

بوجہ چند کاموں کے میں دارا کے ہمراہ نہ گیا بلکہ تیسرے روز روانہ ہونیکا قصد کیا۔

دوسرے دن میں توپ خانہ کے افسر دوم کے دروازہ کے سامنے سے گذرا۔ جو

[۱] دارا لاہور سے ۲۹ ذی قعدہ ۱۰۶۸ھ (۲۸ اگست ۱۶۵۸ء) کو روانہ ہوا۔ (عالمگیر نامہ)

ترکی النسل مسمی بہ رومی خاں تھا۔ اور اُس وقت تیاری سامان سفر اور آدمیوں کے بھرتی کرنے میں مصروف تھا۔ چند توپیں بھی تھیں جنہیں وہ اپنے ہمراہ لیجانا چاہتا تھا۔ مجھے دیکھ کر اُس نے بُلایا اور گھوڑے سے اُترنے کے لئے کہا اور دریافت کیا کہ میں کہاں جا رہا تھا۔ میں نے جواب دیا کہ کچھ چیزیں متعلق سامان سفر لینے کے لئے جا رہا ہوں۔ مجھے بٹھا کر افسر مذکور نے کہا کہ وہ بھی آج ہی روانہ ہو رہا ہے۔ مجھ سے بھی اسباب لانیکے لئے کہا تا کہ میں بھی اُس کے ہمراہ چلوں۔ مجھے خیال ہوا کہ اسے میرا اعتبار نہیں ہے۔ اور میں نے یہ رائے قایم کی کہ میرا اس طرح اس کے ساتھ جانا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ مجھے جبراً لایا ہے۔ اور یہ میری شان کے خلاف ہوگا۔ لہذا میں نے اُس سے بہ نرمی کہا کہ مجھے مکان جانے کی اجازت دیجے تاکہ میں اپنی نقدی لیکر اپنے ذمہ کا قرضہ ادا کردوں اور اپنی تمام چیزوں کو ایک جگہ جمع کرکے رکھ دوں اس کے بعد میں یہیں واپس آکر ہمراہ چلنے کے لئے موجود رہوں لیکن جاہل ترک نے میرے التماس پر توجہ نہ کی اور نہ مجھے جانے کی اجازت دی۔ میں نے یہ ارادہ کرلیا کہ اگر یہ اجازت نہ دے تو اُسے مار ڈالوں مجھے کوچ کرنیکے لئے مجبور نہیں کرسکتا کیونکہ میں دارا کا نیکنام ملازم تھا اور بغیر کسی عذر اور دیر کے اُسکے لشکر سے ملحق ہونا چاہتا تھا۔ میں نے اُس سے صاف صاف کہہ دیا کہ جو عنایتیں میرے حال پر دارا نے کیں ہیں اُنکا میں اس قدر مشکور ہوں کہ کوئی موقع فروگذاشت کرنے کے بجائے میں اپنے آقا کے لئے اپنی جان قربان کرنا بہتر خیال کرتا ہوں۔ اگر افسر کو میرا یقین نہیں تو بیس سوار میرے مکان تک جو قریب ہے۔ ہمراہ کردے اور میں انہیں کے ہمراہ واپس آ جاؤنگا۔ خدا مجھ پر مہربان تھا کہ ترک نے میری یہ استدعا منظور کرلی اور بیس سوار میرے ہمراہ کرکے اُن کو تاکید کردی کہ مجھے اپنے ہمراہ واپس لائیں۔

میں خوش خوش اپنے گھوڑے پر سوار ہوگیا اور رفتہ رفتہ اُسے تیز چلایا۔ ہر چند سوار مجھ سے آہستہ چلنے کے لئے کہتے رہے مگر میں نے کچھ پروا نہ کی۔ اُن سواروں نے

مجھے پکڑنے کے لئے گھوڑوں کو تیز کیا۔ اس سے مجھے بھی اشتعال ہوا۔ اور میں نے غصہ سے نظر کرکے تلوار پر ہاتھ ڈالا۔ وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گئے مگر میرا تعاقب نہ چھوڑا۔ حتیٰ کہ میں ایک دوست کے گھر میں گھس گیا اور یہ سوار دروازہ پر رہ گئے۔ میں نے اندر جاکر بندوق اُٹھائی جو ایک گوشہ میں رکھی ہوئی تھی اور باہر آکر اُن کو ڈرانے کیلئے فیر کیا۔ تلوار لیکر میں "مارومار" چلّانے لگا۔ وہ سوار میرے طرفداروں کی زیادہ تعداد خیال کرکے منتشر ہو گئے۔

ان سواروں کے چلے جانیکے بعد میں نے اپنے دوست کو گھوڑے پر سوار ہونے اور اپنے ساتھ چلنے کو کہا۔ کیونکہ جب یہ خبر اُس افسر کو پہنچے گی تو وہ ہمیں گرفتار کرنیکے لئے اور زیادہ سوار روانہ کریگا۔ اور اگر ہم یہاں ٹھیرے تو زیادہ نقصان ہوگا۔ مگر میرے دوست نے میری بات نہ مانی اور میں گھوڑے پر سوار ہوکر شہر سے باہر چلا گیا اور رات ہونے تک وہیں رہا۔ شب کو باطمینان اپنے مکان پر چلا آیا۔ میرا دوست گرفتار ہو گیا تھا جیسی میں نے پیشینگوئی کی تھی۔ صبح کو میں نے اپنا تمام اسباب جو ساتھ لیجانیکے ناقابل تھا اپنے دوسرے دوست کے یہاں رکھ دیا جس وقت میں گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہونیکو تھا تو پولیس کے سپاہیوں کا افسر آیا جو شراب کے نشہ میں چور تھا۔ یہ افسر کوتوال کے مزاج میں بہت درخور تھا۔ اس نے مجھے اور دارا کے ہمراہیوں کو گالیاں دینی شروع کیں۔ میں نے صبر و سکوت سے کام لیا خصوصاً اس لئے کہ دارا کی روانگی کے بعد یہاں کی حکومت تبدیل ہو جائے گی۔

میرے سکوت سے اُس کو اور جرأت ہوئی اور اسی طرح بکتا رہا۔ آخر غصہ کی وجہ سے میں بھی جامہ سے باہر ہو گیا اور ایک پتھر اُٹھا کر نہایت زور سے اُس کے مُنہ پر مارا جس سے اُس کے دونوں لب زخمی ہوکر دو دانت ٹوٹ گئے اور وہ زمین پر گر کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اپنا اسباب گھوڑے پر باندھکر اور چلنے سے پہلے بوجہ غصہ کے پانچ چار

لاتیں اسے اور لگائیں اور روانہ ہوگیا۔ میں اس بات سے قطعی لاعلم تھا کہ اس کے ملازم نے جاکر اسکے ماتحت سپاہیوں کو اس واقعہ کی خبر کردی ہے۔ چند قدم چلنے کے بعد میں نے تیس مسلح پیدل سپاہیوں کو دیکھا کہ میری تلاش میں اپنے افسر کا بدلا لینے آرہے ہیں میں نے اُن سے بچنے کے لئے واپس ہونا چاہا مگر پھر خیال کیا کہ اگر اور سپاہی وہاں ہوئے تو اُن سے کیسے بچ سکتا ہوں۔ لہذا میں نے تلوار ہاتھ میں لیکر گھوڑے کو تیز کیا اور اُن کے درمیان سے گذرا۔ وہ مجھے غضبناک دیکھ کر میرے ارادہ سے آگاہ ہو گئے اور انہیں مجھ پر حملہ کرنے کی جرات نہ ہوئی سوائے اسکے کہ اُن سب نے مجھے سلامی دی دور تک وہ میرے پیچھے اس امید پر آئے کہ جو اور سپاہی مری تاک میں آگے ہیں اُنسے امداد لیکر مجھ پر حملہ کریں۔ مگر آگے جو سپاہی تھے اُن کے ساتھ بھی یہ ہی ہوا جو اس سے پہلے سپاہیوں کے ساتھ ہوا تھا۔ غرض یہ سپاہی شہر کے ناکہ تک میرے ساتھ آئے جہاں سے میں نے اپنی راہ لی۔

تین روز کے بعد میں دارا کے لشکر میں پہنچا جہاں مجھے وہی افسر ملا جو بجبر مجھے لیجانا چاہتا تھا۔ میں نے اُس سے کہا کہ میں شہزادہ سے تمہاری شکایت کرونگا کہ محض تمہاری وجہ سے اور دیر میں نہ آئے۔ میرے ساتھ جو خراب برتاؤ کیا گیا اُس کو دیکھکر وہ بیبس رہ گئے۔ نزک نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ مجھے گلے لگا لیا اور کہا کہ آپ اپنی طرف خیال کرکے مجھے اپنا خاص نیازمند تصور کریں۔

ہم شروع نومبر تک کوچ کرتے رہے یہاں تک کہ ہم ملتان پہنچے جو ایک پرانا شہر ہے۔ زمانہ قدیم میں پرتگیزوں کے مغربی سمندروں کے مالک ہونے سے پیشتر یہاں تجار کے قافلے مصالحہ جات اور ہندوستانی ادویات لیکر آیا کرتے تھے۔ ہمارے ساتھ داؤد خاں بھی تھا جسے دارا کی نمک حلالی اور خیر خواہی نے وہاں نہ رہنے دیا۔ اور وہ اسی دلسوزی و وفاداری کے ساتھ فرائض انجام دیتا تھا جیسے پہلے دیا کرتا تھا۔ اگرچہ

بوجہ اورنگ زیب کے مصنوعی خطوط کے دارا کو مطلق اس کا اعتبار نہ تھا۔ ملتان کے باشندوں کو مغالطہ دینے کی غرض سے دارا نے ملتان میں قیام کرکے فوج بھرتی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ اُس نے اُن مکانات کی بھی مرمت کرانی شروع کی جس میں بزمانہ حکومت اورنگ زیب رہا کرتا تھا۔

اس نے بنی کاذب خواجہ بہاء الدینؒ[1] کی اولاد کو بلانے کا حکم دیا جن کی مسلمان بہت عزت کرتے ہیں۔ خواجہ بہاء الدین کا مقبرہ وسط شہر میں واقع ہے جس کا گنبد نیلے رنگ کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے یہ ایک قدیم عمارت ہے۔ دارا نے ان پیرزادوں سے استدعا کی کہ وہ دربار محمدیؐ میں سفارش کریں کہ اورنگ زیب پر اُسے فتح حاصل ہو اُنہوں نے دارا کو یقین دلایا کہ آنحضرتؐ کے دربار میں ضرور یہ درخواست پیش کی جائیگی اور بلاشک اس پر غور ہوگا۔ آج رات کو ایسا انتظام کیا جائیگا کہ دربار آنحضرت میں سب سے پہلے جاکر اول شہزادہ ہی کی درخواست پیش ہو۔

دوسرے روز صبح کو دارا نے اُنہیں جواب سُننے کے اشتیاق میں طلب کیا اُنہوں نے حاضر ہوکر ویسا ہی جواب دیا جیسا کہ اکثر مکار دیا کرتے ہیں۔ اور عرض کیا کہ "رات بھر ہم لوگ دربار رسول خدا صلعم میں حاضر رہے مگر چونکہ اورنگ زیب حضرت سے عرض و معروض کرتا رہا اس لئے ہمیں گفتگو کا موقع نہ ملا۔ مگر آج رات کو یقیناً آپ کی درخواست پیش کرنے کا موقع ہوگا۔ دارا نے اُنہیں پچیس ہزار روپیہ عطا کئے اور ایک بیش قیمت قبر پوش بہاء الدین کی قبر کے لئے بھیجا۔ دوسرے اور تیسرے روز بھی آکر اُنہوں نے یہی جواب دیا جب دارا کو اطلاع ہوئی کہ اورنگ زیب اُس کے تعاقب کے لئے لاہور سے روانہ ہوگیا

---

[1] شیخ بہاء الدین بن ذکریا بن قطب الدین بن کمال الدین ملتانی ایک مشہور ولی اللہ ہیں ۱۱۷۰ء میں پیدا ہوئے اور ۱۲۶۶ء میں وفات پائی۔ انکے فرزند صدر الدین نے ۱۳۰۹ء میں انتقال کیا۔ مسلمان انہیں ہرگز نبی نہیں جانتے بلکہ فرقہ اہلسنت والجماعت انہیں صرف ولی اللہ مانتے ہیں۔

تو اُسے اس نبی کاذب کا اعتقاد نہ رہا۔ اور ملتان سے روانہ ہونے کو مناسب خیال کیا اس نے حکم دیا کہ تمام کشتیاں جن کی تعداد پانسو تھی قلعہ بھکر چلنے کے لئے مہیا کی جائیں۔ ان پر سامان ضروریات وجنس کے علاوہ آٹھ بڑی توپیں بھی رکھیں گئیں جن میں تیس سیر سے لیکر پچاس سیر تک کے گولے چل سکتے تھے۔ ان کے علاوہ چھوٹی توپیں اور ضروری سامان جنگ بھی بار کیا گیا۔ ہر کشتی پر کم وبیش دو ہزار آٹھ سو من بوجھ لدا ہوا تھا۔

جبکہ دارا کوچ کرنے کی تیاریاں کر رہا تھا اورنگ زیب نہایت تیزی اور عجلت سے اس کے تعاقب میں لشکر کا بہترین حصہ لیکر آرہا تھا۔ وہ بہت کم قیام کرتا تھا اور شب وروز برابر کوچ کرتا۔ یہ لشکر دارا کی قلیل فوج کو شکست دینے کے لئے کافی تھا۔ اورنگ زیب نے بقیہ لشکر پیچھے چھوڑ دیا اور اُس کو بھی برابر چلنے کا حکم دیدیا تھا۔ یہ حالات سُن کر دارا نے یہاں سے حرکت کرنے کا ارادہ کیا۔ اور اپنے خواجہ سرا بسنت کی سرکردگی میں کشتیوں کی روانگی کا حکم دیا اور خود دارا پانچ ہزار سوار اور پانچ ہزار پیدل ہمراہ لیکر مع برق انداز خاں براہ خشکی روانہ ہوا۔ مثل اُن افسروں کے جو ملتان میں تنخواہوں کی بڑی بڑی رقمیں لیکر علیحدہ ہوگئے تھے یہاں بھی اکثر افسر اُسے چھوڑ کر چلے گئے۔

سب سے زیادہ تعجب انگیز داؤد خان کی وفاداری تھی جو دارا کے لشکر سے کچھ روز برابر ساتھ آرہا تھا۔ اُس نے صاف طور سے دارا کو پیام بھیجا کہ اُس کی ذات پر اعتماد کرنا چاہئے وہ صرف ساتھ رہنا چاہتا ہے تاکہ جب موقع ہو وہ وفاداری کے محضر پر اپنے خون سے مہر لگانے کے لئے تیار رہے۔ اور شہزادہ کو ہرگز اُن مصنوعی خطوط پر یقین نہ کرنا چاہئے جو اُس کی نظر سے گذرے ہیں۔ اس پر دارا نے اس کو یہ جواب دیا کہ اگر وہ اپنے دعوے میں صادق اور فرماں بردار ہے تو میرا ساتھ چھوڑ کر دہ اپنی راہ لے۔ اس وقت سے داؤد خاں نے سمجھ لیا کہ اب دارا کے ساتھ رہنا بیکار ہے اور اُس نے پھر یہ پیام بھیجا کہ وہ تعمیل حکم کرنیکے لئے موجود ہے مگر اُس کی علیحدگی کا تحریری

حکم روانہ کیا جائے۔

دارا نے فوراً کاغذ پر یہ لکھ کر بھیجدیا کہ "میں داؤد خاں کو برخاست کرتا ہوں اور اُسے حکم دیتا ہوں کہ وہ میرے لشکر سے جاکر جہاں چاہے نوکری کرلے"۔ جبکہ جھوٹ بات سچ خیال کرلی جائے تو جو کچھ بھی ہو وہ تھوڑا ہے۔ اُن خرابیوں کا انجام سوچے بغیر جو پیش آنے والی تھیں دارا نے داؤد خان کی نسبت غیر منصفانہ اور غلط خیال قائم کیا۔

داؤد خان کو یہ تحریر شہر اوچھ[۵] میں ملی اُس کو دیکھ کر وہ اس طرح مثل بچوں کے چلا چلا کر رو یا کہ دیکھنے والوں کو بھی رحم آتا تھا اور کہنے لگا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نحوست و بدقسمتی دارا کے قدموں کے ساتھ ہے۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہوگیا۔

اورنگ زیب کو ملتان پہنچکر جب یہ حال معلوم ہوا تو اُس نے کچھ لشکر یہاں سے دارا کے تعاقب میں اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا کہ جہاں کہیں دارا ملے اُسے گرفتار کرلیا جائے اور جہاں کہیں جائے وہیں تعاقب کیا جائے۔ اس کے بعد اُس نے داؤد خاں کے پاس اظہار نوازش کی غرض سے خط بھیجا اور بڑی تنخواہ دینے کا وعدہ کیا۔ داؤد خان نے اس شرط کے ساتھ ملازمت کرنے کا اقرار کیا کہ دارا کے مقابلہ میں اُسے اسلحہ استعمال کرنے کا حکم نہ دیا جائے۔ اورنگ زیب نے اس شرط کو منظور کرکے اپنی قدردانی کا ثبوت دیا۔ اور اس کے عہد سلطنت میں یہ بڑے بڑے ذمہ داری کے عہدوں پر رہا۔

ہم برابر کوچ کرتے رہے اگرچہ رسد کی کمی اور بعض جگہ پانی کی قلت سے تکلیف ہوئی۔ جنگلوں سے گذرتے ہوئے ہم قلعہ بھکر کے مقابل پہنچے جو دریائے سندھ پر

---

[۵] دارا ۸ محرم ۱۰۶۹ھ (۴ اکتوبر ۱۶۵۸ء) کو اوچھ میں تھا اور تین روز یہاں مقیم رہا۔ اُسی وقت داؤد خاں روانہ ہوا۔ (عالمگیرنامہ)

بنا ہوا ہے۔ ملتان سے ایک سو تیس فرسخ کے فاصلہ پر یہاں ساتوں دریا مل گئے ہیں یہاں ہم نے بسنت خواجہ سرا کو بڑی توپیں اور سامان جنگ کشتیوں سے اتارتے ہوئے پایا جو اس قلعہ کے لئے لایا گیا تھا۔ اسی اثنا میں دارا کو معلوم ہوا کہ اورنگ زیب کا لشکر بہ ماتحتی بہادر خاں تعاقب میں آرہا ہے اور بہت قریب پہنچ گیا۔ یہ دیکھ کر کہ وہ اس لشکر کا مقابلہ نہیں کرسکتا اُس نے حکم دیا کہ دو ہزار منتخب پٹھان، سید، مغل، راجپوت سوار مع بائیس یورپین اور دیگر ملازمین کے بعجلت قلعہ پر قابض ہو جائیں۔ بسنت خواجہ سرا افسر مقرر کیا گیا۔ بقیہ لشکر کو یہ حکم ہوا کہ دریا کے دوسری طرف جاکر تمام کشتیاں اپنے تصرف میں لے آئے تاکہ دشمن دریا عبور نہ کرسکے۔

جب مجھے ان احکامات کا علم ہوا تو میں نے دارا کی خدمت میں حاضر ہو کر اُسکے ساتھ چلنے کی استدعا کی۔ دارا نے محبت آمیز الفاظ میں یہ جواب دیا کہ "تم میں سے ہر ایک کو ہمراہ لیا جاتا مگر قلعہ کو مستحکم کرنے کی سخت ضرورت ہے اور تم سب کی شجاعت و وفاداری پر بھروسہ کرکے قلعہ میں چھوڑا گیا ہے۔" میں نے عذر کرکے پھر اپنی درخواست کی تجدید کی اور جدائی کے رنج سے رو کر عرض کیا کہ "حضور سب کو قلعہ میں چھوڑ دیں مگر یہ فدوی ہمراہ رکاب رہے گا۔" دارا نے خندہ روئی و خوش خلقی کے ساتھ پھر یہی جواب دیا کہ مناسب تو یہی تھا کہ ہم سب قلعہ میں رہتے کیونکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے یہ جگہ بہت موزوں ہے اور اس میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو مجھے مثل جان کے عزیز ہیں۔" ایسے ہی محبت آمیز الفاظ کہکر اُس نے مجھے وہاں سے روانہ کیا۔

میں جدائی کے رنج سے روتا ہوا وہاں سے چلا۔ مگر دارا نے میری یہ حالت دیکھ کر مجھے پھر واپس طلب کرکے تمام یورپین پر مجھے کپتان مقرر کیا اور حکم دیا کہ مجھے پانچ ہزار روپیہ اُن یورپین کو تقسیم کرنیکے واسطے دیئے جائیں اور بجائے ڈیڑھ سو روپیہ کے مری تنخواہ تین سو روپیہ کردی۔ اُس نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اگر خدا نے بادشاہ کردیا تو وہ مجھے

اپنے دربار کا بڑا امیر بنائیگا۔ اور میرے ماتحتوں یوروپین کو بیش قرار انعام دیگا۔ جن کی وفاداری پر اُسے پورا بھروسہ ہے۔ پھر اس نے مجھے سراپا خلعت عنایت کیا اور ایرانی و کابلی شراب کی ایک کشتی بھری ہوئی مرحمت کرنیکا حکم دیکر خواجہ بسنت سے میری اور تمام یورپین کی خبرگیری کی تاکید کرکے خاص طور سے مری سفارش فرمائی ہیں اور زیادہ آنسو بہاتا ہوا خواجہ سرا کے پاس قلعہ میں چلا گیا۔ اور دارا مع کشتیوں کے اُدہر روانہ ہوا۔ دارا کی روانگی کے بعد فوراً ہم نے دشمن کے نقارہ فوج کی آواز سُنی۔ اور معلوم ہوا کہ اورنگ زیب نہایت جلدی کے ساتھ ملتان سے بسمت آگرہ روانہ ہوگیا۔ اُسے یہ خوف ہوا کہ سلیمان شکوہ کوہستان سری نگر سے نہ آتا ہو۔ اورنگ زیب کے ملتان سے روانہ ہونے کی صرف یہی وجہ نہ تھی بلکہ اُسے معلوم ہوا تھا کہ شاہ شجاع لشکر کثیر لیکر آگرہ پر قبضہ کرنیکے لئے آرہا ہے۔ اورنگ زیب یہ سُن کر بہت گھبرایا کہ ایسا نہ ہو کہ شاہ شجاع اُس کے پہنچنے سے پہلے آگرہ پہنچ جائے۔ اس لئے وہ اپنے لشکر سے دو تین فرسخ آگے صرف تین چار سواروں کے ساتھ اور کبھی تنہا سفر کرتا تھا۔ اور اس سے اُسکی غرض یہ تھی کہ لشکر جو پیچھے آرہا ہے وہ جلدی چلے۔ اکثر ایسا اتفاق ہوا کہ چلتے چلتے وہ کسی درخت کے سایہ میں ڈہال پر سر رکھ کر تنہا بیٹھ گیا۔ اور بعد میں اُس کے ہمراہی آکر شامل ہوئے۔ اورنگ زیب اس عجلت سے جا رہا تھا۔ لاہور پہنچکر خلیل اللہ خان دغاباز کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور بلا تامل اپنے کل لشکر کے ساتھ روانہ آگرہ ہوا۔

اسی طرح ایک روز اورنگ زیب صرف پانچ سواروں کے ساتھ لشکر سے علیحدہ جا رہا تھا کہ کسی جنگل میں [illegible] سواروں کے نمودار ہوا جو اورنگ زیب کو تلاش کرتا پھرتا تھا۔

ناظرین کو واضح ہو کہ جیسا میں نے بیان کیا اورنگ زیب افسروں، عہدہ داروں سپاہیوں کو ان کے آقاؤں سے برگشتہ کرکے اپنی طرف طلب کرنے میں کبھی نہ

چوکتا تھا۔ اس نے راجہ جے سنگھ کو بھی ایسی ہی چال اور تدبیر سے سلیمان شکوہ سے علیحدہ کر دیا جیسا کہ بیان کیا گیا۔ جب اورنگ کو معلوم ہو گیا کہ راجہ نے سلیمان شکوہ سے ترک رفاقت کر دی تو اُس نے راجہ کو ایک دوستانہ خط لکھا جس میں بیحد اشتیاق ملاقات ظاہر کر کے ایک مشورہ کرنے کی ضرورت کا اظہار کیا۔ لیکن خط میں اس نے ملنے کے لئے کوئی خاص جگہ مقرر نہ کی تھی اس لئے راجہ اورنگ زیب کو تلاش کرتا ہوا الکھی جنگل میں پہنچا جہاں تنہا اورنگ زیب سے ملاقات ہوئی۔

اورنگ زیب اس حالت میں جبکہ پانچ سو آدمی ہمراہ تھے راجہ اور اُس کی فوج کو دیکھ کر سخت متردد ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اسے شاہجہاں سے ساتھ بہت خلوص ہے اور اسی لئے اسے اپنی جان کا خوف ہوا۔ اسی طرح جب راجہ کے افسروں نے اورنگ زیب کو اس غیر محفوظ طریقہ سے دیکھا تو راجہ کو اسے مار ڈالنے کی صلاح دی اور کہا کہ اگر راجہ نے ایسا کر کے شاہجہاں کو آزاد کر دیا تو تمام دنیا میں اُسکی شہرت ہو جائیگی اگرچہ اس کام کے لئے موقع بھی مناسب تھا مگر راجہ نے یہ منظور نہ کیا۔ مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ راجہ نے اس لئے پہلوتہی کی کہ یہ دارا سے کشیدہ خاطر تھا۔ اگر اس طرح راجہ شاہجہاں کو آزاد کر دیتا تو ناممکن تھا کہ دارا کو اس سے فائدہ نہ پہنچتا۔ اس نے ہمیشہ دارا کے ساتھ بُرائی کی جیسا کہ بیان ہوا۔

خوف و تردد کو چھپا کر اورنگ زیب براہ راست راجہ سے ملاقات کرنے چلا۔ ابھی راجہ فاصلہ پر تھا کہ اس نے ہاتھ سے قریب آنے کا اشارہ کیا اور زبان سے "راجہ جی راجہ جی" کہہ کر پکارنا شروع۔ جب راجہ نزدیک آ گیا تو اورنگ زیب نے اس طرح گفتگو کی کہ "مجھے تمہاری ملاقات کا بیحد اشتیاق اور ضرورت تھی جیسا میں نے اپنے خط میں تحریر کیا تھا۔ مجھے تمہاری ذات کی بہت حاجت ہے۔ تم سا عقل سلیم رکھنے والا، تجربہ کار، صاحب لیاقت میرا کوئی دوست نہیں جو اس بار کے

اُٹھانے میں میری مدد کرے جسکو خداوند عالم نے میرے کندھوں پر رکھ دیا ہے۔ دارا اب بے فوج و لشکر ہو گیا اور میں نے بہادر خاں کو اُس کے تعاقب میں روانہ کیا ہے جو انشاءاللہ بہت جلد اُسے قید کرکے میرے سامنے لائیگا۔ تمہاری عقل اور انجام بینی کی امداد سے میں آسانی سے اُس فرض کو ادا کرسکوں گا جو خدائے تعالیٰ نے میرے سپرد فرمایا ہے" اثنائے گفتگو میں اورنگ زیب نے اپنے گلے سے موتیوں کا ہار اُتار کر اور یہ کہہ کر راجہ کے گلے میں ڈال دیا کہ" یہ اُس محبت و خلوص کی نشانی ہے جو تمہاری طرف سے میرے دل میں ہے۔ سلیماں شکوہ کو چھوڑکر اور میرے پاس آنے سے جو احسان تم نے کیا ہے یہ اُس کے اظہار کی علامت ہے۔ میں تمہیں شہر دہلی کا حاکم مقرر کرکے پرگنہ سانبھر بطور جاگیر عطا کرتا ہوں۔ تم بلا تامل وہاں کو روانہ ہو جاؤ۔ کیونکہ اسی میں میری وقعت ہے۔" اورنگزیب نے راجہ کے ساتھ نہایت خلوص کا اظہار کیا کیونکہ اُسے دغدغہ تھا کہ شاہجہاں کی طرفداری اور محبت کی وجہ سے راجہ اُس کے ساتھ کوئی مکر یا دغا نہ کرے۔ جس کو راجہ نہایت آسانی سے کرسکتا تھا کیونکہ اُس وقت اورنگ زیب کے ساتھ بہت مختصر جماعت تھی۔ شاہ شجاع پر حملہ کرنیکے لئے اورنگ زیب عجلت سے ساتھ آگرہ کی طرف سفر کرتا رہا۔

صوبہ سانبھر جو اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ کو عطا کیا اُس سے سلطنت کو دس لاکھ روپیہ سے زیادہ بابت قیمت نمک وصول ہوتے تھے جو جھیل سے نکالا جاتا تھا۔ جو صوبہ اجمیر کے متصل واقع ہے۔

اب موقع ہے کہ دارا کے شکست کھانے کا حال بیان کروں۔ لیکن قبل اس کے یہ مناسب ہے کہ پہلے اس ملک کا کچھ حال لکھا جائے۔ واضح ہو کہ بھکر کے قریب سات دریا ملتے ہیں۔ ان میں پانچ دریا تو کوہستان سری نگر (کشمیر) سے نکلکر صوبہ لاہور کو سیراب کرتے ہیں۔ اسی لئے یہ صوبہ پنجاب کہلاتا ہے۔ ان دریاؤں کے یہ نام ہیں (۱) ستلج جس پر قصبہ لودہیانہ آباد ہیں۔ (۲) اس سے ۳۵ فرسخ کے فاصلہ پر دریائے

بیاس ہے۔ اس پر گوبندوال آباد ہے۔ (۳) بیاس سے ۳۵ فرسخ دریائے راوی ہے جو لاہور کے نیچے بہتا ہے۔ (۴) لاہور سے ۲۵ فرسخ دریائے چناب ہے اور اُس پر وزیر آباد آباد ہے۔ (۵) یہاں سے ۲۰ فرسخ دریائے بہٹ ہے اور اُس پر جہلم آباد ہے ان پانچوں دریاؤں میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اور جو شہر ان پر آباد ہیں وہ بندرگاہ کا کام دیتے ہیں یہ سب شہر صوبہ لاہور سے متعلق ہیں۔ چھٹا اور خاص دریا اٹک یا انڈس کہلاتا ہے۔ یہ ہندوستان کو کابل اور ایران سے الگ کرتا ہے اسکے مشرقی کنارہ ظفر آباد آباد ہے اور مغربی کنارہ پر اسکے مقابل اسی نام کا قلعہ ہے۔ جہاں ایران، تاتار، بلخ، سمرقند، بخارا، کاشغر، کابل اور دیگر ولایتوں کے قافلے قیام کرتے ہیں۔ پچاس ہزار ایک سو گھوڑے سالانہ علاوہ اونٹوں کے یہاں آتے ہیں۔ اور اکثر دں پر مختلف اقسام کے میوے، سردے ناشپاتی، سیب، انار، انگور، بہی وغیرہ اور خشک میوے کشمش، بادام۔ فندق اخروٹ وغیرہ بار ہوتے ہیں۔ یہ تمام چیزیں دریا کے پار سے ہندوستان میں بغرض فروخت لائی جاتی ہیں۔ اور سلاطین مغلیہ کو ان سے خاصی آمدنی ہوتی ہے۔

دریائے اٹک کے پار آگے چلکر تیس فرسخ دور ملک افغانان کے بلند پہاڑ ہیں اور اُن کے دامن میں شہر پشاور ہے جو فصیل سے محصور ہے۔ اس دریا کو عبور کرنیکے بعد اہل ہند اُن حقوق سے محروم ہو جاتے ہیں جو اُنہیں سرزمین ہندوستان میں حاصل ہیں یہ دریائے بہٹ سے ایک سو پچاس فرسخ اور ساتویں دریا نیلاب سے جسکا پانی نیلا معلوم ہوتا ہے آٹھ فرسخ ہے۔ قلعہ بھکر کے نزدیک یہ ساتوں دریا مل کر دریائے سندھ کہلاتا ہے اور نہایت زور سے بہتا ہے۔ یہ اُس صوبہ سے گذرتا ہوا جو اسی دریا کی وجہ سے سندھ کہلاتا ہے سمندر میں گر جاتا ہے جو یہاں سے زیادہ فاصلہ پر نہیں۔

ہمارے رخصت کرنے کے بعد دارا خشکی سے سندھی[ل] کو روانہ ہوا اور تمام کشتیوں کو

ل نوٹ صفحہ ۱۱۲ پر درج ہے۔

وہاں جمع رہنے کا حکم دیا۔ جب یہ وہاں پہنچا تو انہیں کشتیوں کے ذریعہ سے دریا کو عبور کر کے قصبہ سندہی میں پہنچا۔ اسکے بعد جس قدر کشتیاں مل سکیں اُن سب کو جمع کر کے اپنے قبضہ میں لیلیا تاکہ دشمن دریا عبور نہ کر سکے۔ بعدہ اُس نے ٹھٹھ کی جانب کوچ کیا جو یہاں سے آٹھ فرسخ ہے۔ آرام کرنے کے بعد یہاں چند روز دارا نے قیام کیا۔ بڑی تنخواہوں کے وعدے پر یہاں سے بھی فوج میں آدمی بھرتی کئے۔ یہاں کے دوران قیام میں اُس نے وہاں کسی یورپین پادری کی تلاش کی۔ اتفاق سے وہاں ایک برہنہ پا راہب مسمی بہ فیری پیٹرو ڈی سنٹا ٹری سا (Feri Petro de Santa Teresa) موجود تھا جس سے اصفہان میں میری ملاقات ہوئی تھی۔ یہ نہایت نیک اور صاحب علم ہونے کے علاوہ عربی، فارسی، ہندوستانی زبانوں سے واقف تھا۔ دارا نے اُسے بلا کر انجیل اور مذہب عیسوی پر گفتگو کی۔ راہب کے دلائل سنکر وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا اور پھر اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اُٹھا کر کہنے لگا کہ "اگر دنیا میں کوئی مذہب حق ہے تو وہ عیسائیوں کا ہے کیونکہ رومن اور مختلف ملکوں کے پادریوں سے میں نے اکثر گفتگو کی بالاتفاق سب کی گفتگو سے یہی ثابت ہوا کہ یہ بات کسی مذہب میں نہیں۔ ہندو، مسلمانوں، یہودیوں کے مذاہب میں بہت اختلافات ہیں"

پھر راہب سے کہنے لگا کہ "اے مہربان باپ! میں عیسیٰ مسیحؑ سے التجا کرتا ہوں کہ وہ مجھے بادشاہ بنادے۔ اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ خاص آگرہ میں حضرت بی بی مریم کا گرجہ تعمیر کراؤں گا اور تمام پادریوں کو گرجے بنانے اور آزادی سے تمام سلطنت میں انجیل کا وعظ کرنے کی اجازت دوں گا"

۵۱۔ دارا ۲۵ محرم کو بھکر پہنچا اور ۳۰ محرم سنہ ۱۰۶۹ھ (۲۳، ۲۸ اکتوبر سنہ ۱۶۵۸ء) کو وہاں سے روانہ ہوا۔ پہلے اُس نے قندھار کا ارادہ کیا مگر پھر وہ ٹھٹھہ ۲۶ صفر (۲۳ نومبر سنہ ۱۶۵۸ء) کو پہنچا۔ (عالمگیر نامہ)

چند روز بعد دارا نے چھ ہزار سوار اور کافی زر نقد لیکر مع اہل و عیال کے کوچ شروع کیا اور راجہ کھنجن[1] گرا کے علاقہ سے گذر کر گجرات کی طرف چلا۔ جب اورنگ زیب کو معلوم ہوا کہ دارا بجائے ایران کے صوبہ گجرات میں نیا لشکر فراہم کرنیکے واسطے آ گیا تو اُس نے دارا کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لئے ایک نئی تدبیر ایجاد کی۔

اورنگ زیب نے اپنے دوسرے فرزند سلطان معظم (جو اب شاہ عالم کے نام سے مشہور ہے) کو خط لکھا جو اُس وقت اورنگ آباد میں تھا اور ہدایت کی کہ وہ بغاوت کا بہانہ کر کے فوج بھرتی کرنا شروع کر دے۔ اور یہ مشہور کرے کہ اس سے اُس کا منشا اپنے دادا شاہجہاں کو آزاد اور با اختیار کرنا ہے۔ اس کے بعد دارا کو اپنا طرفدار بنانیکے لئے لکھے اور خواہش کی جاے کہ دونوں مل کر اورنگ زیب کا مقابلہ کریں۔ جب دارا آئے تو یا اُسے زندہ گرفتار کر لیا جائے اور یا قتل کر کے جھگڑا مٹا دو۔ دارا اگرچہ صاحب عقل نہ تھا مگر تجربہ نے اُسے بہت کچھ تعلیم کر دیا تھا۔ اس چال کو سمجھ گیا اور سوا سے معظم کا مذاق اُڑانیکے اُس نے کچھ توجہ نہ کی۔

دارا نے گجرات میں داخل ہو کر شہر احمد آباد پر قبضہ کر لیا۔ جیسے اکبر نے سلطان بہادر وہاں کے حاکم سے چھینا تھا (جیسا پہلے بیان ہوا) اُس وقت وہاں کا حاکم شاہ نواز خاں[2] اورنگ زیب کا خسر تھا۔ دارا کے قلیل لشکر کا مقابلہ کئے بغیر اُس نے شہر حوالہ کر دیا۔ اُس نے یہ خیال کیا کہ بہ حیثیت ملازم ہونیکے اُسے یہ امر کسی طرح مناسب نہیں کہ بحالت حیات بادشاہ وہ کسی شہزادہ یا وارث سلطنت کا مقابلہ کرے۔

---

[1] غالباً اس سے مراد کچھ ہے۔ کیونکہ ۱۱ ربیع الاول ۱۰۶۹ھ (۲۶ دسمبر ۱۶۵۸ء) کو دارا صحرائے چول میں پہنچا جو راناکچھ سے تعلق تھا اور پھر کچھ کو گیا۔ (عالمگیر نامہ)

[2] مرزا بدیع الزماں صفوی مخاطب بہ شاہ نواز خاں کی دختر سے سنہ ۱۰ جلوس شاہجہاں (۳۸-۱۶۳۷ء) میں اورنگزیب کی شادی ہوئی۔ ۲۹ جمادی الثانی ۱۰۶۹ھ (۲۴ مارچ ۱۶۵۹ء) کو وہ جنگ اجمیر میں مارا گیا۔ (مآثر الامرا)

شاہ نواز خاں قدیم شہزادگان مشہد واقع ایران کی یادگار تھا اور عمدہ کھانوں و عیش و عشرت کا دلدادہ تھا۔ اس نے قلعہ سے باہر آکر دارا کا استقبال کیا اور اپنی خدمات پیش کیں۔ یہ ایک واقعہ ہے جسے میں آیندہ بیان کرونگا کہ اس نے صوبہ اجمیر میں دارا کی محبت میں اپنی جان دی۔ اگرچہ بعض مورخین کا یہ قول بھی ہے کہ دارا کا مخالف تھا جبکہ صوبہ گجرات میں دارا لشکر فراہم کر رہا تھا یہاں دشمن نے نہایت سختی سے قلعہ بھکر کا محاصرہ کیا جہاں ہم مع اپنے سردار خواجہ سرا کے مقیم تھے۔ کوئی شخص نہ تو قلعہ سے باہر آسکتا تھا اور نہ کوئی قلعہ میں داخل ہوسکتا تھا۔ یہ قلعہ[۵] دریائے سندھ کے درمیان میں ایک چٹان پر بنا ہوا ہے جس کے پتھر بند وقتوں میں چقماق کا کام دیسکتے ہیں۔ یہ ۵۰۹ قدم لمبا اور ۲۵۵ قدم چوڑا ہے۔ درمیان میں ایک مینار بنا ہوا ہے جس سے دریا کے دونوں کنارے نظر آتے ہیں۔ اس سے مغرب کی طرف قصبہ سکھر اور جانب مشرق قصبہ روہری آباد ہے۔ قلعہ سے تھوڑی دور شمال کی سمت ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے جسے خواجہ خضر کہتے ہیں اور جس میں ایک مقبرہ بنا ہوا ہے جس کی مسلمان بہت تعظیم کرتے ہیں۔

ہم بخوبی محفوظ تھے ہمارے پاس پورا توپ خانہ اور کافی سامان جنگ مع سونے چاندی و جواہرات و اسباب کے موجود تھا۔ علاوہ اس کے دارا نے اپنے ہمراہیوں میں سے چند بیگمات کو بھی یہاں چھوڑ دیا تھا جن میں سلیمان شکوہ کی بیگم اور اُسکے دو چھوٹے لڑکے بھی تھے جن سے دارا کو بہت محبت تھی۔ دارا کی یہ تجویز تھی کہ اگر وہ صوبہ گجرات میں کامیاب نہ ہوا اور اُسے شکست ہوئی تو قلعہ بھکر پناہ لینے کے لئے مفید ہوگا۔

---

[۵] بھکر ایک جزیرہ ہے جو ۸۰۰ گز لمبا اور ۳۰۰ گز چوڑا ہے جس پر یہ قلعہ بنا ہوا ہے۔ سکھر ایک قصبہ ہے جو بجانب مشرق یا داہنے کنارہ پر واقع ہے۔ روہری اسکے مقابل بائیں کنارہ پر ہے۔ مصنف نے بالکل اسکو برخلاف لکھا ہے۔

محاصرہ کے چند روز بعد دشمن نے اُن بڑی توپوں سے کام لینا شروع کیا جو کارخانہ لاہور میں دارا نے تیار کرائی تھیں اور وہیں چھوٹ گئی تھیں۔ ایسی عجلت کے ساتھ ہم لاہور سے روانہ ہوئے کہ ان توپوں کو ساتھ نہ لا سکے اور نہ دشمن نے ہمیں اتنا موقع دیا کہ انہیں کشتیوں پر بار کر دیں۔ ان توپوں کے ذریعہ سے دشمن نے ہمارا کافی نقصان کیا۔ واضح ہو کہ یہ سات دریا مل کر جو یہاں بہتے ہیں اور ابھی جن کا ذکر کیا گیا مشرق کی طرف ایک طپنچہ کی مار تک اور بجانب مغرب دو گولی کے ٹپے تک قلعہ مذکور کی دیواروں سے دور بہتے ہیں۔ اسی لئے ہمیں دشمن سے تکلیف پہنچی۔ ہم اپنی توپوں کے ذریعہ سے مستعدی کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتے رہے۔ دشمن کے توپخانہ کو زمین پر گرا دیا۔ قصبہ کو نقصان پہنچا کر بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا قلعہ سے باہر نکل کر کئی مرتبہ ہم نے اپنے توپخانہ سے دشمن پر حملہ کیا اور اُس کی خندقوں و مورچوں اور توپخانہ کو غارت و برباد کر دیا۔ ایک مرتبہ ہم نے چار بڑی توپیں اور کچھ اسباب لوٹ لیا۔ مکار خلیل اللہ خاں جسکے اہتمام سے یہ محاصرہ کیا گیا تھا اس بات پر مجبور ہوا کہ ہمارے مقابلہ کے لئے آدمیوں کی تعداد زیادہ کرے۔ مگر اس کی کچھ پروا نہ کر کے ہمارے افسر نے طلوع آفتاب سے پہلے چند کشتیوں پر بند وقچیوں کو بٹھا کر روانہ کیا جنہوں نے دشمن پر مختلف موقعوں سے حملہ کیا۔ دشمن ہر روز محاصرہ کنندہ فوج کی تعداد اُس وقت تک بڑھاتا رہا جبتک قلعہ خالی کیا گیا جیسا آئندہ ذکر ہوگا۔

جب اورنگ زیب کو خبر ملی کہ دارا صوبہ گجرات میں فوج بھرتی کر رہا ہے تو اُس نے اُس پر حملہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ کیونکہ شاہ شجاع کو آگرہ نہ پہنچنے دینا زیادہ ضروری تھا مگر وہ یہ سن کر بھی متردد ہوا کہ زیر حمایت راجہ سری نگر سلیماں شکوہ مع لشکر کوہستان سے اُتر کر اپنے باپ کا انتقام لینا چاہتا ہے۔ اس لئے اورنگ زیب نے خود بھی راجہ سری نگر کو خط لکھا جس میں بہت سے وعدے درج تھے۔ اور راجہ جے سنگھ و دیگر راجگان سے بھی اُسنے خطوط لکھائے جن میں راجہ سری نگر کو یہ صلاح دی گئی کہ

کسی بہانہ سے سلیمان شکوہ کو اس امر پر مجبور کرے کہ خاموشی کے ساتھ کو ہستان میں رہے۔

اسی اثنا میں اورنگ زیب شاہ شجاع کے نزدیک پہنچ گیا جو ایک چھوٹے موضع کجوہ[1] میں نہایت مضبوطی کے ساتھ مقیم تھا۔ یہ موضع تاڑ کے درختوں کے نزدیک ایک اچھی جگہ ہے اور میں نے اسے کئی مرتبہ دیکھا ہے۔ اُس نے دریاے گنگ کو عبور کر کے ایک بڑے تالاب پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔ یہ جگہ آگرہ سے ایک سو فرسخ کے فاصلہ پر ہے اورنگ زیب نے اپنا تمام اسباب وغیرہ ایک چھوٹی سی ندی کے اُس طرف چھوڑ کر شاہ شجاع پر حملہ کیا۔ شاہ شجاع کا توپخانہ نہایت عمدہ اور مناسب موقع پر مرزا جانی کی ماتحتی میں تھا اور بہت سے یورپین گولنداز اُس میں ملازم تھے۔ بہادری کے ساتھ اورنگزیب کا زبردست حملہ رد کیا گیا۔ اور شاہ شجاع کا لشکر کثیر و قوی ہونے کی وجہ سے اورنگزیب فتح نہ پا سکا۔ اور نہ اپنی امید کے موافق وہ شجاع کو دوسری جانب ہٹا سکا۔ اُسے بے ترتیبی سے ساتھ کئی مرتبہ واپس ہونا پڑا۔ شاہ شجاع نے اپنی جگہ نہ چھوڑی اور نہ کھلے میدان میں نکل کے اُس نے فوج کو خطرہ میں نہ ڈالنا چاہا۔ اس لئے اورنگ زیب اس بات سے متحیر تھا کہ وہ اُس پر کس طرح حملہ کرے۔ شاہ شجاع صرف مدافعت کرتا رہا۔ اورنگزیب واقف تھا کہ گرمی کی شدت[2] کی وجہ سے وہ زیادہ دیر تک میدان میں نہیں ٹھیر سکتا۔ اور اپنے لشکر کو آرام دینے کی غرض سے مجبوراً اُسے آگرہ کو لوٹنا پڑیگا اور ممکن نہیں کہ شاہ شجاع اُس کا تعاقب نہ کرے۔

اورنگ زیب نے ان خرابیوں پر غور کر کے چاہا کہ شاہ شجاع کو آرام لینے کا موقع نہ دیا جاوے۔ اب لڑائی کا رنگ بدلگیا کیونکہ قلعہ دولت آباد سے میر جملہ آگیا جس نے اس موقع پر اورنگ زیب کی بہت مدد اور خدمت کی۔

---

[1] یہ موضع ضلع فتحپور میں واقع ہے۔

[2] یہ مصنف کی یادداشت کی غلطی ہے کیونکہ یہ لڑائی جنوری میں ہوئی جبکہ زیادہ گرمی نہیں ہوتی۔

ایک روز اورنگ زیب اپنے خیمے سے نکلا اور ہوادار پر سوار ہوکر میدان جنگ کو ملاحظہ کرنے اور شاہ شجاع پر حملہ کرنے کا انتظام کرنیکے لئے چلا۔ راجہ جسونت سنگھ بھی اپنے خیمہ سے نکل کر آداب بجالایا اور قریب آکر اُس نے ایک ہاتھ سے ہوادار کا پایہ تھام لیا اور اورنگ زیب کے ساتھ ساتھ اپنے موقع تعیناتی کو دریافت کرتا ہوا چلا۔

اورنگ زیب کو وہ موقع پسند نہ آیا جہاں راجہ متعین کیا گیا تھا اور اُسے شبہ ہوا کہ راجہ دشمن سے ساز رکھتا ہے اس لئے موجودہ موقع سے راجہ کو عقب فوج میں تبدیل کر دیا اس پر راجہ اپنے گھوڑے پر سوار ہوکر فوراً چلا گیا۔ اورنگ زیب نے اس کی نسبت یہ رائے قایم کی کہ "جس قدر یہ راجہ شجاع و دلیر ہے اُسی قدر مجھے ناپسند ہے" تھوڑی دیر کے بعد خبر آئی کہ شاہ شجاع سے ساز کرکے راجہ نے عقب فوج پر حملہ کر دیا اور جو اسباب و خزانہ وغیرہ وہاں تھا اُسے لوٹ لیا۔ اس خبر سے اورنگ زیب بہت پریشان ہوا اور یہ اندیشہ ہوا کہ فوج کو راجہ اور شاہ شجاع کے مابین خط و کتابت کا شبہ ہوکر بد دلی نہ پیدا ہو جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ اکثر سپاہی بھاگ کر متفرق ہو جائیں گے۔ اورنگ زیب نے اپنی رائے پوشیدہ رکھی تاکہ راجہ کا اصل ارادہ معلوم ہو جائے۔

پھر یہ خبر پہنچی کہ راجہ تمام خزانہ اور جو چیزیں اُسے مل سکیں لیکر آگرہ کی طرف چلا گیا۔ میر جملہ سے جو اُسی روز آیا تھا اورنگ زیب نے اس معاملہ میں مشورہ کیا اور اپنے سپاہیوں کا دل بڑھانیکے لئے اُس نے حکم دیا کہ تمام ہندوؤں کو قتل کرکے اُن کا مال و اسباب لوٹ لیا جائے جسکی فوراً تعمیل کی گئی۔ اور کم و بیش ایک گھنٹہ تک یہ قتل جاری رہا اس سے سپاہیوں کی ہمت بڑھ گئی کیونکہ ایک شخص نے بھی اس قتل کے وقت مزاحمت نہ کی۔ میر جملہ کی رائے کے موافق اورنگ زیب نے الہ وردی[۵] خان کو ایک

---

[۵] الہ وردی خان سلجوقی خاندان سے تھا۔ یہ جہانگیری امرا میں سے تھا۔ رجب ۱۰۶۹ھ (۲۸ اپریل ۱۶۵۹ء) میں یہ اور اسکا ایک بیٹا سیف اللہ خاں مقام اکبر نگر (راج محل) شاہ شجاع کے حکم سے قتل کیے گئے
(مآثر الامرا۔ مآثر عالمگیری۔ تاریخ محمدی)

مختصر خط لکھا جو شاہ شجاع کا مشیر خاص تھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "اگر تم مجھے ہندوستان کا بادشاہ بنانا چاہتے ہو تو دھوکہ دیکر کسی طرح اثنائے جنگ میں شاہ شجاع کو ہاتھی سے نیچے اتار دو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ میں اور تمہارے خاندانی اراکین کو جو میری طرفداری کریں گے بیش قرار انعام دونگا۔ مجھے قوی امید ہے کہ تم مجھے ناامید نہ کروگے"

اس ابتری کو دیکھکر جو عقب فوج پر راجہ کے حملہ کرنے سے اورنگزیب کے لشکر میں پیدا ہوگئی تھی شاہ شجاع نے اس موقع سے فائدہ اُٹھانا چاہا اور اتنا موقع نہ دیا کہ اورنگ زیب سپاہیوں کو یکجا کرکے پھر فوج کو مرتب کرسکے شجاع نے حملہ کردیا۔ اور ہمت کرکے نہایت دلیری سے ہراول فوج کو پس پا کرکے خود اورنگ زیب پر حملہ ور ہوا جو ہاتھی پر سوار تھا فیلبان تیر کھاکر مرگیا۔ اورنگ زیب ہاتھی کو قابو میں رکھنے کے لئے مجبور ہوا۔ ہاتھی پر تیروں کا مینھ برس رہا تھا اور وہ تکلیف کی وجہ سے اور چاروں طرف سے اپنے آپ کو گھرا ہوا دیکھکر بھاگنا چاہتا تھا۔ اس وقت اورنگ زیب شاہ شجاع کے تیروں کا نشانہ بن رہا تھا۔ ان مشکلات کو دیکھکر اورنگ زیب نے اپنا ایک پاؤں حوضہ سے باہر نکالا گویا وہ ہاتھی سے نیچے اُترنا چاہتا تھا حالانکہ وہ خود حیران تھا کہ اس وقت کیا کیا جائے۔ اُسے خود اپنی خبر نہ تھی کہ وہ کہاں ہے۔ میر جملہ کو جو بالکل نزدیک تھا اور مستعدی سے اپنے فرائض انجام دے رہا تھا جب اورنگ زیب کا منشا معلوم ہوا تو بلند آواز سے "قایم، قایم" چلاکر کہنے لگا کہ دارا نے ہاتھی سے نیچے اُترکر شکست کھائی۔ اُس نے یہ الفاظ اُس خط کے بھروسہ پر کہے تھے جو اللہ وردی خان کو روانہ کیا گیا تھا۔ اس وقت اورنگ زیب کئی مشکلات میں پھنسا ہوا تھا۔ اُسے اپنی گرفتاری کا خوف تھا اور خیال تھا کہ اب وہ دشمن کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا۔ لیکن یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اپنے ہاتھی پر قایم رہکر تمام تکلیفیں برداشت کرتا رہا۔ اُس لڑائی کے واقعات جو دارا سے سموگڑھ میں پیش آئی تھی اُس کے پیش نظر تھے اور یقین تھا کہ استقلال کے ساتھ ہاتھی پر بیٹھے رہنے سے

وہ ضرور مظفر و منصور ہوگا۔

اللہ وردی خان کے پاس جب اورنگ زیب کا خط پہنچا تو اس نے شاہ شجاع کے پاس آکر وہی چال چلی جو خلیل اللہ خان نے دارا کے ساتھ چلی تھی اور کہا کہ "حضور عالی فتح مبارک ہو۔ بس اب صرف بزدل اورنگ زیب کو گرفتار کرنا باقی ہے قبل اسکے کہ وہ فرار ہو۔ اس میں دیر کرنی مناسب نہیں۔ اگر حضور ہاتھی سے اُتر کر گھوڑے پر سوار ہو جائیں تو ایک حملہ میں ہم اپنے دشمن کو گرفتار کرلیں گے" اسی وقت سے فریقین کی قسمتیں پلٹ گئیں۔ شجاع اب تک فتحیاب اور اورنگ زیب فتح سے بالکل مایوس تھا۔ مگر اب اورنگ زیب مظفر و منصور ہوا اور شجاع کو شکست ہوئی۔

شاہ شجاع کو اگرچہ خبر تھی کہ دارا کو محض اس وجہ سے شکست ہوئی کہ وہ اپنے ہاتھی سے اُتر آیا تھا۔ مگر پھر بھی اُس نے اللہ وردی خان کے مشورہ پر عمل کیا اور گھوڑے پر سوار ہو کر اورنگ زیب پر حملہ کرنیکے ارادہ سے چلا۔ بدطینت و دغاباز اللہ وردی خاں بجائے اس کے کہ وہ شجاع کے ہمراہ ہوتا راستہ سے واپس ہوگیا اور لشکر میں پریشانی و بددلی پھیلانے کا باعث ہوا۔ ہر شخص سے شجاع کے خالی ہاتھی کو دکھا کر حال پوچھنا شروع کیا۔ جب سپاہیوں کی اُدھر توجہ ہوئی اور شجاع کا ہاتھی خالی نظر آیا تو سب کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ اور سب کو یقین ہوگیا کہ شجاع مارا گیا اس لئے سب نے بھاگنا شروع کر دیا۔ اور بعینہٖ وہی معاملہ پیش آیا جو دارا کے ساتھ ہوا تھا۔ اب جب شجاع نے یہ حالت دیکھی اور بہتری کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ بھی بھاگنے والوں کے ساتھ ہولیا اورنگزیب برابر اپنے ہاتھی پر بیٹھا رہا اور پانسو سواروں سے زیادہ اُس کے پاس نہ تھے اُس نے شاہ شجاع کو ہاتھی پر نہ دیکھ کر نقارۂ فتح بجا کر حملہ کر دیا۔ اس سے شجاع کی رہی سہی سپاہ بھی بھاگ گئی۔

شاہ شجاع شہر الہ آباد کی طرف چلا گیا۔ اور وہاں پہنچکر اُس نے اللہ وردی خان کو

خلاف کارروائی کرنی چاہی۔ جو نہایت اطمینان سے گویا اُس نے اپنے آقا کا بڑا کار نمایاں کیا ہے۔ شکست خوردہ فوج کے ساتھ مقیم تھا۔ الہ وردی خاں پابہ زنجیر شاہ شجاع کے سامنے لایا گیا۔ اُس کی دغابازی کا خیال آکر شجاع کو بہت غصہ آیا مگر بلا کوئی سوال کئے اپنے ہاتھ سے نیزہ مار کر اُسے قتل کر دیا۔ اور اس طرح یہ مکار کیفر کردار کو پہنچا۔

راجہ جسونت سنگھ یہ خیال کرکے کہ شاہ شجاع فتحیاب ہوگا آگرہ چلا آیا تھا اور چند روز یہاں مقیم رہا۔ مگر خلاف امید جب اُس کی شکست کی خبر پہنچی تو راجہ اپنے علاقہ کو روانہ ہو گیا۔ اس سے پہلے یہ افواہ اُڑی تھی کہ اورنگ زیب کو شکست ہوئی اور وہ مع میر جملہ قید ہو گیا اور شجاع انہیں پابہ زنجیر یہاں لا رہا ہے۔ شائستہ خان اس وقت آگرہ کا حاکم تھا اور اس سازش کی وجہ سے جو اُس نے کی تھی اپنی جان دینے پر آمادہ تھا۔ اور زہر کی گولیاں کھانے کے لئے اُس کے سامنے تیار رکھی ہوئی تھیں۔ اُسے یقین کے ساتھ امید تھی کہ جسونت سنگھ ضرور اُسے گرفتار کرنے آئیگا۔ اگر جسونت سنگھ صرف شہر میں داخل ہو جاتا تو بلا کسی دباؤ اور دقت کے شائستہ خاں اپنے ماتحت مرتضیٰ خان قلعہ دار کو قلعہ کے دروازہ کھولنے اور شاہجہاں کو قید خانہ سے آزاد کرنے کا حکم دیدیتا۔ کیونکہ اورنگ زیب کی شکست کی جو افواہ شہر میں اُڑ رہی تھی اُس سے اُس کے تمام آدمی نہایت پریشان تھے۔ ابتدائے جنگ میں اورنگ زیب کی فوج سے ایک آدمی بھاگ کر آیا اور وہی اس افواہ کا باعث ہوا جس سے شائستہ خان کے بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا۔ مگر اورنگ زیب کے اقبال نے جسونت سنگھ کو اس خفیف فعل سے روکا۔ چوبیس گھنٹے تک اورنگزیب کے خلاف خبریں مشہور تھیں اور ہر شخص کا خیال تھا کہ راجہ ضرور شاہجہاں کو قید سے رہا کریگا مگر راجہ کو اصل واقعہ کا علم تھا اس لئے اُس کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ راجہ نے واقعات حاضرہ کی بنا پر سمجھ لیا کہ کوئی اُس کا ساتھ نہ دیگا اور بذات خود وہ اورنگزیب کے فتحمند لشکر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس لئے وہ تعجیل کرکے اپنے علاقہ کو چلا گیا۔

اس بات کے خوف سے کہ جسونت سنگھ شاہجہاں کی طرفداری میں کوئی حرکت نہ کر بیٹھے اورنگ زیب نے اگرہ پہنچنے میں جلدی کی اور یہ کافی سمجھا کہ میر جملہ مع لشکر شاہ شجاع کے تعاقب میں روانہ ہو۔ چنانچہ اُس نے میر جملہ کو ہمیشہ کے لئے صوبیدار بنگالہ مقرر کیا۔ (جس پر اُس کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا فایز ہوا) اور لشکر کا سپہ سالار اعظم مقرر کر کے بہ نظر مصلحت سلطان محمد اپنے فرزند کو اُس کا ماتحت مقرر کر کے ہدایت کی کہ شاہزادہ میر جملہ کے احکامات کی تعمیل کرے۔ یہ انتظام اگرچہ سلطان محمد کو ناگوار ہوا مگر دل میں پوشیدہ رکھ کر موقع کا منتظر رہا۔

شاہ شجاع نے شہر اور قلعہ الہ آباد میں پناہ لی اور اُس کے لشکر میں کچھ کمی نہ تھی۔ اس موقع پر اُس نے اُن ہندو راجوں سے مدد لیکر جو دریائے گنگ کے کناروں پر آباد ہیں اور اپنی ہر دلعزیزی اور نیکدلی کی وجہ سے تھوڑے عرصہ میں بڑا لشکر فراہم کر لیا۔ اس مشہور شہر میں کہ جو بنگالہ کا دروازہ ہے شجاع نے اپنے آپ کو طاقتور اور محفوظ کر لیا۔ میر جملہ شجاع کی شجاعت سے واقف تھا اس لئے اُس نے اسلحہ سے شجاع کا مقابلہ کرنا نہ چاہا بلکہ قیمتی تحائف اور خطوط روانہ کرنیکا کافی خیال کیا جن میں بے بنیاد وعدے درج تھے۔ دوسری طرف اس نے چند ہندو راجوں کو جو بنارس و پٹنہ کے قریب رہتے تھے شجاع کے برخلاف آمادہ فساد کر دیا۔ ان راجوں کا شجاع کے ساتھ پرانا جھگڑا چلا آتا تھا اب انہوں نے خلاف ہو کر اس کی رسد روک دی اور میر جملہ کو راستہ دیدیا۔ میر جملہ نے بھی اپنی فوج راستہ روکنے کے لئے روانہ کی۔ یہ خبر سُنکر قبل اس کے کہ پورے طور سے راستہ روکا جائے شجاع الہ آباد سے ہٹ کر بنارس آگیا جو دریائے گنگ کے کنارہ پر آباد ہے۔ اس جگہ کو وہاں کے باشندے ملک بنگالہ کی کنجی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ پہاڑوں کے دامن میں آباد ہے اور اُس کے قریب وسیع اور گنجان جنگل ہیں۔ ان جنگلوں میں بہت سے وحشی اور خونخوار درندے مثل چیتے، گینڈے، جنگلی بھینسے وغیرہ رہتے ہیں۔

اس جگہ کو مناسب حال پاکر شاہ شجاع نے مورچہ بندی کرکے اپنے آپ کو محفوظ کرلیا۔ زیادہ حفاظت کی غرض سے پہاڑ کے دامن سے دریائے گنگ تک جو نصف فرسخ ہے اس نے ایک مٹی کی دیوار بنائی۔ دیوار بنانے کی جگہ مونگیر سے بارہ فرسخ کے فاصلہ پر تھی۔ اور یہ اس غرض سے بنائی گئی تھی کہ میر جملہ حملہ نہ کرسکے۔ حملہ کرنے کی مشکلات کو پیش نظر رکھ کر میر جملہ نے اور اُن راجوں سے نامہ وپیام شروع کیا جن کو شجاع کے ہاتھ سے نقصانات پہنچے تھے اور جن کا علاقہ انہیں جنگلات میں تھا۔ انہیں قیمتی تحائف روانہ کئے گئے۔ اور ان راجوں نے میر جملہ کی فوج کو راستہ دیدیا۔ میر جملہ اور سلطان محمد اپنی افواج کے ساتھ شجاع کی واپسی کا راستہ روک دینے کی غرض سے راج محل کی طرف بڑھے شاہ شجاع یہ خبر پاکر خائف ہوا اور یہاں سے نکل کر میر جملہ کے پہنچنے سے پہلے بعجلت راج محل پہنچا اور عمدہ طور سے وہاں مورچہ بندی کی۔ میر جملہ کے نہ پہنچنے کی یہ وجہ تھی کہ جنگل گنجان اور دشوار گذار تھا اور راستہ میں متعدد ندیاں تھیں۔ لشکر پہنچ جانے پر میر جملہ نے شجاع پر حملہ کیا اور اُس نے نہایت دلیری کے ساتھ چھ روز تک مدافعت کی۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ میر جملہ کے توپخانہ سے اُس کی مورچہ بندی کو سخت نقصان پہنچا جو مٹی وغیرہ سے کی گئی تھی۔ شاہ شجاع ناامید ہوکر لوٹنے پر مجبور ہوا۔ نہ اس وجہ سے کہ سپاہیوں کی کمی تھی بلکہ موسم برسات قریب آگیا تھا اور اُس وقت مدافعت نہیں ہوسکتی تھی۔ لہذا رات کی تاریکی میں اُس نے شہر ڈہاکہ کا راستہ لیا اور جو توپیں وہ نہ لیجا سکتا تھا اُن کو وہیں چھوڑ دیا۔ میر جملہ نے شاہ شجاع کا تعاقب نہ کیا اور سمجھا کہ ممکن ہے کہ الحرب خدعۃ پر عمل کرتے اُس نے دہوکا دیا ہو۔ لہذا دوسرے روز تک تعاقب کرنے کے ارادہ سے وہ اپنی جگہ مقیم رہا۔ شاہ شجاع کی یاوری طالع سے تین روز تک زور کی بارش ہوتی رہی اور میر جملہ نہ اپنے لشکر کو حرکت دیسکا اور نہ شجاع کے تعاقب کا ارادہ کیا۔ شاہ شجاع کو اتنے وقت مل گیا کہ وہ ڈہاکہ کے قریب پہنچگیا اور دریا کے کنارہ پر اُس نے اپنے مورچے قایم کردیے

میر جملہ کو برسات کی وجہ سے راج محل واپس ہونا پڑا۔ کیونکہ بارش کی وجہ سے دریا چڑھے ہوئے تھے۔ راستوں میں کیچڑ اس قدر تھی کہ کسی طرح کوچ کرنا ممکن نہ تھا۔ اُسنے راج محل میں چار ماہ جون سے ستمبر ۱۶۵۹ء تک قیام کیا۔ ان مہینوں میں تمام ہندوستان میں عموماً اور بنگالہ میں خصوصاً زور کی بارشیں ہوتی ہیں اور لشکر کوچ نہیں کر سکتا۔ اب شاہ شجاع کو از سر نو مضبوطی سے مورچہ بندی کرنے کا موقع مل گیا۔ اُسنے پرتگیزوں سے بھی کام لیا جو بنگالہ میں رہتے تھے۔ جس وقت سے کہ ڈچوں نے جزیرہ سیلون، جافنا پٹنم واقع سواحل کارومنڈل وغیرہ پرتگیزوں سے لے لئے ہیں اُسی وقت سے یہ بنگالہ میں آباد ہیں۔ شجاع نے اُن کو بڑی بڑی تنخواہوں پر ملازم رکھا اور انعامات کے وعدوں کے علاوہ اُس نے اُن کو مذہبی آزادی دینے اور تمام ملک میں گرجے بنانے کی اجازت دینے کا بھی اقرار کیا۔ یہ بدیہی امر ہے کہ اگر شجاع کا طالع رسا ہوتا اور بادشاہ ہو جاتا تو ہرگز اپنے وعدوں سے نہ پھرتا۔ وہ خلقی طور سے نیک اور صادق الوعدہ تھا۔ اُس وقت تمام صوبہ بنگال میں تقریباً آٹھ ہزار خاندان پرتگیزوں اور یورپین والیشیائی کے ملی ہوئی نسل کے آباد تھے۔ آخر الذکر دوغلے یا مخلوط النسل کہلاتے تھے۔

سلطان محمد اپنے باپ اورنگ زیب سے اس لئے کشیدہ خاطر ہو گیا تھا کہ اُس نے میر جملہ کو سپہ سالار اعظم مقرر کر کے سلطان محمد کو اُس کا ماتحت مقرر کیا تھا۔ اس کا منشا یہ تھا کہ یہ سپہ سالار اور میر جملہ اُسکا ماتحت ہوتا۔ اس نے کئی مرتبہ اپنے باپ کو لکھا کہ "یہ امر کسی طرح مناسب اور شایان شان نہیں کہ حضور کے فرزند اکبر ہوتے ہوئے ایک ملازم اُس کا افسر مقرر کیا جائے۔ درحالیکہ حضور کا فرزند بھی ہر فوجی خدمت انجام دیسکتا ہو اور سپہ سالاری کی بھی لیاقت رکھتا ہو۔ یہ عہدہ کیا بلحاظ نسل اور کیا بلحاظ شجاعت و دلیری آپ کے فرزند کے لئے کسی طرح ناموزوں نہیں ہے" اورنگ زیب نے سلطان محمد کی درخواست پر کچھ توجہ نہ کی۔ اُسے خوف تھا کہ اگر لشکر اس کے اختیار میں دیدیا جائے

تو ایسا نہ ہو کہ خاندان مغلیہ کی عادت اور دستور کے موافق یہ بھی بغاوت اختیار کر بیٹھے۔

متعدد مرتبہ یہ درخواست نامنظور ہونے کے بعد سلطان محمد نے کئی مرتبہ میر جملہ کو پُر از غیظ و غضب و توہین آمیز اور خلاف شان الفاظ کہے۔ اُس نے تمام لشکر کو یہ بات یقین دلانے کی کوشش کی کہ میر جملہ تاج سلطنت کا خواہشمند ہے۔ اگرچہ میر جملہ کو اس کا علم ہو گیا۔ مگر اُس نے کچھ پروا نہ کی۔ سلطان محمد کو یاد آیا کہ اُسکے چچا شاہ شجاع نے اپنی دختر کے ساتھ اسکے عقد کرنے کا وعدہ کیا تھا لہٰذا اُس نے اپنے باپ سے بغاوت کرنے اور شجاع کی طرف چلے جانے کا قصد مصمم کر لیا۔ یہ بلا اطلاع صرف پچیس آدمیوں کو ہمراہ لیکر بذریعہ کشتی میر جملہ کے لشکر سے روانہ ہو گیا۔ اور جس جگہ شجاع مورچہ بند تھا وہاں پہنچکر اُس نے تمام حال بیان کرکے اپنی خدمات پیش کیں اور قرآن مجید پر حلف کیا کہ وہ کسی صلہ کا خواستگار نہیں سوائے اسکے کہ ماہ خانم (دختر شاہ شجاع) سے اس کا عقد کر دیا جائے۔ شاہ شجاع نے اُسے عزت و وقار کے ساتھ رکھا مگر بہت لشکر اُس کے سپرد نہ کیا کیونکہ اُسے مکر و دغا کا اندیشہ تھا۔ شاہ شجاع نے حرم سرا کی ایک عورت کو اپنی دختر ظاہر کرکے سلطان محمد کے پاس بھیجدیا۔

جب برسات گذر چکی تو میر جملہ شاہ شجاع کی تلاش میں چلا۔ سلطان محمد نے مع اپنی مختصر فوج کے نہایت بہادری سے مقابلہ کرکے دشمن کو بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ جس وقت اورنگ زیب کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے دلیر خاں کو مع نئی فوج کے شاہ شجاع کے مقابلہ کے لئے روانہ کیا۔ اس اثنا میں میر جملہ نے مکاری سے یہ چال چلی کہ اُس نے ایک خط سلطان محمد کو اس مضمون کا لکھا کہ وہ اپنا طرز عمل ایسا ہی رکھے اور موقع پاکر اُس وعدہ کو ایفا کرے جو اُس نے اپنے باپ کے ساتھ کیا ہے۔ میر جملہ کے انتظام کے موافق یہ خط شجاع کی نظر سے گذار اگیا۔ اور اُس کا شبہ جو پہلے سے اُسے سلطان محمد کی طرف سے تھا اور مستحکم ہو گیا۔ شاہ شجاع نے مختصر فوج اُس کی ماتحتی سے نکالکر ممانعت کر دی کہ سلطان محمد اُسکے محل میں داخل نہ ہونے پائے۔

جب سلطان محمد کو اس خط کا حال معلوم ہوا تو اُس نے شاہ شجاع سے کہلا یا کہ آپ سے میر جملہ کی حرکات کی طرف توجہ نہ کرنی چاہیئے۔ اس نے یہ مصنوعی خط صرف ہم دونوں میں تفرقہ ڈالنے کی غرض سے روانہ کیا ہے۔ وفاداری سے خدمات بجالانے کا وہ از سر نو حلف کر سکتا ہے مگر شاہ شجاع کا شک وشبہ ان الفاظ سے رفع نہ ہو سکا۔ سلطان محمد نے یہ دیکھ کر کہ وہ دونوں طرف کی مہربانیوں اور عنایات سے محروم ہو گیا اور اُس کی شادی بھی نہ ہوئی پھر اپنے مخالف میر جملہ کی طرف رجوع ہونیکا قصد کیا اور شاہ شجاع کو چھوڑ کر میر جملہ کی لشکر گاہ میں چلا آیا جہاں اسکا شایان شان استقبال کیا گیا۔ میر جملہ نے اُسکی سفارش میں اورنگزیب کو عرضداشت روانہ کرنیکا وعدہ کیا اور اُسنے حتی المقدور اس بات کی کوشش کی کہ اورنگزیب سلطان محمد کی گذشتہ حرکات کو نظر انداز کر دے۔

بعض اشخاص کا یہ خیال ہے کہ حسب تجویز اورنگزیب سلطان محمد شجاع کی طرف چلا گیا تھا۔ اورنگزیب کی مکاری وچالبازی دیکھکر ان صاحبوں نے یہ قیاس کر لیا ورنہ درحقیقت ایسا نہ تھا۔ اگر شاہ شجاع کو سلطان محمد کی ذات کا اعتبار ہوتا تو میر جملہ اور دلیر خاں اس آسانی کے ساتھ اُس پر فتحیاب نہ ہوتے۔

جب اورنگزیب کو معلوم ہوا کہ سلطان محمد نے پھر میر جملہ سے موافقت کر لی تو اورنگزیب نے اُسے محبت آمیز خط لکھ طلب کیا۔ اور میر جملہ کو بذریعہ فرمان ہدایت کی کہ سلطان محمد کو معتمد پہرہ داروں کی حفاظت میں روانہ کر دے تاکہ پہلے کی طرح راستہ سے پھر نہ بھاگ جائے۔ لہذا اُسے پالکی میں بٹھا کر پوری حفاظت کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ اپنے افعال پر خیال کر کے سلطان محمد باپ سے بہت خائف تھا جس کی مکار اور انتقام پسند طبیعت کو وہ بخوبی جانتا تھا۔ اس لئے اس نے یہاں سے کوہستان سری نگر کو بھاگنا چاہا۔ یہ سوچکر وہ پالکی سے باہر کود گیا۔ اُس کا یہ خیال تھا کہ بوجہ عزت یا خوف کے محافظ کچھ مزاحم نہ ہونگے۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ محافظوں کو سخت تاکید کی گئی تھی اُنہوں نے شہزادہ کو فرار ہونے کا موقع نہ دیا۔ راستہ کا یہ واقعہ سُن کر اورنگزیب نے

دانش خواجہ سرا کو دو ہزار سوار دیکے ساتھ معہ اُن بیڑیوں کے جو مراد بخش کو پہنائی گئی تھیں روانہ کیا۔ سلطان محمد کے پاؤں میں یہ بیڑیاں ڈال کر اور اُسے ہاتھی پر بند حوضہ میں بٹھا کر دریائے گنگ کو عبور کر کے یہ سب روانہ گوالیار ہوئے۔ اور وہاں سلطان محمد کو قلعہ گوالیار میں قید کر کے حکم دیا گیا کہ اسے پینے کو پوست کا پانی دیا جائے۔

بدنصیب سلطان محمد اسی حالت میں چھوڑ دیا گیا۔ اُسکے ساتھ مثل ایک ناکارہ غلام کے برتاؤ کیا جاتا تھا۔ اُس کے باپ کے حکم سے اُس کے پاس آمد و رفت بند کر دی گئی اور اس قدر سختی کی جاتی تھی کہ اُسکی موجودگی میں کوئی شخص نہ گفتگو کر سکتا تھا نہ اُسکے سوال کا جواب دے سکتا تھا۔ اُس کے پاس حجام کے جانے کی ممانعت تھی اور نہ کھانے کے وقت چھری یا چاقو اُسکے پاس لایا جاتا تھا۔ اُسکے متابعت کے امتحان کی غرض سے اورنگ زیب نے اُس سے دریافت کرایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اُس کی بیگم دختر شاہ گولکنڈہ کو اُسکے پاس بھیجدیا جائے۔ مگر برہم ہو کر اُس نے جواب دیا کہ "جب میرے ساتھ ایسا ظالمانہ سلوک کیا جا رہا ہے تو میں اس سے معاف رکھا جاؤں"۔ اس شہزادہ کا باقی حال اور جو کچھ قید کی حالت میں گذرا آئندہ موقع مناسب پر بیان کیا جائیگا۔

میر جملہ نے شاہ شجاع سے جنگ جاری رکھی اور وہ بھی مقابلہ کرتا رہا۔ بغرض مدافعت وہ دریائے گنگ کے کنارہ کی طرف آیا۔ لیکن چونکہ لڑائیوں کے نتائج غیر مقرر ہوتے ہیں لہذا اورنگ زیب بعجلت سرحد صوبہ آگرہ پر مع لشکر چلا آیا تاکہ بوقت ضرورت وہ میر جملہ کو کمک بہم پہنچا سکے۔ اس وقت اس نے مراد بخش کو بھی قلعہ سلیم گڑہ سے قلعہ گوالیار کو منتقل کرنے کا حکم دیا اور وہاں مثل سلطان محمد اسے بھی پوست کا پانی دیا جاتا تھا۔ دونوں کے ساتھ یکساں سختیاں ہوتی تھیں اور دونوں کو گفتگو کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اب اورنگ زیب کو خبر ملی کہ شاہ شجاع عرصہ تک مقابلہ کر سکتا ہے۔ جب اس خبر کی تصدیق ہوگئی تو اورنگ زیب نے دہلی آکر بہ حیثیت بادشاہ ہندوستان احکامات جاری کرنے

شروع کر دیئے اور حکم دیا کہ اُس کے نام کا سکہ جاری کیا جائے جن پر یہ الفاظ مضروب ہوئے "سکہ زد در جہاں چو بدر منیر۔ شاہ اورنگ زیب عالمگیر"

جب اورنگ زیب دہلی میں تھا تو دارا نے گجرات سے آگرہ کی طرف مع تیس ہزار سواروں کے کوچ کیا۔ اُسے راجہ جسونت سنگھ کے اس وعدہ پر اعتماد تھا کہ وہ اورنگزیب کے مقابلہ کے لئے اپنا تمام لشکر حاضر کریگا۔ یہ سُنکر اورنگ زیب دارا کو روکنے کے لئے دہلی سے روانہ ہوا۔ چونکہ اورنگ زیب جانتا تھا کہ راجہ جسونت سنگھ دارا کو امداد دینی چاہتا ہے تو اس نے راجہ جے سنگھ سے کہا وہ اپنے خط کے ذریعہ سے جسونت سنگھ کو اس ارادہ سے باز رکھے۔ چنانچہ جے سنگھ نے اس مضمون کا خط لکھا کہ " اورنگ زیب تمہاری پہلی بغاوت کے قصور کو معاف کر کے مورد الطاف و نوازش کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور تمہیں صوبہ گجرات کا حاکم کیا جائیگا۔ شاہ شجاع کی لڑائی کے وقت جو تم نے خزانہ لوٹا وہ بھی تم کو معاف کیا گیا۔ اگر تم دارا کی امداد کرنے سے باز نہ رہے تو طرفین سے بہت جانیں ضائع ہوں گی۔ کیونکہ میں میدان جنگ میں تمہارا متلاشی رہونگا۔ چونکہ ہم اور تم دونوں راجپوت، ہم قوم، اور ہم مذہب ہیں لہذا ہماری تباہی و بربادی سے مسلمانوں کو خوش ہونے کا موقع ملے گا۔"

اس خط کا جسونت سنگھ کے قلب پر بڑا اثر ہوا اور عہد شکنی پر آمادہ ہو کر اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ دارا کو کسی قسم کی امداد نہ دیگا۔ جب دارا اجمیر کے قریب راجہ مذکور کے علاقہ کے متصل پہنچا تو اُسے وہاں نہ دیکھ کر دارا نے اُسے لکھا کہ " وعدہ وفائی کا یہی وقت ہے اور یہاں تمہارا انتظار ہے۔ کامیابی یا ناکامی صرف تمہارے آنے یا نہ آنے پر منحصر ہے لہذا جلدی کیجیے۔" دارا نے اسی مضمون کے کئی خطوط روانہ کئے مگر جسونت سنگھ نے ایک کا بھی جواب نہ دیا۔ آخر راجہ کو لانے کے لئے اُس نے اپنے فرزند سپہر شکوہ کو اس پیام کے ساتھ روانہ کیا کہ "وہ ایسے وقت میں جبکہ فتح یا شکست تمہارے آنے پر منحصر ہے ترک

رفاقت مناسب نہیں۔ اگر خداوند عالم نے مجھے تخت شاہی مرحمت فرمایا تو میں اور میرے جانشین اس آپ کی امداد کی ہمیشہ قدر کرتے رہیں گے اور ممنون احسان رہیں گے آپ کے وعدہ کے بھروسہ پر میں احمد آباد سے تھوڑا سا لشکر لیکر چلا۔ اب اگر تم نے میری مدد نہ کی تو اورنگ زیب کے ہاتھ سے مجھے گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے۔"

دارا نے جو تدبیریں کیں وہ سب بسود ثابت ہوئیں۔ راجہ نے جب سپہر شکوہ کے آنے کی خبر سنی تو اس نے راستہ پر چند آدمی بھیجدیئے کہ وہ اُسے واپس کردیں اور راجہ کی طرف سے معافی چاہیں کہ اس وقت وہ دارا کی امداد کے ناقابل ہے۔ ناظرین خود اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس وقت راجہ کی عہد شکنی سے بدقسمت دارا کی کیا حالت ہوئی ہوگی۔ اُس کی تمام امیدوں پر پانی پھر گیا اور حیران تھا کہ کیا کرے۔ اُسے احمد آباد واپس ہونا بھی ناممکن تھا کیونکہ فاصلہ بہت زیادہ تھا اور راستہ بے آب وگیاہ ملکوں میں سے ہوکر جاتا تھا اور موسم گرما شروع ہوگیا تھا۔ علاوہ اس کے یہ اندیشہ بھی تھا کہ اگر سپاہیوں کو اس کی اطلاع ہوجائیگی کہ اُس کا ارادہ واپسی کا ہے تو وہ یقیناً چھوڑ چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ اس نے یہی مناسب سمجھا کہ نیچی پہاڑیوں میں مورچہ بندی کرے جن پر اس کی فوج نے قبضہ کر رکھا تھا۔ لہذا اس نے خندقیں کھود کر نہایت مناسب مقام پر توپ خانہ شاہ نواز خاں اور برق انداز خاں کی ماتحتی میں قایم کردیا۔

اورنگ زیب دو منزلہ کوچ کرتا ہوا مع دلیر خاں کے روانہ ہوا جسے اُس نے طلب کرلیا تھا۔ جس وقت وہ ایسے فاصلہ پر پہنچا کہ دارا کا لشکر نظر آنے لگا تو اُس نے دیکھا کہ دارا کے مورچے ایسے مناسب موقع پر قایم ہیں کہ فتحیاب ہونا مشکل ہے۔ لہذا اس نے اب بھی اپنی خلقی اور معمولی مکاری سے کام لینا چاہا۔ چنانچہ اس نے دلیر خاں کو ہدایت کی کہ وہ دارا کے ساتھ خط وکتابت شروع کرے کہ راجہ جسونت سنگھ کی عہد شکنی کو دیکھ کر وہ (دلیر خان) آپ کی طرف آنا چاہتا ہے۔ اور یہ تجویز ہے کہ بروز جنگ اُسے اجازت دیجائے

کہ وہ آپ کے لشکر میں حاضر ہو جائے اور پھر دونوں مل کر اورنگزیب پر حملہ کریں۔ آخر میں اُسنے قرآن کی قسم کھا کر اُسے اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔ دارا نے اپنی سادہ مزاجی سے دلیر خان کی باتوں کا یقین کر لیا اور اپنے افسروں سے کہدیا کہ وہ اُس کے لشکر سے جنگ نہ کریں۔ جب اورنگ زیب کو اس فریب کی خبر ہوئی تو اُسے یقین ہو گیا کہ دلیر خان اس طریقہ سے دارا کے لشکر میں ضرور داخل ہو جائیگا اور اسلئے اُس نے دوسرے روز جنگ کی تیاری کر دی۔

لڑائی سے ایک روز قبل یعنی ۱۵ مئی ۱۶۵۷ء (صحیح ۱۶۵۹ء) کو ایک منجم مسمی بہ قطب بیگ ازبک نے جس نے پادری بزیو (Padre Buzeo) سے ریاضی کی تعلیم پائی تھی تخلیہ میں اورنگ زیب سے عرض کیا کہ از روئے علم نجوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کل لڑائی شروع کی جائیگی تو سردار لشکر کو یا جو اُس کی جگہ ہوگا کچھ نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔ لہذا منجم مذکور نے درخواست کی کہ کل حضور بوقت جنگ ہاتھی پر سوار نہ ہوں یہ شخص چونکہ علم نجوم میں بہت شہرت رکھتا تھا اور ہر شخص اس کی بابت صحیح باور کرتا تھا اس لئے اورنگ زیب نے متردد ہو کر افسران فوج سے مشورہ کیا۔ منجملہ افسران شیخ میر اُستاد اورنگ زیب نے اُس کی جگہ ہاتھی پر بیٹھنا منظور کر کے عرض کیا کہ یہ امر اُسکے لئے باعث عزت ہوگا اگر اُس کی جان قربان ہو کر اُس کے آقا کی جان بچ جائے چونکہ ابتدا میں بھی اُسی نے تعلیم دی تھی لہذا اب آخر میں بھی وہ بحیثیت رعایا ہونے کے اپنی جان سے دریغ کرنا نہیں چاہتا۔ چونکہ اس کے اخفا کی ضرورت تھی لہذا کسی کو اس کی اطلاع نہ ہوئی۔

اورنگ زیب نے اپنے اُستاد شیخ میر کی بات کو منظور کیا اور احکامات جاری کئے گئے کہ کل علی الصباح سب لوگ حملہ کے لئے تیار ہیں۔ اگلے روز جب حملہ کا وقت آیا تو شیخ میر عمدہ لباس پہنکر شاہی ہاتھی پر سوار ہوا۔ ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ ہاتھی پر

خود اورنگ زیب سوار ہے۔ چونکہ ابھی آفتاب طلوع نہ ہوا تھا اور تاریکی باقی تھی اس لئے لوگوں کو اور بھی شناخت کا موقع نہ ملا۔ نہایت جوش کے ساتھ دارا کے موروچوں پر حملہ کیا گیا اور اُس کی طرف سے بھی بندوقوں اور توپ خانہ سے خوش تدبیری کے ساتھ مدافعت کی گئی۔ اس پہلے ہی حملہ میں اورنگ زیب کا اُستاد شیخ میر بندوق کی گولی سے مارا گیا جو اس کی جگہ ہاتھی پر سوار تھا اور اس طرح اس نے اپنی جان اپنے آقا کے لئے نثار کی مگر جو شخص اُس کی خواصی میں بیٹھا ہوا تھا اس نے بھی بڑا کام کیا اُس وقت یہ ممکن تھا کہ اورنگ زیب کو مقتول سمجھکر لشکر میں بددلی پھیل جاتی۔ لہذا اس شخص نے جس کا نام محمد تقی تھا[۱] شیخ میر کی لاش کے بازو تھام کر چاروں طرف حرکت دی تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ اورنگ زیب مقتول نہیں ہوا۔ اس کی کارگذاری بھی شیخ میر سے کم نہ تھی بلکہ اورنگ زیب کے فتحیاب ہونے کا یہی شخص باعث ہوا۔ اورنگ زیب نے بعد فتح اس کی ہوشیاری وعقلمندی کے صلہ میں اسے فتح نما کا خطاب دیا۔ اگرچہ میں خود اس لڑائی میں موجود نہ تھا مگر مجھے خاص طور سے ان واقعات کا علم ہوا۔ ایک زمانہ میں فتح نما اور دیگر افسران سے مری رسم وراہ تھی جو اس لڑائی میں شریک تھے۔ دوسرے مذکورہ بالا واقعات تمام سلطنت مغلیہ میں زبان زد خاص وعام ہیں۔

دلیر خاں نے دارا کو اشارہ کیا کہ اُسے مع بارہ ہزار سواروں کے آنے کے لئے موروچوں سے راستہ دیا جائے۔ جیسا کہ قرار داد ہوا تھا۔ دارا نے جو اُس کے فریب سے بالکل بے خبر تھا حکم دیا کہ دلیر خاں اور اُس کی فوج کو بلا مقابلہ ومزاحمت آنے دیا جائے۔ دارا کے بہت سے سپاہی اور افسر دلیر خاں کو آنے دینے کے خلاف تھے اور اُسے روکنا چاہتے تھے۔ لیکن دلیر خاں اُن میں گھس ہی آیا اور دارا کے سپاہی اُسے نہ ہٹا سکے۔ دلیر خاں اور اُس کے سپاہی تلواریں کھینچ کر دارا کی فوج پر ٹوٹ پڑے

[۱] مآثر الامرا میں اُس شخص کا نام جو شیخ میر کی خواصی میں بیٹھا تھا میر ہاشم لکھا ہے

اور بہت کچھ نقصان پہنچایا۔ اس سے دارا کے لشکر میں عجب طرح کی پریشانی پھیل گئی اور آخر کار تمام فوج بھاگ گئی۔ تین گھنٹے سے بھی کم میں اس معرکہ کا خاتمہ ہو کر دارا کو شکست ہو گئی۔

اگر دارا پیش بینی کو کام میں لاکر دلیر خاں کے دہوکہ میں نہ آتا اور اُس کو اپنے لشکر میں نہ آنے دیتا تو اس میں شک نہیں کہ اورنگ زیب کو سخت نقصان پہنچتا۔ اگرچہ تعداد میں اُسکی فوج کم تھی مگر جس جگہ مورچہ بندی کی گئی تھی وہ ایسی باموقع اور مناسب تھی کہ اسے نقصان کا کم اندیشہ تھا۔ اس لڑائی میں جو بہت تھوڑی دیر رہی اورنگزیب کا بڑا بھاری نقصان ہوا۔ دارا کی شروع مدافعت کو دیکھتے ہوئے اس کے فتح پانے کی کامل امید تھی اور پھر راجہ جسونت سنگھ اور دیگر راجگان بھی اُس سے ملحق ہوجاتے مگر چونکہ خوبی قسمت نے اورنگ زیب کا ساتھ دیا اس لئے دارا کو یہ دن دیکھنا نصیب ہوا۔

اس نے اپنے لشکر کو بھاگتا ہوا دیکھکر حالت مایوسی میں احمد آباد کو بھاگنا چاہا۔ چونکہ دلیر خاں اور اُس کے سپاہی ہر طرف قتل و غارت میں مشغول تھے لہذا یہ اپنی عیال اور کچھ قیمتی چیزیں لیکر بعجلت روانہ ہوا۔ اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں کو اس کے تعاقب میں روانہ کرکے مردہ یا زندہ گرفتار کرنے کا حکم دیا۔

دارا کے بھاگنے کے بعد شاہ نواز خاں میدان جنگ سے دور چند درختوں کے نیچے رہ گیا۔ اور اُسے یقین تھا کہ یہاں اُسے کوئی نقصان نہ پہنچائے گا۔ کیونکہ نہ تو اُس نے بھاگنا چاہا اور نہ مدافعت میں شریک تھا اور نہ وہ دارا کے ہمراہ فرار ہوا۔ اورنگ زیب کے خسر ہونے پر اُسے پورا اطمینان تھا لیکن جو شخص اپنے باپ بھائیوں اور بیٹے کے ساتھ ظالمانہ پیش آیا ہو وہ خسر کو کب چھوڑ سکتا تھا کیونکہ اُس نے دارا کو گجرات میں داخل ہونے دیا۔ اور میدان جنگ میں اُس کے ہمراہ آیا۔ اسی لئے اس نے دلیر خاں کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ جہاں کہیں شاہ نواز خان کو پائے فوراً قتل کردے

جب دلیر خاں کو وہاں اُس کی موجودگی کی اطلاع ہوئی تو فوراً وہاں پہنچا مگر اپنے سپاہیوں کو سمجھا دیا کہ اُس کے ہمراہیوں کو کچھ نقصان نہ پہنچائیں۔ جب دلیر خاں نے اسے زمین پر قالین بچھائے ہوئے بیٹھا دیکھا تو تیزی سے اپنے ہاتھی کو اُس کے نزدیک لیجا کر گئی تیر مار کر اس بوڑھے کو قتل کر دیا۔

جو سپاہی دارا کے تعاقب میں جا رہے تھے راہ میں ایک ڈچ گماشتہ کی گاڑی پر ٹوٹ پڑے۔ یہ ڈچ دارا کے متوسلین میں سے تھا اور یہ سوچکر میدان جنگ میں آیا تھا کہ اس زائد خدمت کے صلہ میں اُسے انعام ملے گا۔ اب یہ احمد آباد کو جا رہا تھا سپاہیوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اس سے ہتیار اور اسباب دینے کو کہا۔ گماشتہ مذکور نے مزاحمت کی اور دونوں ہاتھوں میں طپنچے لیکر ڈرانیکے لئے اُنکی طرف فیر کئے۔ یہ دیکھ کر سپاہیوں نے تیروں سے چھانکر اُس کا خاتمہ کر دیا۔

دارا بھاگ کر جب احمد آباد پہنچا تو اُس کے ہمراہ بالکل ہی مختصر فوج تھی۔ راستہ میں گرمی سے اسے بہت تکلیف پہنچی۔ جب داخل شہر ہونا چاہا تو حاکم کے حکم سے دروازے بند کر دیئے گئے۔ اورنگ زیب نے خطوط بھیجکر اور وعدے کر کے اس حاکم کو بھی ملا لیا تھا۔ سپاہیوں نے یہ دیکھکر کہ شہزادہ دارا پر ہر طرف سے راہ چارہ مسدود ہو گئی اُسکے پاس سے چلے جانیکا ارادہ کر لیا۔ ان سپاہیوں کے علاوہ اسکے خاص دوستوں نے بھی ناشکری کی اور اس سے منہ پھیر لیا۔ خصوصاً برق انداز خاں اور مشکیں خواجہ سرا کا علیحدہ ہو جانا تعجب انگیز ہے۔ برق انداز خاں نے چند قیمتی گھوڑے لوٹ لئے تاکہ جب یہ اورنگ زیب کے سامنے حاضر ہو تو لطور نذر پیش کرے۔ خواجہ مشکیں کا دارا کو بڑا اعتبار تھا اور تمام خزانہ اُسکی سپردگی میں رہتا تھا۔ اس نے دو خچر طلائی سکوں سے لدے ہوئے لیکر علیحدگی اختیار کی تاکہ اورنگ زیب کی حضور میں حاضر ہو جائے اول اول تو ان دونوں کی بہت آؤبھگت کی گئی مگر بعدہ یہ دونوں قلیل تنخواہوں

ملازم رکھے گئے۔ یہ برق انداز خاں خاکروبوں اور کتوں کا افسر اور نگراں مقرر کیا گیا جو سب سے کم تنخواہ کی ملازمت ہے۔ اس سے اورنگ زیب نے یہ ظاہر کیا کہ جس شخص کی دارا اسقدر عزت واعتبار کرتا تھا اُس کی نظر میں اس کی کتنی وقعت ہے۔ خواجہ مشکیں کو مطلع کیا گیا کہ اُسے روزانہ ایک رقم بطور خیرات ملا کرے گی۔ یہ طلائی سکوں سے لدے ہوئے خچروں کا صلہ ہے۔ بادشاہ کی طرف سے یہ حقارت آمیز برتاؤ دیکھ کر جو اُسکے خلاف امید تھا۔ اور اُسے خیال تھا کہ بادشاہ اُس کی اُسی قدر عزت کریگا جیسی دارا کرتا تھا) اور لوگ بھی اُسے ذلیل وحقیر سمجھ کر اُس کے مُنہ پر بُرا بھلا کہتے تھے۔ آخر وہ کہیں چلا گیا اور پھر اُسے کسی نے نہ دیکھا۔ یہ حکایت اور نیز دیگر باتیں اس تاریخ میں یہ سبق لینے کے لئے کافی ہیں کہ شہزادوں کے مقربین کو بحالت خوشحالی وغربت کس طرح یکساں خیر خواہی کے ساتھ اپنے آقاؤں کی خدمت کرنی چاہیئے۔

دارا کے ساتھ اب صرف دو ہزار سواروں سے زیادہ نہ تھے۔ اُس نے ملک سندھ کو جانے کا ارادہ کیا جہاں وہ پہلے تھا۔ اور ایک مرتبہ پھر جنگلوں اور پہاڑوں میں گرمی اور قلت آب کی تکلیف اُٹھانی گوارا کی۔ یہ تکلیفیں شب وروز کے کوچ کرنے سے المضاعف ہوگئی تھیں۔ دارا سرعت کے ساتھ بھاگا کیونکہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں اُس کی تعاقب میں آرہے تھے اور اُسے گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ دارا کے ہمراہی دن رات کے سفر سے بہت تھک گئے تھے اور آرام کی غرض سے فوج کے عقب میں چلے جاتے تھے۔ مگر موقع پاکر قزاق اُن کو لوٹ لیتے تھے اور اکثر ان میں سے قتل بھی ہوگئے۔

اگرچہ اورنگ زیب کی سپاہ دارا کے تعاقب میں تیزی سے آرہی تھی مگر راجہ جے سنگھ صرف اس غرض سے دن کو کوچ کرتا تھا کہ دارا کو بھاگنے کا موقع ملجائے یہ راجہ دارا سے کشیدہ خاطر ضرور تھا مگر اُس کا منشا اُسے قتل کرنے کا نہ تھا بلکہ اُس کی یہ خواہش تھی کہ دارا کسی غیر ملک میں چلا جائے تاکہ اورنگ زیب کے ہاتھ آکر قتل نہو جیسا کہ

آخر کار ظہور میں آیا۔ راجہ کے اس موقع دینے سے فائدہ اٹھا کر دارا سختیاں اٹھانے کے بعد راجہ کچھ کے علاقہ میں پہنچا۔ جہاں راجہ نے خلق و مدارات سے پیش آ کر اسے رسد بہم پہنچانے کے علاوہ سب سے زیادہ اونٹ اور گھوڑے دارا کی خدمت میں پیش کئے جو اس ملک میں بکثرت ہوتے ہیں۔

دارا چاہتا تھا کہ کچھ روز یہاں مقیم رہ کر اپنی سپاہ کو آرام کا موقع دے لیکن دشمن کے قریب پہنچ جانے سے یہ امر ناممکن تھا۔ اور نہ راجہ کچھ کے پاس اس قدر فوج تھی کہ وہ جے سنگھ اور بہادر خاں کا مقابلہ کر سکتا۔ لہٰذا دارا سندھ کی طرف جانے پر مجبور ہوا۔ وہاں کے باشندے دارا کی آمد کی خبر سن کر مع اپنی کشتیوں کے بھاگ گئے۔ انہیں خوف ہوا کہ دریا عبور کرنیکے بعد وہ پہلی طرح تمام کشتیوں کو جلا کر خاک کر دیگا۔ دارا کو بڑی مشکل پیش آئی۔ ایک طرف اُس کے تعاقب میں دشمن کی فوج آ رہی تھی جو اُسکی گرفتاری کی فکر میں تھی۔ دوسری طرف دریائے سندھ حائل تھا اور بوجہ کشتیاں نہ ہونیکے اسکو عبور کرنا محال تھا۔ لہٰذا اُس نے یہ تجویز کی کہ بیڑوں کے ذریعہ سے دریائے مذکور عبور کیا جائے۔ چنانچہ درختوں اور مکانوں کو منہدم کر کے اُن کی لکڑیوں سے بیڑے بنا کر دریا کو عبور کیا۔ کنارہ پر پہنچکر منجملہ پانچ ہزار سواروں کے جن کو لیکر دارا احمد آباد سے روانہ ہوا تھا صرف پانسو سوار باقی رہ گئے تھے۔ کچھ تو رفاقت ترک کر کے چلے گئے اور کچھ مارے گئے۔

دریا عبور کرنیکے بعد دارا نے قلعہ بھکر کو جانا چاہا۔ مگر اُسے معلوم ہوا کہ خلیل اللہ خان نے لشکر کثیر کے ساتھ اُس کا محاصرہ کر رکھا ہے اور اُس میں داخل ہونا ناممکن ہے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ اب کسی طرح وہ دشمن کے ہاتھ سے نہیں بچ سکتا کیونکہ راجہ جے سنگھ اور بہادر خاں بالکل قریب پہنچ گئے تھے۔ اب اُسنے ایران کا راستہ اختیار کرنا چاہا جو وہاں سے بہت دور نہ تھا۔ اُس نے یہ بھی خیال کیا

کہ اسی راستہ پر جیون[۵۱] خان کا علاقہ ہے جو سلطنت مغلیہ وایران کی سرحد پر واقع ہے۔ سابق میں دارا نے تین مرتبہ اس جیون خان کو سزائے موت سے بچایا تھا جبکہ شاہجہاں نے کسی بات پر ناراض ہو کر اسے ہاتھی کے پاؤں سے باندھنے کا حکم دیا تھا۔ اور دارا کی سفارش سے اس کا قصور معاف کر دیا گیا تھا۔ دارا کو خیال تھا کہ اس مصیبت کے وقت جیون خان اُن احسانات کا بدل کریگا۔ اور اُس سے بہ مدارات پیش آئیگا۔

پس دارا نے اُس جگہ جانے کا ارادہ کیا جہاں جیون خان رہتا تھا۔ مگر بے رحم پٹھان چونکہ احسان فراموش ہوتے ہیں اس لئے جب دارا اس کے ملک میں داخل ہوا تو اس محسن کش نے اُسے اُس امید پر گرفتار کر لینا چاہا کہ اورنگزیب اس فریب کا معقول انعام اور صلہ دیگا۔ اس نے بظاہر دارا کا گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا۔ اور اس کے بعد اپنے تمام آدمیوں کو جمع کر کے دارا کی قیام گاہ کا محاصرہ کر لیا۔ ایسی سخت نگرانی کی جاتی تھی کہ دارا کے ملازمین کھانا اور پانی بھی آزادی کے ساتھ نہ لیجا سکتے تھے۔ اپنے مقصد میں کامیاب ہونے کیلئے جیون خان نے دارا کے سپاہیوں کو الگ دوسرے مکان میں ٹھیرایا۔ جب یہ سب ہو چکا تو اُس نے اُن کے ساتھ بھی نہایت سختی سے پیش آنا شروع کیا۔

دارا کی پہلی بیگم نورمحل[۵۲] بیگم نے جب اپنے آپ کو مع اپنے فرزند سپہر شکوہ و دختر جانی بیگم ان مشکلات میں پھنسا ہوا دیکھا تو زہر کھا کر اپنی جان کھونے کا ارادہ کیا۔ تاکہ وہ اپنے شوہر اور فرزند کا خاتمہ ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے۔ اُسکے خانہ زاد

---

۵۱ ملک جیون خان والی دادر جو بعدہ بختیار خان کے لقب سے ملقب ہوا۔ (مآثر عالمگیری)

۵۲ اس کا اصلی نام نادرہ بانو بیگم تھا یہ سلطان پرویز ابن شاہ جہانگیر کی دختر تھی۔ اسکی والدہ جہاں بانو بیگم دختر شہزادہ مراد بخش ابن شہنشاہ اکبر تھی۔ اس نے ملک سندھ میں ماہ رمضان ۱۰۶۹ھ (مئی، جون ۱۶۵۹ء) میں وفات پائی۔ (عالمگیر نامہ۔ مآثر عالمگیری۔ تاریخ محمدی)۔

نے بیگم کو زہر کھانے سے روکا جو اُس نے اپنی انگوٹھی کے نگین کے نیچے چھپا رکھا تھا۔ اُس نے بیگم سے عرض کیا کہ اس مصیبت کے وقت اپنے آقا کی مدد کرنا اُس کا فرض ہے لہذا بیگم کو تھوڑے عرصہ تک انتظار کرنا چاہیئے۔ کیونکہ اُس نے احسان فراموش جیون خان کے قتل کا ارادہ کر لیا ہے۔ اگرچہ اُسے یقین ہے کہ اس کام کے انجام دینے میں وہ خود بھی مارا جائیگا۔ اُس نے اپنا دلی ارادہ پورا کرنیکے لئے دارا سے وہ طپنچہ لیا جو اُسے احمد آباد میں ایک ڈچ گماشتہ نے نذر دیا تھا۔ اس پر سیپ جڑا ہوا تھا اور کبھی پیالہ نہ چاٹتا تھا۔

یہ اس طپنچہ کو کمخاب کی تھیلی میں رکھ کر اُس جگہ پہنچا جہاں جیون خاں بیٹھا ہوا تھا۔ پہرہ دار نے روک کر اُسکے آنے کی وجہ دریافت کی۔ بہادر فریدوں (جو اس خانہ زاد کا نام تھا) نے جواب دیا کہ شہزادہ نے اُسے جیون خان کو ایک جواہر دینے کے لئے بھیجا ہے جو اس کیسہ میں ہے۔ جیون خان نے اپنے فائدہ کی بات سن کر آنے کی اجازت دی فریدوں آداب بجا لا کر اُس کے قریب گیا اور ہاتھوں پر کیسہ مذکور رکھ کر نذر دینے کے طور پر پیش کیا۔ جب جیون خان نے لینے کو ہاتھ بڑھایا تو فریدوں نے لبلبی دبادی مگر طپنچہ کے پیالہ چاٹ جانے کی وجہ سے فیر نہ ہوا۔ جب بدنصیبی کا دور دورہ ہوتا ہے تو نہ کوئی تدبیر کارگر ہوتی ہے اور نہ کوئی ہتھیار کام دیتا ہے۔ اگر فریدوں کا قصد پورا ہو جاتا تو اس میں شک نہیں کہ دارا آزاد ہو کر ایران چلا جاتا جیسا کہ اُس کا ارادہ تھا۔ فریدوں گرفتار کر لیا گیا مگر اُسے قتل نہیں کیا کیونکہ ایسے بہادر و دلیر کا مار ڈالنا مناسب نہ تھا۔

یہ معلوم کر کے کہ دارا نے اُسے قتل کرانے کا بندوبست کیا تھا جیون خان نے اپنی سختیاں اور زیادہ کر دیں۔ اُس نے سوائے اُس کی عیال کے سب ہمراہیوں کو قید خانہ میں داخل کر دیا۔ بیگم فریدوں کو اپنے ارادہ میں ناکامیاب دیکھ کر بالکل ناامید ہو گئی اور اُس نے جان لیا کہ اب وہ دارا کو مشکلات موجودہ سے آزاد نہیں کر سکتی

اُسے اپنے انجام کا بھی خیال نہ تھا کہ اُس کی کیسی بے عزتی کی جائے گی۔ تمام پیش آنیوالی مصیبتیں اُس کے پیش نظر تھیں۔ ان واقعات سے تنگ آکر اُس نے زہر اپنے ہاتھ میں لیا جو ایسے ہی موقعوں کے لئے اُس کے پاس موجود تھا۔ بیگم نے چشم پُر آب ہوکر ٹھنڈی سانس بھری اور کہنے لگی کہ "اے میرے عزیز بالک! اے میرے پیارے فرزندو! تمہاری بدنصیبی عروج پر ہے۔ تمہاری موت کا وقت قریب ہے۔ تمہارے خون بہانے سے اورنگ زیب کی سنگدلی اور بیرحمی میں کچھ کمی ہو جائے گی۔ خدا کرے میری جان کی قربانی اُس ظالم کی پیاس کو تسکین دے یا تمہاری جان کو بچالے۔ پھر اورنگ زیب نہ تمہارے خلاف ہوگا اور نہ میرے ساتھ بیرحمی کا برتاؤ کریگا۔ تمہارے بغیر مجھ پر کیا گذریگی کیا میں بغیر شوہر اور فرزندوں کے زندہ رہ سکتی ہوں؟ کیا میں اورنگ زیب کی مدخولہ ہونے کی بے عزتی گوارا کر سکتی ہوں؟ خداوند عالم میری اس حالت سے ہرگز خوش نہوگا مگر اب سوائے اسکے کوئی چارہ نہیں کہ میں اپنی زندگی کے ساتھ اپنی تکلیفوں اور مصیبتوں کا خاتمہ کردوں۔ میری موت سے اس ظالم کی فاتحانہ شان و شوکت میں اور اضافہ ہو جائے گا۔"

یہ کہہ کر اُس نے زہر کھا لیا جو ایسا تیز تھا کہ حلق سے اُترتے ہی اُس کا خاتمہ ہو گیا۔ تمام عورتوں نے رونا اور چلانا شروع کر دیا۔ یہ شور و غل سُن کر ہر شخص یہ دیکھنے کے لئے دوڑا کہ کیا واقعہ پیش آیا۔ یہ دیکھ کر کہ اُسکے چہرہ کا رنگ متغیر ہو گیا۔ اشک آلود آنکھیں گر گئیں تمام لڑکیاں اور فرزند نالہ و آہ کرتے ہوئے اُس کی لاش پر گر پڑے۔ ان آوازوں کو سنکر جب دارا وہاں آیا تو معلوم ہوا کہ اُس کی بیگم نور محل بیگم کا انتقال ہو گیا۔ اس حادثہ سے وہ ایسا متاثر اور غم زدہ ہوا کہ گفتگو کی بھی تاب و طاقت نہ رہی۔ وہ اپنی بیٹیوں، لڑکوں اور تمام عورات کی گریہ و زاری نہ دیکھ سکا اور باہر چلا گیا۔

ناظرین خود خیال کریں کہ اُس وقت جیون خان کے مکان میں کیسی ابتری د

پریشانی رونما تھی۔ اُس نے اس واقعہ پر بھی اظہار ہمدردی نہ کیا۔ کیونکہ نور محل بیگم شاہی خاندان سے تھی اس لئے بہ لحاظ وقعت و قابلیت وہ مستثنیات میں داخل تھی۔ اگر وقت ملتا تو ممکن تھا کہ جیون خان دارا کو آزاد کر دیتا۔ لیکن اسی وقت بہادر خان دارا کی تلاش میں وہاں پہنچا۔ وہ اور اُسکے سپاہی بغرض جستجو مکان میں گھس گئے۔ شور و غل سُنکر دارا سمجھ گیا کہ دشمن آ پہنچا اور اُس نے ارادہ کیا کہ مسلح ہو کر لڑتے لڑتے یہیں اپنی جان دیدے جہاں اُس کی پیاری بیگم دنیا سے سدھاری۔ لیکن یہ ارادہ پورا نہ ہو سکا بہادر خان نے بآواز بلند کہا کہ " اس قیدی کو گرفتار کر لو " دارا کی تقدیر کا ستارہ ایسی پستی میں تھا کہ یہ کچھ بھی نہ کر سکا۔

یہ سُنتے ہی سپاہی دارا پر ٹوٹ پڑے اور اُس کو اُسکی بیگموں اور لڑکوں سے علیحدہ کر لیا۔ انہوں نے اُس کے ساتھ نہایت بیرحمانہ برتاؤ کیا اور کچھ اُس کی شہزادگی کا خیال نہ کیا۔ فوراً بیڑیاں اور ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ بعدہ چار ہاتھی مع حوضوں کے لائے گئے اور خفیہ طور سے دارا کو ایک ہاتھی پر بٹھایا۔ ہر ہاتھی کے ساتھ تین تین ہزار مسلح سوار تھے گویا اس فوج کے چار حصے تھے۔ ایک حصہ میں دارا اور دوسرے میں اُسکے لڑکے اور تیسرے حصہ میں عورتیں تھیں۔ مگر ان کو اس ترکیب سے پوشیدہ سوار کیا کہ کوئی شخص معلوم نہ کر سکتا تھا کہ دارا کس ہاتھی یا کس حصہ میں ہے۔ ہر حوضہ میں ایک سپاہی ننگی تلوار لئے بیٹھا تھا۔ یہ انتظام اس لئے کیا گیا تھا کہ اگر بغاوت ہو جائے یا دارا کو چھوڑنے کا کوئی قصد کرے تو اُسے یہ معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کس ہاتھی پر ہے۔ اور سپاہی اس لئے بٹھایا گیا تھا کہ اگر ایسا موقع ہو تو وہ فوراً اُسے قتل کر سکے۔ آخر کار لشکر نے کوچ کیا۔ راجہ جے سنگھ تو فوج ہراول میں اور عقب میں بہادر خاں تھا۔ یہ قلعہ بھکر کی طرف روانہ ہوئے۔

قلعہ بھکر میں ہم دلیری کے ساتھ مدافعت کرتے رہے۔ جب دشمن ہم سے کسی

طرح عہدہ برآنہ ہو سکا تو اُس نے چاہا کہ یورپین گولنداز علیحدہ ہو جائیں۔ تیروں میں اس مضمون کے خطوط باندھ کر ہماری طرف قلعہ میں پھینکے جن میں ہمیں ترغیب دی گئی تھی کہ ہم نوکری چھوڑ کر دارا کی طرف سے اورنگ زیب کی طرف چلے آئیں۔ ایک مرتبہ ایسا ہی تیر میرے شانہ پر آکر لگا جبکہ آٹھ بجے رات کو میں اپنے برج پر بیٹھا ہوا تھا۔ میں زخمی ہوگیا اور تیر نکال کر میں نے فوراً بسنت خواجہ سرا کے سامنے پیش کر دیا۔ اُس نے میری وفاداری کے صلہ میں مجھے خلعت اور عرق گلاب کی چند بوتلیں عنایت کیں۔

اورنگ زیب خلیل اللہ خان کو تاکید کر رہا تھا کہ جس طرح بھی ہو سکے قلعہ مفتوح کیا جائے جب خلیل اللہ خان کسی طرح کامیاب نہ ہو سکا تو اُس نے کئی خطوط ہمارے افسر خواجہ سرا کے پاس روانہ کئے جن میں بڑے بڑے وعدے تحریر تھے اور لکھا تھا کہ اگر وہ قلعہ حوالہ کر دے تو اُس کی تمام خواہشات پوری کی جائیں گی۔ اس قدر خطوط آنے سے مشتعل ہو کر خواجہ سرا نے خلیل خان کو جواباً تحریر کیا کہ اگر وہ بذات خود آکر کہے تو میں بہ منظور کرونگا اور چونکہ دارا کی حالت روز بروز ابتر ہوتی جاتی ہے اُس کا منشا قلعہ چھوڑ دینے کا ہے۔ جب خلیل اللہ خان کے پاس خط پہنچا تو وہ بہت خوش ہوا اور اُسے امید ہوئی کہ جس کے لئے بار بار اورنگ زیب تاکید کرتا ہے وہ کارنمایاں اب جلد اس کے ہاتھ سے انجام پائیگا۔ بقیہ فوج کو ہمراہ لیکر یہ لاہور سے روانہ ہوا۔ خلیل اللہ خان کے بھکر پہنچ جانے پر طرفین میں عارضی صلح ہو گئی اور توپوں کے فیر بند کر دیئے گئے۔ خلیل اللہ خان نے خواجہ بسنت خواجہ سرا کو خط لکھا۔ جس میں خلق اور شیریں کلامی سے اُن نتائج کا اظہار کیا تھا جو قلعہ سپرد کرنیکے بعد اُسکے لئے ظاہر ہوں گے اور اورنگ زیب کی شاہانہ نوازشوں سے اُسے کیا کیا فائدے پہنچیں گے۔

خواجہ بسنت خواجہ سرا خلیل اللہ خاں کے پہنچنے پر خوش ہوا اور اُس کی تحریرات کا جواب دینا چاہا۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ اُس توپ میں جو اُس باغ سے نزدیک تر ہوں خلیل اللہ خان مقیم ہے پرانے جوتے اور سینگ بھر کر

اُس کے خیمہ کی طرف فیر کر دو۔ ایسا ہی کیا گیا اور بعد ازاں خواجہ سرا نے یہ جواب اُسکے پاس روانہ کیا "میں تم سے چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے تمہارے حال پر سخت حیرت و افسوس ہے۔ تم ہمیشہ سے زن مرید ہوا در عمر بھر عورتوں کے جوتے کھاتے رہے اور انہیں کی تمہیں ضرورت ہے۔ میں تمہارے رتبہ اور رغبت کے موافق یہ تحفہ روانہ خدمت کرتا ہوں" اس خط میں گالیاں بھی لکھی تھیں جن کو میں لکھنا نہیں چاہتا۔ یہ خط بند کر کے خلیل اللہ خان کے پاس روانہ کر دیا گیا۔ خواجہ سرا دیکھتا رہا کہ کشتی باغ میں کب پہنچتی ہے جو زیادہ فاصلہ پر نہ تھا۔ اور جب قیاس کر لیا کہ خلیل اللہ خان اب خط پڑھ رہا ہوگا تو اُس نے حکم دیا کہ اب پھر ویسے ہی فیر کئے جائیں۔ اور مسلسل اس قدر پرانے جوتوں کے فیر کئے گئے کہ خلیل اللہ خان کا خیمہ اُن سے بھر گیا ہوگا۔

یہ دغاباز بہت شرمندہ ہوا اور اپنی اس بے عزتی کو پوشیدہ نہ کر سکتا تھا۔ دوسری شب کو یکایک اُس نے اپنے تمام توپ خانہ اور بندوقوں کے فیر کرنے شروع کر دیئے جس سے ہمیں تعجب ہوا۔ تمام قلعہ میں گولے اور گولیاں گر رہی تھیں۔ مگر میں بلا مبالغہ یقین دلاتا ہوں کہ ہمارا کچھ بھی نقصان نہ ہوا سوائے اس کے کہ اُس چوب پر جس پر جھنڈا لگا ہوا تھا چند گولیاں لگیں لیکن ہمارا افسر خواجہ سرا کب ان دھمکیوں میں آ سکتا تھا۔ دوسری رات کو اس نے توپ خانہ اور بندوقوں کے فیر کرنے کا حکم دیا۔ ہم نے لوہے کے کم گولے بھی چلائے اور ثابت کر دیا کہ ہمارے قبضہ میں کافی سامان حرب موجود ہے۔ اس وقت رات کے آٹھ بجے تھے۔ مخالف کو یہ جتانے کیلئے کہ ہم اُس سے نہیں ڈرتے ہم کو حکم ملا کہ کچھ مصنوعی روشنی کے گولے پھینکیں۔ ان سے مثل دن کے روشنی ہو گئی۔ خلیل اللہ خان یہ دیکھ کر کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکتا بدل ہو کر لاہور چلا گیا اور ہمیں اپنے حال پر چھوڑ گیا۔

خلیل اللہ خان کے جانیکے چالیس روز بعد ایک دن ہم نے صبح کو ایک لشکر

فاصلہ پر دریا سے عبور ہوتے ہوئے دیکھا جو مشرق سے مغرب کو جا رہا تھا۔ ہمارے توپ خانہ نے اُسے حتی الامکان نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ اُسی وقت ایک سوار سفید جھنڈی لئے دریا کے کنارہ پر آیا۔ اور خواجہ سرا نے ادہر سے ایک چھوٹی کشتی اُس کے لینے کے لئے روانہ کی۔ جب وہ قلعہ میں آیا تو اُس نے ایک خط خواجہ سرا کے حوالہ کیا اور بہ آوازِ بلند ظاہر کیا کہ اورنگ زیب کی طرف سے میں کہتا ہوں کہ تم اس قلعہ کو خالی کر دو۔ ہم اس لشکر کے ہمراہ دارا کو قید کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔" یہ غم انگیز اور خلاف امید خبر سُنکر ہم نہایت متفکر ہوئے اور ہتھیار ہاتھوں سے چھوٹ پڑے۔ خواجہ سرا نے سوار سے کہا کہ اپنے آقا دارا کے بغیر حکم ہم قلعہ خالی نہیں کر سکتے اور اُسی کے حکم سے یہ ہماری سپردگی میں ہے۔ یہ جواب سُنکر سوار واپس چلا گیا۔

ابھی پہلا سوار کنارے پر نہ پہنچا تھا کہ ہم نے دیکھا کہ سات کشتیاں مسلح آدمیوں سے بھری ہوئی جھنڈیاں لئے ادہر آ رہی ہیں۔ اُن کا افسر چغتائی خان ازبک تھا جو ایسا خوش خوش آ رہا تھا کہ گویا اپنے مکان میں داخل ہو رہا ہے۔ میں نے اپنے آدمیوں کو توپیں تیار رکھنے کا حکم دیا۔ اور کئی مرتبہ گراپ مارا اور جب وہ بہت نزدیک آ گیا تو پھر ہمنے فیر کئے جس سے کشتیوں اور آدمیوں کا کافی نقصان ہوا۔ اسکے بعد بقیہ آدمی اور کشتیاں واپس ہو گئیں اور وہ اپنے توپخانہ سے فیر کرتے رہے۔

ہم کو ثابت قدم پاکر بہادر خان نے شہزادہ دارا سے درخواست کی کہ وہ بسنت خواجہ سرا کو قلعہ خالی کرنے کا حکم دیدے۔ اگرچہ وہ ابھی تک عمدہ طور سے مقابلہ کر رہا ہے مگر انجام میں نہایت تکلیف کے ساتھ سب کا خاتمہ ہو جائیگا۔ یہ سُنکر دارا نے ہم لوگوں کی حالت پر رحم کھا کر اپنے ہاتھ سے یہ خط لکھا کہ "جس بدنصیب کے لئے تم جنگ کر رہے ہو وہی اب تم سے درخواست کرتا ہے کہ تم قلعہ چھوڑ دو۔"

جب بسنت خواجہ سرا نے یہ تحریر دیکھی تو دارا کا خط شناخت کرکے زار زار رونے لگا

اُس نے بہادر خان کو لکھا کہ "ہم معہ اپنے اسباب کے باہر آنا چاہتے ہیں۔ اور اگر وہ اس پر راضی نہ ہو گا تو توپیں اور خزانہ دریا میں ڈال کر بحالت مایوسی لڑ کر جان دیدیں گے" بہادر خان نے جواب دیا کہ ذاتی اسباب اپنے ساتھ لائیں مگر خزانہ و بیگم اور جملہ سامان متعلقہ قلعہ چھوڑ دیا جائے۔ ایک شرط یہ بھی کی کہ ہم لوگوں کو دریا کے مشرقی کنارے سے عبور کرنا چاہیئے اور بہادر خاں کے کوچ کرنے سے آٹھ روز بعد روانہ ہو کر دہلی کا راستہ اختیار کریں۔ اُس نے یہ شرط اس لئے کی کہ اُسے خوف تھا کہ یہ سب اُس کے لشکر میں گھس کر دارا کے چھڑانے کی کوشش نہ کر سکیں۔ تین روز بعد ہم قلعہ سے نکلے۔ قلعہ خالی کرنے سے دو روز پہلے میں نے دو بچھڑے چھ سو روپیہ کو خرید کئے تھے۔ اور ایک روپیہ کا ڈھائی تولہ مکھن مول لیا اور تیرہ روپیہ ایک چوزہ مرغ کیلئے دیئے تھے۔

جب بہادر خان کا لشکر بھکر سے چل کر نظر سے غائب ہو گیا تو اورنگزیب (جو اجمیر کی لڑائی کے بعد دہلی آ گیا تھا) کا حکم پہنچا کہ دو منزلہ کوچ کرتے ہوئے دارا کو لیکر جلد سے جلد یہاں پہنچو۔ راستہ میں دارا کی سخت حفاظت کی جاتی تھی۔ ہر شب بہادر خان دارا کا خیمہ اپنے خیمہ کے پاس نصب کرتا تھا اور مستعد پہرہ دار حفاظت کرتے رہتے تھے۔ ایک سپاہی تلوار لئے خیمہ کے اندر دارا کے سرہانے موجود رہتا اور اُسے حکم تھا کہ اگر لشکر میں کچھ شور و غل ہو تو فوراً دارا کا سر قلم کر دے۔

چالیس روز کے بعد یہ دہلی کے قریب پہنچے۔ جب اورنگزیب کو خبر ہوئی تو مزید احتیاط کی غرض سے چند رسالے اور بہادر خان کے پاس روانہ کر دیئے۔ اُس کا حکم تھا کہ دارا ہاتھی پر کھلے ہوئے حوضہ میں معہ سپہر شکوہ بٹھایا جائے اور اُسکے پیچھے ایک سپاہی تلوار لئے موجود رہے۔ اسی طرح دارا کو شہر میں لایا گیا۔ اُس کے گرد سوار تلواریں کھینچے ہوئے تھے۔ بہادر خان دوسرے ہاتھی پر دارا کے پہلو میں تھا اور اس کا تمام رسالہ کمانوں میں تیر لگائے لیس ہمراہ تھا۔ اس طرح ۲۲، اکتوبر ۱۶۵۸ء (صحیح ۱۶۵۹ء)

دارا شہر کے خاص خاص بازاروں میں تشہیر کیا گیا۔ اُسکے دونوں پاؤں بندھے ہوئے تھے اور ہاتھ کھلے ہوئے تھے۔ چہرہ سے مایوسی اور شکستگی عیاں تھی۔ جب قلعہ کے نزدیک پہنچا تو ایک فقیر نے آواز دی کہ "اے دارا! جب کبھی تم با اختیار تھے تو ہمیشہ مجھے خیرات دیا کرتے تھے۔ مگر اے سخی بندے! آج تو مجھے کچھ دینے کے قابل نہیں" یہ سنکر دارا نے اپنے ہاتھ کاندھوں کی طرف بڑھائے اور اپنا شال اتار کر اُس کی طرف پھینکدیا۔ لیکن بہادر خان نے جو متصل ہی تھا حکم دیا کہ شال فقیر سے چھین لیا جائے کیونکہ کسی قیدی کو کوئی چیز دینے کا حق نہیں۔ اس کے بعد فقیر نے جیون خان کو ہزاروں گالیاں دیں جو وہاں موجود تھا۔ جب شاہی محل کے سامنے پہنچے تو دو گھنٹے تک وہاں دارا کو ٹھیرایا گیا۔ تاکہ ہر شخص دارا کو ہاتھی پر بیٹھے ہوئے خراب لباس میں دوپہر کو دھوپ میں کھڑا ہوا دیکھ لے۔ اس نظارہ سے ہر شخص کے دل پر اثر ہوتا اور دارا کی حالت پر رحم آتا تھا کیونکہ کچھ عرصہ پہلے یا تو یہ شہزادہ ایسا صاحب اختیار، ایسا دولتمند، ایسا مشہور تھا یا اب ایسی حالت کو پہنچ گیا کہ دیکھنے والے اس پر ترس کھا کر آنسو بہاتے تھے۔

دارا اس لئے بھی ٹھیرایا گیا تھا کہ اُس کے لئے اورنگ زیب جو سزا تجویز کرے وہ عمل میں لائی جائے۔ اورنگ زیب نے اُسے اور ذلیل کرنیکے لئے ہاتھی سے اُتار کر پیدل پابہ زنجیر اپنے سامنے بلانا چاہا۔ مگر شائستہ خان نے اُسے صلاح دی کہ یہ امر بعض مصلحتوں سے ہرگز مناسب نہیں۔ اُسے شہر کے باہر باغ خضر آباد[1] میں روانہ کیا گیا جو جمنا کے کنارہ پر واقع ہے اور جسے شاہجہاں نے اس غرض سے نصب کیا تھا کہ شکار کو جاتے وقت وہاں قیام کرے۔

اورنگ زیب نے یہ بھی ظاہر کیا کہ کچھ روز بعد وہ دارا کو قلعہ گوالیار بھیجنا چاہتا ہے۔ اس سے یہ مقصد تھا کہ عام آدمیوں کا رنج و غم کم ہو جائے۔ اورنگ زیب کسی بہانہ سے

[1] دارا خواص پورہ واقع خضر آباد میں قید کیا گیا تھا۔ (تاریخ خافی خاں۔ عالمگیر نامہ)

اُن لوگوں کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو دارا کے طرفدار تھے۔ اس نے خاص خاص امرا سے رائے لی کہ دارا کو قتل کر دینا چاہیئے یا قلعہ گوالیار میں قید کرنا مناسب ہے۔ اپنے دل میں اورنگ زیب نے دارا کے قتل کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ چونکہ تمام درباریوں کو اورنگ زیب کی نیت کا حال معلوم تھا اس لئے اُنہوں نے خیال کیا کہ اگر اس کے خلاف اظہار رائے کیا گیا تو سوائے اس کے کہ اورنگ زیب ناراض ہوا اور کچھ نتیجہ نہ ہوگا۔ لہٰذا ان سب نے یہی رائے دی کہ دارا کو مار ڈالنا چاہیئے۔ کیونکہ اگر یہ زندہ رہا تو لوگ ہمیشہ اسکی رہائی کی فکر کرتے رہیں گے اور حضور عالی کبھی چین سے نہ بیٹھ سکیں گے۔ دوسرے دارا کا قتل اس لئے بھی مناسب ہے کہ یہ کافر اور لامذہب ہونے کی وجہ سے مذہب اسلام کا دشمن ہے۔ دانشمند خان کو اگرچہ دارا سے کچھ تعلق نہ تھا مگر اُس نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا۔ جنہوں نے قتل کا مشورہ دیا وہ شائستہ خان، محمد امین خان، بہادر خان اور حکیم داؤد[1] تھے۔ آخر الذکر حکیم داؤد خان کچھ عرصہ کے بعد اورنگ زیب کی نظروں سے گر گیا اور نہایت بے عزتی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ خدا کا بھی انصاف ہے کہ جو شخص اپنے آقا کی خوشنودی کے لئے دوسروں کے قتل کی صلاح دیتا ہے اُسی آقا کے ہاتھ سے اُس کا بھی یہی انجام ہوتا ہے۔ جس نے سب سے زیادہ دارا کے قتل میں دلچسپی لی وہ روشن آرا بیگم تھی جو باوجود ہمشیر ہونیکے اُس کی جانی دشمن تھی اس کی موت بھی زہر سے ہوئی جو اورنگزیب کے حکم سے کھلایا گیا۔ جس کا حال آئندہ بیان ہوگا۔

اورنگ زیب جو دارا کے قتل کا دل سے خواہاں تھا امرا کی رائے سے بہت خوش ہوا۔ اور ۲۶ر اکتوبر ۱۶۵۹ء کو اُس نے قلیچ خان[2] کو حکم دیا کہ سپہر شکوہ کو دارا سے

---

[1] حکیم داؤد ملقب بہ تقرب خان نے ۱۰۷۳ھ (۶۳-۱۶۶۲ء) میں وفات پائی (ماثر الامرا۔ ماثر عالمگیری)

[2] عالمگیر نامہ میں اس جگہ سیف خان کا نام لکھا ہے۔

علیحدہ کرکے قلعہ گوالیار کو لیجائے۔ اور اُس کے ساتھ یہ رعایت کی گئی کہ اسے پینے کے لئے آب پوست نہ دیا جائے۔ سپہر شکوہ کو بلا اظہار کسی وجہ کے قلعہ گوالیار کو روانہ کردینے سے دارا سمجھ گیا کہ اُس کی زندگی کے صرف چند روز باقی ہیں۔ اور اب وہ روحانی طور سے اپنی نجات کی فکر کرنے لگا۔ اس لئے اُس نے بار بار محافظوں اور دربانوں سے بہ منت کہا کہ کوئی شخص پادری بیزو (Father Buzeo) کو بلادے جو مشہور آدمی ہے۔ جب محافظوں نے کچھ توجہ نہ کی تو پھر اس نے ان کی خوشامد کی اور کہا کہ اس سے نہ ان کو اور نہ اورنگ زیب کو کچھ نقصان پہنچے گا۔ جب دارا نے سمجھا کہ یہ پادری بیزو کو نہیں لاسکتے تو اس نے ان سے پھر بہ لجاجت کہا کہ کسی اور یورپین پادری کو بلادیں۔ جب اس نے دیکھا کہ اُس کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی تو اُس نے بآواز بلند چلا چلا کر کہنا شروع کیا کہ "محمد مرا می کشد و ابن اللہ مرا جان می دہد" (محمد مجھکو مارے ڈالتا ہے اور خدا کا بیٹا مجھے جلاتا ہے) ان الفاظ اور نیز اُس فقرہ سے جو اُس نے ٹھٹہ میں پادری فری پیڈرو (Father Ferie Pedro) سے کہا تھا کہ "اگر دنیا میں کوئی مذہب حق ہوسکتا ہے تو وہی ہے جس کی انگریزی پادری تعلیم دیتے ہیں"۔ اور اُس اضطراب سے جو اُسے پادری کے نہ آنے سے ہوا یہ ثابت ہوتا ہے کہ دارا عیسائی ہونا چاہتا تھا۔ مجھے اُن محافظوں سے جن سے میری رسم تھی یہی ثابت ہوا اور انہوں نے بھی اسکی تصدیق کی۔

سزائے موت کا حکم دینے سے قبل اورنگزیب نے دارا سے دریافت کرایا کہ "اگر تمہاری قسمت یاور ہوتی اور تم مجھے گرفتار کرکے قید کرلیتے تو تم میرے لئے کیا سزا تجویز کرتے" دارا جانتا تھا کہ اورنگ زیب کسی طرح اُسے زندہ نہ چھوڑیگا اور یہ سوال صرف تحقیر کے لئے کیا ہے۔ لہذا اُس نے نہایت دلیری اور استقلال سے ایسا جواب دیا جو ایک شہزادہ اور دلاور کو دینا چاہیئے۔ اُس نے جواب میں کہلا دیا کہ اس سوال کا جواب اُس وقت

دہلی کے چاروں دروازے دیتے جہاں اُسکے بدن کے چار حصے کرکے لٹکائے جاتے
جب اورنگ زیب نے یہ جواب سُنا تو اُس کے گستاخانہ اور آزادانہ الفاظ سے
بہت برہم ہوا اور اپنے بڑے بھائی کے قتل کا حکم جاری کردیا۔ جب اُس نے دریافت
کیا کہ اس کام کو کون انجام دیگا؟ تو سفاک نذر بیگ چیلہ نے اس وحشیانہ وظالمانہ
فعل کے انجام دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا۔ یہ شاہجہاں کا غلام تھا جسکو
اُس نے بچپن سے پرورش کیا تھا۔ شاہجہاں کے قید ہونیکے بعد تمام غلام اورنگزیب کے
مطیع ہوگئے اور یہ شخص اُن سب کا افسر کردیا گیا۔ ایک موقع پر بوجہ کسی گستاخی اور
لاپروائی کے دارا نے اسے گالیاں دی تھیں۔ اُسی کا انتقام لینے کے لئے اُس نے
دارا کا قتل کرنا بخوشی منظور کرلیا۔ اس نے اپنے ساتھ اپنے ماتحتوں میں سے مقبول،
محرم، مشہور، اسارون، فرہاد، مراد، فتح بہادر کو لیا اور یہ سب دربار سے روانہ ہوگئے
عام لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالنے کے لئے اورنگ زیب نے سیف خان[۵۱] کو معہ چار ہزار
سواروں اور کچھ اونٹوں کے جن پر باورچی خانہ کا سامان اور ضروریات سفر بار تھے ۔
باہر جانے کا حکم دیا۔ اور ظاہر کیا کہ دارا کو قلعہ گوالیار روانہ کیا جارہا ہے۔

یہ وحشی وظالم قاتل رات کے سات بجے باغ خضر آباد میں پہنچکر اُس کمرہ میں داخل
ہوئے جہاں مصیبت زدہ شہزادہ دارا ٹہل رہا تھا اور یہ الفاظ اُس کی زبان پر جاری
تھے کہ "محمد مرا میکشد و ابن اللہ مرا جان می بخشد" ان وحشیوں نے بیرحمی کے ساتھ
بلا لحاظ اُسکی خاندانی عزت وغیرہ کے دست درازی کرکے زمین پر گرادیا اور سر جدا کرکے اُسکے
جسم کو خون میں غلطاں چھوڑدیا[۵۲] سر کو بعجلت اورنگزیب کے پاس لیکر چلے۔ یہ مجلسرا کے باغ

---

[۵۱] سیف خان گوالیار سے واپسی کے بعد حاکم آگرہ مقرر ہوا۔ یہ تربیت خان بخشی شاہجہاں کا پسر تھا۔ اس نے ۱۰۹۵ھ (۸۴-۱۶۸۳ء) میں وفات پائی۔

[۵۲] سیف خان مع سواروں اور اونٹوں وغیرہ کے جیسا سابق میں ذکر ہوا ۸ ستمبر ۱۶۵۹ء کو دہلی سے گذرا۔ اور ۲۱ و ۲۲ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ (۱۰ ستمبر ۱۶۵۹ء) کے درمیان دارا قتل کیا گیا۔ اُس وقت دارا

میں بیٹھا ہوا تھا کہ شب کے آٹھ بجے اُسے دارا کے قتل کی خبر معلوم ہوئی۔

اس بدنصیب شہزادہ دارا کا انجام جو شاہجہاں کا پیارا خلف اکبر و ولیعہد سلطنت مغلیہ اور رعایا کی نظروں میں معزز تھا۔ ایسے غم انگیز اور اندوہناک طریقہ سے ہوا جو ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اُسے نہ اُس کے نیک عادات و خصائل اور نہ اُس کا رتبہ اعلیٰ اورنگزیب کی ظالمانہ چالاکیوں سے بچا سکے۔

جب اورنگ زیب کو دارا کے سر آنے کی اطلاع ہوئی تو اُس نے حکم دیا کہ سر مذکور کو خون سے صاف کر کے اور طشت میں رکھ کر اُس کے سامنے پیش کیا جائے۔ جب اسی طرح سر حاضر کیا گیا تو روشنی طلب کر کے اُسے بغور دیکھا اور نشانات کو دیکھ کر جو غلطی اُس کی پیشانی پر تھے اطمینان کر لیا کہ یہ دارا ہی کا سر ہے۔ اس کے بعد سر کو زمین پر رکھوا دیا اور اُس تلوار سے جو اُس کے ہاتھ میں تھی تین مرتبہ سر کو ملا کر کہا کہ "دیکھو! یہ اُس شخص کا سر ہے جو تمام سلطنت مغلیہ کا شہنشاہ ہونا چاہتا تھا۔ اسے میری نظروں کے سامنے سے دور کر دو"۔

اس کے بعد اُس نے سر کو صندوق میں رکھ کر ہرکاروں کی معرفت مقام اگرہ اعتبار خان کے پاس روانہ کیا۔ اور ہدایت کی کہ جس وقت شاہجہاں کھانا کھانے کیلئے دستر خوان پر بیٹھے اُس وقت یہ سر اُسکے سامنے پیش کیا جائے اور کہا جائے کہ اورنگ زیب نے یہ کھانا بطور تحفہ کے بھیجا ہے۔

اورنگ زیب کا اس فعل سے یہ مطلب تھا کہ شاہجہاں کو جس قدر الفت و محبت دارا کے ساتھ تھی اُسی قدر اُس کا سر دیکھ کر اُسے صدمہ اور رنج ہو تا کہ اُس بے توجہی کا بدل ہو جائے جو شاہ جہاں ہمیشہ اورنگ زیب سے کیا کرتا تھا۔ اس پردہ میں گویا اُس نے شاہ جہاں سے یہ کہلایا کہ "اب آپ کی محبت کا خاتمہ ہو گیا جس کو

بقیہ صفحہ گزشتہ۔ کی عمر بحساب قمری ۴۶ سال سے کم تھی۔ (عالمگیر نامہ۔ تاریخ محمدی)

آپ حقیر خیال کرتے تھے وہ اب مالک سلطنت ہے۔ اور جو آپ کو بہت عزیز تھا وہ قتل ہوگیا" سر روانہ کرنیکے بعد دارا کی لاش اورنگ زیب کے حکم سے مقبرہ ہمایوں میں دفن کردی گئی۔ اور اُسی شب کو روشن آرا بیگم نے نہایت دھوم دھام سے دعوت کی۔

اعتبار خان تعمیل حکم کرنیکے لئے شاہجہاں کے دستر خوان پر بیٹھنے کا منتظر رہا۔ جب شاہ جہاں کھانا کھانے میں مصروف ہوا تو اعتبار خان صندوق لیکر گیا۔ اور بدنصیب باپ کے سامنے پیش کر کے کہنے لگا کہ "حضور کے فرزند شاہ اورنگ زیب نے یہ کھانا حضور کے لئے بھیجا ہے تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ اُس نے حضور کو فراموش نہیں کیا" بوڑھا شاہ جہاں کہنے لگا کہ "الحمدللہ میرے فرزند نے مجھے یاد رکھا" صندوق دستر خوان پر رکھ دیا گیا تو اُس نے بڑے شوق کے ساتھ کھولنے کا حکم دیا۔ جب اُس کا ڈھکنا اُٹھایا گیا تو دفعتاً اُس کی نظر دارا کے سر پر پڑی جس کو دیکھ کر اُس نے آہ کی اور اوندھے منہ دستر خوان پر گر پڑا۔ جس کے صدمے سے چند دانت بھی ٹوٹ گئے اور بالکل بیجان معلوم ہوتا تھا۔ بیگم صاحبہ اور موجودہ عورات نے سر پیٹ کر بال نوچ ڈالے اور زیورات اتار کر پھینک دیئے اور مصروف گریہ وزاری ہوئیں۔

اعتبار خاں نے جب دارا کا سر وہاں سے ہٹایا اور کچھ دیر کے بعد بوڑھے شاہ جہاں کو ہوش آیا تو اُس نے منہ پر طمانچے مارنے اور ڈاڑھی کے بال نوچنے شروع کئے جن سے خون بہنے لگا۔ اُسی حالت میں آسمان کی طرف دونوں ہاتھ اُٹھا کر کہا کہ "خدا تیری رضا" غرض چند عورتوں نے آکر بیگم صاحبہ کو اُٹھایا جو غش سے بیہوش تھی۔ اور شاہجہاں کو بھی وہاں سے علٰحدہ کیا۔ اب میں اس ضعیف باپ کا حال جو دارا کو بہت عزیز رکھتا تھا اور بیگم صاحبہ کی حالت جس نے اپنے اُس بھائی کا سر دیکھا جس پر وہ ہزار جان قربان کرنیکے لئے موجود تھی بیان کرنا نہیں چاہتا۔ اور اندرونی حالات سے درگذر کر کے صرف وہ حالات بیان کرتا ہوں جو باہر ظاہر ہوئے۔

حسب الحکم اورنگ زیب اعتبار خاں نے دارا کا سر اسکی والدہ ممتاز محل کے مقبرہ میں دفن کرنیکے لئے بھیجدیا۔ جو شاہی محل کے مقابل ہے۔ اس بیگم کی وفات سے شاہجہاں کو نہایت صدمہ ہوا تھا جس کا اظہار اس نے اکثر امراسے کیا۔ اسی لئے اس نے بیگم کا مقبرہ محل کے سامنے تعمیر کرایا تھا۔ تاکہ اس پر نظر پڑ کر اس کے غمزدہ دل کو تسکین ہوتی رہے۔ لیکن جب اس کے عزیز فرزند کا سر وہاں دفن ہوا تو اس کا رنج وغم المضاعف ہوگیا۔ اور انہیں صدموں نے آخر تھوڑے عرصہ بعد اس کی زندگی کا خاتمہ کردیا۔ اعتبار خاں خواجہ سرا نے تمام واقعات کی مفصل اطلاع اورنگ زیب کی خدمت میں روانہ کی جس کو سنکر وہ اور روشن آرا بیگم بہت خوش اور مسرور ہوئے۔

اس کے بعد اورنگ زیب نے جانی بیگم دختر دارا کو اپنے سامنے بلایا جو نور محل بیگم کے بطن سے تھی اور جس نے زہر کھا کر خودکشی کرلی تھی۔ جب اس نوجوان لڑکی نے اپنے باپ کے قاتل کا تخت اس محل میں دیکھا جس میں اس کا والد رہا کرتا تھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہکر اس کے دلی صدمہ کا پتہ دینے لگے۔ روشن آرا بیگم اس کے ساتھ برے طور سے پیش آتی تھی اور ہر وقت اسے اسکے مقتول باپ کی یاد دلاتی رہتی تھی۔ جب اورنگ زیب نے دیکھا کہ یہ روز بروز دبلی ہوتی جاتی ہے تو اسے قلعہ آگرہ میں شاہجہاں اور بیگم صاحبہ کے پاس رہنے کے لئے بھیجدیا۔ اس کے وہاں جانی سے شاہجہاں کو بھی کچھ تسلی ہوئی اور بیگم صاحبہ بھی اسے دیکھ کر خوش ہوئیں۔ جانی بیگم خود بھی اس لئے مسرور تھی کہ وہ اپنے باپ کے قاتل کی نظروں سے دور ہوگئی اور اسکی ظالم دشمن روشن آرا بیگم کا یہاں دسترس نہیں۔

اورنگ زیب نے دارا کی باقی دو بیگموں کو بھی طلب کیا۔ جن میں ایک متلون مزاج اودیپوری تھی جو نسلاً جارجیا کی تھی۔ دوسری رانا دل پیدائشی ہندو تھی۔ اودےپوری نے تو حکم کی تعمیل کی اور حاضر ہوگئی جسے اورنگ زیب نے اپنی

زوجیت میں داخل کرلیا جس کے بطن سے کام بخش[۵] پیدا ہوا۔ لیکن رانا دل نے اپنے طلب کرنے کی وجہ دریافت کی جس پر اُسے مطلع کیا گیا کہ بادشاہ اُسے اپنی بیگم بنانا چاہتا ہے۔ کیونکہ قانون کا بھی یہی منشا ہے کہ بڑے بھائی کے مرنے کے بعد اُس کی بی بیوں کا مالک چھوٹا بھائی ہوتا ہے۔ یہ سنکر اُس نے دریافت کرایا کہ بادشاہ اُس کی کس ادا پر فریفتہ ہے؟ جس پر اورنگ زیب کی طرف سے ظاہر کیا گیا کہ اس کے بال بادشاہ کو بہت پسند ہیں۔ پس اُس نے اپنے تمام بال کاٹکر اورنگزیب کے پاس بھیجدیئے اور کہلا بھیجا کہ جس چیز نے آپ کو گرویدہ کیا تھا وہ حاضر ہے اور میں تنہا زندگی بسر کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن اورنگ زیب نے پھر ایک مرتبہ کوشش کی اور پیام دیا کہ اُسکے حُسن و خوبصورتی پر والہ شیدا ہو کر وہ اُسے داخل بیگمات کرنا چاہتا ہے۔ اور اب وہ اُسے بجائے دارا کے خیال کرے۔ اور اُسے وہی تمام حقوق عطا ہوں گے جو ملکہ کو ہونے چاہئیں۔

لیکن وفادار و بہادر رانا دل نے اپنے کمرہ میں جاکر چھری سے اپنے تمام چہرے کو جابجا سے زخمی کیا اور تمام خون کپڑے پر جمع کرکے وہ خون آلود کپڑا اورنگ کے پاس بھیجکر کہلا دیا کہ اگر بادشاہ میری خوبصورتی کا خواہاں ہے تو وہ برباد ہو چکی اور اگر اُس کا خون شاہ کو کچھ تسکین دے سکے تو یہ حاضر ہے۔ یہ دیکھ کر اورنگ زیب نے کبھی اُس سے پھر ایسی استدعا نہ کی۔ اور اُس کی بڑی قدر کرنے لگا۔ اس وفاداری کی وجہ سے وہ اُس سے ہمیشہ نیکی پیش آتا۔ یہ رانا دل ایک رنڈی اور ادنیٰ درجہ کی عورت شاہجہاں کی ملازم تھی۔ اسکی خوبصورتی پر فریفتہ

[۵] کام بخش اورنگ زیب کا پانچواں اور سب سے چھوٹا پسر تھا جو ۱۰ رمضان ۱۰۷۷ھ (۲۶ مارچ ۱۶۶۶ء) کو اُودے پوری بیگم کے بطن سے پیدا ہوا۔ (مآثر عالمگیری)

ہوکر دارا نے اسے اپنی زوجہ بنانا چاہا۔ مگر شاہجہاں نے اختلاف کیا اور اسکی خواہش تھی کہ نورمحل بیگم یعنی دارا کی پہلی بیگم کے مقابلہ میں کوئی دوسری عورت نہو۔ دارا کو رانا دل کا عشق اس درجہ بڑھا کہ وہ نحیف و زار ہوکر موت کے قریب پہنچ گیا۔ یہ حالت دیکھ کر شاہجہاں نے دارا کو رانا دل کے ساتھ عقد کرنے کی اجازت دیدی۔ اسی عزت افزائی کی وجہ سے دارا کے انتقال کے بعد اس نے کسی کی زوجہ بننا گوارا نہ کیا اور جس قدر عرصہ تک یہ زندہ رہی کسی نے اُسے خوشی اور مسرت کی حالت میں نہ دیکھا۔

دارا کی موت کے بعد عام آدمیوں نے گیت بنا کر گانا شروع کیا جس میں دارا اور اورنگ زیب کے قریب قریب تمام واقعات بیان کئے گئے تھے۔ جب اورنگزیب کو معلوم ہوا تو اُس نے حکم جاری کر دیا کہ جو شخص اس قسم کا گیت گائے اُس کی زبان قطع کر لی جائے۔ مگر یہ گیت ایسا موثر تھا کہ لوگ اسے چھپ چھپ کر گاتے تھے۔

اب میں بھکر سے روانگی کا حال بیان کرتا ہوں۔ قلعہ خالی کرنیکے بعد ہم نے تمام خزانہ اور سلیمان شکوہ کی بیگم اور بچہ کو بہادر خان کے سپرد کر دیا۔ اس بیگم اور بچہ کا حال پھر کبھی معلوم نہ ہوا کہ کیا انجام ہوا۔ ممکن ہے کہ یہ دونوں اورنگزیب کے حکم سے قلعہ ہی میں قتل کر دیئے گئے ہوں۔ پندرہ روز کے بعد بسنت خواجہ سرا مع تمام آدمیوں کے چند کشتیوں کے ذریعہ سے براہ دریا روانہ ملتان ہوا۔ اگرچہ یہ سفر دریا کی چڑھائی کی طرف تھا مگر ہوا موافق تھی۔ چوبیس روز کے بعد ہم ملتان پہنچے جہاں لشکر خان[۵۱] حاکم تھا۔ اس نے خواجہ سرا کی دعوت کرنی چاہی۔ مگر اس نے عجلت کا عذر کر کے دعوت سے معافی چاہی۔

---

۵۱ لشکر خان (جان نثار خان) ابن زبردست خان شاہجہاں کے آخر عہد میں حاکم کشمیر تھا۔ ۱۰۶۸ھ میں عالمگیر نے اسے ملتان تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد وہ حاکم ٹھٹھہ، بہار، ملتان رہا۔ آخر میں میر بخشی ہوا اور ۱۰۸۱ھ (۱۶۷۰ء) میں وفات پائی۔ (مآثرالامرا)

خواجہ سرا کو مکر و فریب کا شبہ ہوا تھا۔ گویا اُس کے قلب نے اُسے بطور پیشینگوئی اس واقعہ کی خبر دی جو اُس کے ساتھ ہونے والا تھا۔ جیسا آیندہ معلوم ہوگا۔ ملتان سے دہلی براہ خشکی جانیکے لئے ہم نے سامان کیا جو پچیس روز کا راستہ ہے۔

ایک دن ایک پرتگیز مسمی بہ اگس ٹن ہو ڈیس (Agostinho dias) نے مجھسے بہ منت استدعا کی کہ میں خواجہ سرا کے ساتھ سے علیحدہ ہو جاؤں کیونکہ اُسے تحقیق ہے کہ اورنگ زیب نے اس کی گرفتاری اور قتل کا حکم دیدیا ہے۔ ہم ملتان سے روانہ ہو کر دس روز میں لاہور پہنچے۔ یہاں خلیل اللہ خان حاکم تھا۔ خواجہ سرا نے اپنے مکان میں قیام کیا جو لب دریا تھا۔ چونکہ اُس مکان میں اس قدر گنجائش نہ تھی۔ اس لئے اس کے ہمراہی متفرق جگہوں پر ٹھیرے۔ ہم جتنے اہل یورپ تھے وہ بسنت خواجہ سرا سے نصف میل کے فاصلہ پر مقیم تھے۔ پہنچنے سے تیسرے روز بسنت نے مجھے طلب کیا۔ لیکن شام ہونے کی وجہ سے میں نہ جا سکا۔ اُس نے دوبارہ مجھے علی الصباح آنیکے لئے پیام بھیجا۔ آفتاب طلوع ہوتے ہی میں گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ ناگاہ راہ میں مجھے ایک شخص ولاو نامی ملا جو پہلے میرا ملازم تھا۔ اُس نے دریافت کیا کہ میں کہاں جا رہا ہوں میں نے اُسے بسنت خواجہ سرا کا مکان بتایا۔ اُس نے خوف زدہ ہو کر کہا کہ خدا کے لئے وہاں نہ جایئے کیونکہ یہ بات ہر شخص کی زبان زد ہے کہ آج خواجہ سرا کو قتل کیا جائیگا۔ شہر میں بھی تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ سپاہی اور فوج جا بجا متعین ہیں۔ اُس نے مجھ سے پھر واپس ہو جانے پر اصرار کیا۔ تھوڑے سے غور کے بعد مجھے اس صلاح کا خیال آیا جو مجھے پرتگیز نے دی تھی۔ لیکن خواجہ سرا کے احسانات و محبت نے بلا لحاظ کسی خطرہ کے اُس کے مکان پر جانیکے لئے مجھے مجبور کیا۔

گھوڑے کو تیز کر کے میں جلد اُس کے مکان پر پہنچ گیا۔ اندر جا کر میں

خواجہ بسنت کی برابر بیٹھا مگر میں نے اُسے کسی قدر مضطرب اور متردد پایا۔ صرف چند آدمی اُس کے پاس تھے۔ اُس نے آہستہ مجھ سے کہا کہ اُسے کچھ کہنا ہے۔ اسی وقت فاصلہ پر کچھ سوار جھنڈیاں لئے آتے نظر آئے۔ اُن میں سے ایک سوار آگے بڑھ کر خواجہ سرا کے پاس آیا اور ادب و نرمی سے کہا کہ خلیل اللہ خان نے بعد سلام حضور کی خدمت میں یہ عرض کیا ہے کہ حسب الحکم بادشاہ آپ کے لئے شہر میں ایک مکان موجود ہے آپ اُس میں تشریف لے آئیں وہاں آپ ہر طرح محفوظ رہیں گے۔

خواجہ سرا نے خلیل اللہ خان کی عنایت و مہربانی کا شکریہ ادا کرنیکے بعد جواباً کہا کہ وہ مسافرانہ وارد ہوا ہے اور کچھ دنوں کے بعد وہ حاضر دربارشاہی ہو جائیگا۔ اُسے شہر میں کوئی کام نہیں۔ پیامبر یہ جواب لیکر واپس چلا گیا۔ مگر خواجہ سرا فوج کو دیکھ کر پریشان ہوا اور مجھ سے دریافت کیا کہ میرے آدمی فوراً یہاں آسکتے ہیں یا نہیں؟ میں نے جواب دیا کہ اُنکے یہاں تک آنے میں ضرور کچھ دیر ہوگی اور وقت پر نہیں پہنچ سکتے کیونکہ وہ یہاں سے فاصلہ پر ہیں۔ وہ سپاہی جو بسنت خواجہ سرا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یہ سُنکر ایک دوسرے کے کان میں کچھ کہنے لگے اور ایک ایک کرکے سب چلے گئے۔ صرف میں مع دس غلاموں کے وہاں رہ گیا۔ خطرہ کو محسوس کرکے میں بھی جانا چاہتا تھا مگر جوانی کی ترنگ اور ناتجربہ کاری نے مجھے روکا اور انجام دیکھنے کے لئے ٹھیر گیا۔

مثل سابق پھر دوسرا پیامبر آیا اور کسی قدر توضیح کے ساتھ وہی پیام دیکر کہا کہ اگر اب توجہ نہ کی گئی تو آپ کی جان خطرہ میں ہو جائیگی۔ لیکن خواجہ سرا نے وہی جواب دیا رسالہ و پیدل فوج اور نزدیک آگئی۔ جو کچھ اُس وقت ہو رہا تھا اُسے خواجہ سرا خاموشی سے دیکھتا رہا۔ کیونکہ مکان جس میں ہم تھے بلندی پر واقع تھا اور وہاں سے دریا کی ریتی نظر آتی تھی۔ اُس میں چند سایہ دار درخت تھے اور کچی دیواروں سے محصور تھا۔ دریا کے کنارہ پر دیوار کے نیچے جہاں ہم تھے خواجہ سرا کا ایک رشتہ دار گھوڑے پر سوار نیزہ

لئے کھڑا تھا تاکہ اگر ضرورت اور موقع ہو تو اپنی جان سے بھی درگذر نہ کرے۔

تیسری مرتبہ پھر پیام آیا کہ خدا کے لئے وہ بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر کے قلعہ میں چلا آئے۔ اور یہ آخری مرتبہ آگاہ کیا جاتا ہے۔ خواجہ سرا نے اس کا کچھ جواب نہ دیا۔ ہم نے دیکھا کہ پیامبر تیزی کے ساتھ روانہ ہوا اور ادھر سے رسالہ تلواریں کھینچے نعرے مارتا ہوا آگے بڑھا۔ مکان کا محاصرہ کر لیا گیا۔ دریا کی ریتی میں کچھ رسالے ادھر سے اُدھر جاتے تھے۔ اور جس جگہ ہم تھے وہاں تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ خواجہ سرا کا رشتہ دار سوار گھوڑے کو آگے بڑھا کر اور نیزہ لگا کر اس رسالہ کو روکتا تھا یہاں تک کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گیا کہ جہاں دلدل تھی اور حرکت نہ کر سکا۔ آخر کار تیروں سے مارا گیا۔

پیدل سپاہی دیوار پر سے آنا چاہتے تھے مگر ہم نے ایسی مدافعت کی کہ وہ دیوار پر نہ چڑھ سکے منجملہ اوروں کے ہم نے کوتوال کے لڑکے کو بھی مار ڈالا۔ اس پر انہوں نے نہایت جوش اور غصہ سے حملہ کیا۔ ایک سپاہی خواجہ سرا کی پشت کی طرف سے دیوار پر چڑھ آیا اور ایک وار میں خواجہ سرا کا سر قلم کر دیا جبکہ وہ دوسری طرف مخالف کا مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کے بعد اور سپاہی مکان میں گھس آئے اور ہم میں سے جو ملا اُسے قتل کرنا شروع کر دیا جس نے خواجہ سرا کا سر کاٹا تھا وہ مع اور آدمیوں کے غصہ میں مری طرف آیا۔ میں بھی سیدھا انکی طرف چلا اور اپنی تلوار زمین پر پھینک کر دو قدم آگے بڑھا اور عاجزی کے ساتھ اُن کے سامنے میں نے اپنا سر جھکا کر کہا کہ "مجھے قتل کر دو" اور آنکھیں بند کر کے میں تلوار کے وار کا منتظر رہا۔ جب کچھ دیر ہوئی اور میں نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ دشمن کی فوج کا ایک سپاہی ہم دونوں کے درمیان میں کھڑا ہے اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر وہ اُنہیں خدا کا واسطہ دے رہا ہے کہ مجھے قتل نہ کریں۔ لیکن اور سپاہی خون آلود تلواریں لئے ہوئے اُسے درمیان سے ہٹ جانے کو کہہ رہے ہیں۔ میرے حمایت کرنے والے نے کہا کہ "مجھے قتل کر دو مگر اُسے چھوڑ دو" غرض یہ لوگ اپنے ساتھی

سپاہی کا ارادہ معلوم کر کے مجھے چھوڑ کر کسی دوسرے کی تلاش میں چلے گئے۔ میرے بچانیوالی نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ میرے ساتھ آؤ میں تمہیں محفوظ جگہ میں پہنچا دونگا۔ لیکن میں مسلمانوں کی غیر مستقلی سے واقف تھا اس لئے میں نے کہا کہ اگر وہ مجھے مارنا چاہتا ہے تو کسی دھوکہ یا فریب دینے کی ضرورت نہیں وہ مجھے یہاں بھی قتل کر سکتا ہے۔ میں اپنی قسمت پر شاکر ہوں۔ میرے اشتباہ کو معلوم کر کے اُس نے اپنی تلوار میان میں رکھ لی اور وعدہ کیا کہ وہ اپنی جان دیکر بھی مجھے بچا کر محفوظ جگہ پہنچا دیگا۔

ہم ایک کھڑکی سے باہر آئے۔ تقریباً تین آدمی تلواریں لئے یہ کہتے ہوئے میری طرف آئے کہ "اسے بھی قتل کر دو یہ بھی خواجہ سرا کا ہمراہی ہے" آدمی جو میرے ساتھ تھا اُس نے ایک ہاتھ سے میرا بازو پکڑا اور دوسرا ہاتھ ہلا کر اُس نے انہیں میرے قتل کرنے سے منع کیا۔ وہ مجھے لوٹنا چاہتے تھے اور میرے ہمراہی سے کہا کہ وہ تنہا لوٹنے کی وجہ سے اس کی حمایت کرتا ہے۔ وہ مجھے مار کر میرا لباس لے لینا چاہتے تھے۔ اُن کا مقصد معلوم کر کے اور انہیں اپنے قریب پا کر میں نے اپنی پگڑی اور تمام کپڑے اُتار کر اُن کی طرف پھینکدیئے۔ اب میرے پاس سوائے کرتے اور پاجامے کے کچھ باقی نہ تھا۔ تھوڑی دور چل کر میرے حمایتی نے کہا کہ اب کوئی خطرہ نہیں اور اب مجھے چلا جانا چاہئے۔ مجھے کسی قدر اطمینان ہوا تھا کہ ایک وحشی ہندوستانی سپاہی تلوار لئے میری طرف آیا۔ مجھے گالیاں دینے اور سخت الفاظ کہنے کے بعد وہ مجھ سے قمیص کا طالب ہوا۔ اپنے آپ کو اس بے عزتی کی حالت میں پا کر مجھے غیرت آئی اور کہا کہ مجھے قتل ہونا منظور ہے مگر کرتہ دینا نہیں چاہتا۔ اُس کو اشتعال دینے کے لئے میں نے بھی اُسے گالیاں دیں۔ لیکن وہ کرتہ خراب نہ کرنا چاہتا تھا اس لئے مجھ پر وار نہ کیا۔ آخر میں نے کرتہ دینا منظور کر لیا اور اتار کر اُس کے حوالہ کیا۔ میں سر جھکائے شرمندہ و غمگین خطرہ سے بچنے کے لئے برہنہ ہی بھاگا۔ اور تلاش میں تھا کہ کسی دوست کا گھر مل جائے تو اُس میں

پناہ لوں۔ الغرض میں اپنے ایک مسلمان دوست کے گھر میں چلا گیا جس کا نام دولہا تھا۔ یہ پڑھا لکھا آدمی تھا اور اس نے کئی مرتبہ مجھ پر مہربانیاں کی تھیں۔ راستہ میں مجھے ایک عورت ملی اور اُس نے ایک چادر بدن چھپانے کے لئے مجھے دینی چاہی اور کہا کہ گھر پہنچکر اُسے یہ واپس کر دی جائے لیکن میں نے اُس کا ممنون احسان ہونا نہ چاہا اور اُسی طرح آگے بڑھا۔ میں اپنے دوست کے مکان کے نزدیک ہی پہنچا تھا کہ مجھے اپنی طرف آتا ہوا وہ افسر ملا جس کے دانت میں نے پتھر سے توڑ دیئے تھے۔ اُس نے بھی مجھے شناخت کر لیا مگر میری حالت پر اُسے رحم آیا اور سر جھکائے چلا گیا اور مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچایا چند ہی قدم کے بعد میں اپنے دوست دولہا کے مکان میں چلا گیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ اُس نے گرمجوشی سے میرا خیر مقدم کیا۔ مری انتہائی مہمانی و مدارات کی۔ کھانے کے علاوہ اُس نے میرے واسطے لباس بھی مہیا کیا۔ میری زبان سے خدا کا شکر ادا نہیں ہو سکتا جس نے مجھے ان مصیبتوں اور سختیوں سے نجات دی۔

یہ واقعہ دن کے آٹھ بجے پیش آیا تھا۔ میرے ملازموں نے میرے گھوڑے کو اُس جگہ پہنچا دیا جہاں میرے ہمراہی مقیم تھے اور میری موت کی خبر سُنائی جس سے میرے تمام دوستوں کو بہت رنج ہوا۔ اور میری لاش تلاش کرنے کے لئے اُنہوں نے ایک شخص اگنے سیو گومینس (Ignacio Gomens) کو روانہ کیا جس کی مجھ سے خاص رسم تھی۔ اُنہوں نے اُس سے کہدیا تھا کہ لاش یہیں لے آئے تاکہ سب جمع ہو کر کسی مناسب جگہ دفن کر دیں۔ کیونکہ وہاں کوئی پادری نہ تھا۔ اور جب کبھی ہم میں سے کوئی مرتا تو ہم لوگ یہی کیا کرتے تھے۔ میرے تمام ہمراہیوں کو میری موت کا یقین تھا۔ موقع واردات پر پہنچکر اگنے سیو گومنیس نے گیارہ لاشیں دیکھیں جن میں خواجہ سرا کی بے سر لاش بھی تھی۔ اس کا سر خلیل اللہ خان کے پاس روانہ کر دیا گیا تھا جو اُس سے اُس بے عزتی کی وجہ

سے بہت ناراض تھا جو اُس کے ساتھ محاصرہ قلعہ بھکر کے زمانہ میں کی گئی تھی اِگنے سیو گومنیس نے واپس آکر اطلاع کردی کہ میری لاش دستیاب نہیں ہوئی۔ میرے دوستوں نے خیال کیا کہ مسلمانوں نے عیسائی سمجھ کر لاش کو دریا میں پھینکدیا۔ اسلئے انہوں نے تجویز کیا کہ اگلے روز لاش کو تلاش کر کے دفن کریں لیکن خدا کے فضل سے میں زندہ سلامت تھا

شام کے چھ بجے میں اپنے دوست دولہا کے مکان سے خدا کا شکر ادا کرتا ہوا رخصت ہوا اور خاموشی سے اُس طرف روانہ ہوا جہاں میرے ہمراہی مقیم تھے۔ جب میں اُنکے قریب پہنچا تو کسی نے مجھے شناخت نہ کیا حالانکہ میں سب کو جانتا تھا لیکن جب میں نے آواز دی تو سب پہچان کر ہاتھوں کو پھیلائے میری طرف دوڑے۔ فرطِ مسرت سے کسی کی زبان سے بات نہ نکلتی تھی بلکہ سب کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے تھوڑی دیر آرام کرنیکے بعد میں نے تمام قصہ بالتفصیل بیان کیا کہ کس طرح خدا نے مجھ پر رحم فرمایا۔

دوسرے روز خلیل اللہ خان کی طرف سے ہمارے پاس پیام پہنچا کہ ہمیں دربار شاہی میں حاضر ہونا چاہیے جہاں ہماری بخوبی مدارات کی جائیگی۔ اس پر ہم راضی ہو گئے۔ ہمارے ہمراہ ایک افسر مع تیس سواروں کے متعین کیا گیا۔ اور ہم اُنھوں نے قصبہ سرہند میں داخل ہوئے۔ اس کو سرہند اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جگہ صوبۂ لاہور کو ہندوستان سے علیحدہ کرتی ہے۔ قصبہ میں داخل ہونے سے پہلے دروازہ شہر سے تھوڑی دور ایک میدان میں ہم نے پندرہ لاشیں پڑی ہوئی دیکھیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ جیون خان اور اُس کے ہمراہیوں و ملازموں کی لاشیں ہیں۔ اور دارا کو اورنگ زیب کے سپرد کرنیکے بعد اُن کو یہ انعام ملا ہے۔ اورنگ زیب نے حاکم سرہند کے پاس حکم بھیجا کہ جب جیون خان اور اُس کے ہمراہی مکان جاتے وقت یہاں پہنچیں تو اس میدان میں تمام باشندوں سے انہیں سنگسار کرایا جائے۔

اُس کی ناشکر گذاری اور احسان فراموشی کی یہ مناسب سزا تھی) اس سے ہم سب بہت خوش ہوئے۔ مسلمانوں نے جیون خان پر لعنت کی۔

سرہند سے روانہ ہوکر سات دن میں ہم دہلی پہنچے اور ہم نے سُنا کہ اورنگزیب بسنت خواجہ سرا کی موت سے بہت متاثر ہوا۔ اُس کا حکم اُسے قتل کرنے کا نہ تھا بلکہ صرف گرفتار کرنے کی ہدایت کی تھی۔ لیکن خلیل اللہ خان نے زیادتی کی اور بادشاہ کو لکھ بھیجا کہ خواجہ سرا کا قتل کرنا بہت ضروری تھا کیونکہ یہ معلوم ہوا تھا کہ اُس کا ارادہ کوہستان سری نگر کو سلیماں شکوہ کے پاس معہ دو ہزار جنگجو سپاہیوں اور یوروپین کے جانیکا تھا۔ جنہیں دارا نے قلعہ بھکر میں چھوڑا تھا۔ واقعی امر بھی یہی ہے کہ اگر خواجہ سرا آزادی سے سفر کرسکتا تو ہم سب سلیماں شکوہ کے پاس چلے جاتے۔ تین روز کے بعد ہم اورنگزیب کی حضور میں پیش کئے گئے۔ اُس دلیری و وفاداری کو دیکھ کر جو دارا کی رفاقت میں ہم سے ظاہر ہوئی تھی اورنگ زیب ہمیں ملازم رکھنے کا بہت خواہشمند تھا۔ اور اُسے معلوم تھا کہ اُس کے تمام ملازمین میں مثل ہمارے کوئی وفادار اور نمک حلال نہیں۔ اس لئے ہر یوروپین کے اُس نے چار روپیہ اور میرے پانچ روپیہ روزانہ مقرر کئے۔ میرے ساتھیوں نے ملازمت منظور کرلی مگر اُس نفرت کی وجہ سے جو مجھے اورنگ زیب سے تھی میں اسکی نوکری کرنی نہ چاہتا تھا اور میرا دل گوارا نہ کرتا تھا کہ اپنے آقا کے قاتل کی ملازمت کروں۔ چنانچہ میں نے اپنی نامنظوری کا اظہار کردیا۔ اورنگ زیب نے پھر مجھے اپنے روبرو طلب کرکے نوکری نہ کرنے کی وجہ دریافت کی۔ اور پوچھا کہ کیا کمی تنخواہ اس کا سبب ہے؟ میں نے عرض کیا کہ میں خوشی سے یہ ملازمت اختیار کرتا۔ لیکن عرصہ سے میں وطن سے دور ہوں اور یہاں آئے برسوں گذر گئے لہذا مجھے وطن جانے کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

اس بات سے مطلع ہوکر کہ شاہ شجاع نے بنگالہ میں ایسی مورچہ بندی کر رکھی ہے

کہ سر براہ ہونا مشکل ہے۔ ہمارے دہلی پہنچنے سے تھوڑے عرصہ بعد اورنگ زیب نے اور لشکر و توپ خانہ کے ساتھ جس پر مرے ساتھی مقرر ہوئے تھے دلیر خان کو میر جملہ کی کمک کے لئے روانہ ہونے کا حکم دیا۔ اس کے علاوہ تمام راجوں اور حاکموں کو لکھا کہ اسلحہ، آدمیوں اور روپیہ سے میر جملہ کی امداد کریں۔ اور اُس وقت تک مدد دیتے رہیں جب تک شجاع گرفتار ہو یا سلطنت سے نکال دیا جائے۔ اس کمک اور راجوں کی امداد سے قوت پا کر میر جملہ نے شاہ شجاع پر ایسا سخت حملہ کیا کہ جس سے کثیر نقصان اُٹھا کر شجاع بالکل مایوس ہو گیا۔ اُس نے امداد کے لئے جن جن کو خطوط تحریر کئے تھے اورنگ زیب کے خوف سے ان میں سے ایک نے بھی جواب نہ دیا۔ شاہ شجاع یہ سمجھ کر کہ اورنگ زیب نے اُس کے باپ شاہ جہاں اور دو بھائیوں دارا اور مراد بخش سے جو سلوک کیا وہ ظاہر ہے اور ہر معرکہ میں اُسی کی فتح ہوئی لہذا اُسے یقین ہو گیا کہ اُس کے ساتھ بھی ایک روز یہی معاملہ پیش آنے والا ہے۔ اُس نے خیال کیا کہ اگر وہ اس درویش کے پنجہ میں پھنس گیا جو اب بادشاہ ہے تو صرف چند ہی روز زندہ رہے گا۔

اس لئے اس نے اپنے فرزند سلطان بنگ[1] کو شاہ ارکان کے پاس روانہ کیا جو بت پرست تھا اور ماگہ کہلاتا تھا۔ اور اُس سے اس مشکل کے وقت مدد کا خواہاں ہوا اور یہ بھی استدعا کی کہ اگر امداد ممکن نہ ہو تو اُسے معہ ہمراہیوں کے ارکان میں آنے اور اُس وقت تک قیام کی اجازت دی جائے جب تک ایران یا مکہ جانے کے لئے موسم مناسب ہو۔ جب اُس کی قسمت یاوری کرے گی تو اس عنایت و مہربانی کا بدل کیا جائیگا۔ شاہ ارکان سلطان بنگ کے ساتھ بہ مدارات پیش آیا۔ اور چند روز کے بعد اُسے معہ چند کشتیوں کے جنہیں جلبنا کہتے ہیں شاہ شجاع کے پاس واپس کیا۔ یہ

[1] مصنف نے جو یہ نام لکھا ہے ممکن ہے کہ اس سے شاہ شجاع کے دوسرے فرزند سلطان بلند اختر سے مراد ہو

ایک قسم کی جنگی کشتیاں تھیں جنکو وہ پرتگیز چلاتے تھے جو شاہ مذکور کی رعایا تھے۔ اور چاٹ گانوں میں رہتے تھے جو اس بادشاہ اور سلطنت مغلیہ کی سرحد پر واقع ہے۔ شاہ شجاع ایسے بہادر دوست کے مل جانے سے نہایت مطمئن ہوا کہ جیسے اورنگزیب کا کچھ خوف نہیں۔ اپنے آپ کو میر جملہ کے مقابلہ کے ناقابل خیال کرکے اور ہر طرف سے مشکلات میں گھرا ہوا دیکھ کر شاہ شجاع نے معہ اپنی اہل وعیال کے بنگالہ کو خیرباد کہنے کا عزم بالجزم کر لیا۔

وہ شہر ڈھاکہ سے جہاز پر سوار ہوا جو بنگالے میں ایک بڑے دریا کے کنارہ پر واقع ہے۔ لیکن وہاں اُسے بعض وجوہ سے سخت پریشانی کا سامنا ہوا۔ کیونکہ میر جملہ اُسے گرفتار کرنا چاہتا تھا اور اس کوشش میں اُس نے کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا۔ رواج کے موافق عورتوں کو کسی مرد کے سامنے نہ آنا چاہئے۔ مگر یہ وقت ایسا صعب وسخت تھا کہ انہیں ہر شخص کی نظروں کے سامنے بیٹھنا پڑا۔ چونکہ یہ نئی بات تھی اس لئے دیکھنے والوں کو افسوس کے ساتھ رحم آتا تھا۔ اس بات سے شجاع کو بھی نہایت رنج ہوا۔ ایک کشتی میں دو سو پچاس عورتیں جو اُس کے حرم میں سب سے زیادہ خوبصورت تھیں سپاہیوں اور ملاحوں کے ساتھ ملی جلی بیٹھی ہوئی تھیں۔ حالت مایوسی میں اُس نے نہ اُن عورتوں کا خیال کیا اور نہ اُس خزانہ کا جو اُس پر بار تھا اور نہ اُن جواہرات کی پروا کی جو عورتیں پہنے ہوئے تھیں اور اُس کشتی کو ڈبو دینے کا حکم دیا جس کی فوراً تعمیل کی گئی۔ ایک اور مصیبت جو شاہ شجاع پر پڑی وہ یہ تھی کہ وہ کشتی جو منوئل کوئل ہو (Manoel Coelho) کے تحت میں تھی اور جس میں اُس کے خزانہ کا زیادہ حصہ لدا ہوا تھا ساحل اراکان پر خشکی میں چلی گئی اور سب مال ضائع ہو گیا۔ یہ بوڑھے مینوئل کوئل ہو کی شرارت اور کام تھا اور اسی نے چوری کی اسکے علاوہ اور بہت سی مصیبتیں اُٹھا کر شجاع سلطنت اراکان میں پہنچا۔ جہاں شاہ ماگھ نے خلوص کے ساتھ

اس کا استقبال کیا۔ یہاں شاہ شجاع نے اس وقت تک کے لئے قیام کیا جبتک ایران یا مکہ جانیکے لئے مناسب وقت آئے۔

مملکت اراکان

سلطنت اراکان مغرب کی طرف بنگالہ سے ملحق ہے اور اسکے کنارہ پر چاٹ گانوں سمندر کے قریب واقع ہے۔ ایک زمانہ میں بکثرت مختلف نسلوں کے اہل یورپ خصوصاً پرتگیز اور یہاں کے دیسی باشندے یہاں آباد تھے جو سب کے سب عیسائی تھے ان باشندوں سے بنگالہ کو بہت نقصان پہنچا تھا۔ اس ملک کے ہر حصہ میں یہ کشتیوں کے ذریعہ سے آتے اور مردوں، عورتوں، بچوں کو پکڑ کر لیجاتے تھے۔ سونے چاندی کے علاوہ اُن کو شیر خوار بچے اور اُنکی ماؤں کو لیجانے میں بھی کچھ پس و پیش نہ ہوتا۔ یہ ایسے سنگدل اور بیرحم تھے کہ رات کو جب یہ بچے روتے تو اونکی ماؤں کی گودوں سے چھین کر بلا تکلف سمندر میں پھینکدیتے۔ یہ ایسے غیر پابندی سے رہتے تھے کہ انکے تمام افعال شنیعہ لکھنے کے لئے دفتر درکار ہے۔ مختصر یہ ہے کہ لوگ عیسائی یا انسان کہنے کے لائق نہیں۔ ان پر شاہ اراکان کو بڑا اعتماد تھا۔ کچھ تو انکی بہادری کے بھروسہ پر اور کچھ ملک کی حالت کی وجہ سے اُسکو کسی ہمسایہ سلطنت کا خوف نہ تھا۔ کوئی فوج لیکر داخل ملک نہیں ہوسکتا۔ زمین نمناک ہے بکثرت دشوار گذار جنگل اور دریا ہیں جن میں نہنگ بہت ہیں۔ اگر ایسی حالت نہ ہوتی تو اب تک مغل اسے اور پیگو کو معہ سیام کے فتح کر لیتے۔ انکی سرحد پر ایک دوسرے سے متصل ہیں۔ اراکان ان ممالک اور سلطنت مغلیہ کے درمیان میں ہے۔ مملکت اراکان اور پیگو میں ایک خاص موسم پر پانی کی ایک قسم کی طغیانی ہوتی ہے جس سے تمام ملک سیراب ہوجاتا ہے۔ یہ طوفان اس تیزی سے آتا ہے کہ اگر گھوڑا تیز دلکی جاتا ہو تو بھی وہ نہیں بچ سکتا۔ نصف گھنٹہ سے بھی کم میں

بیس فرسخ تک پانی پھیل جاتا ہے۔ زمین زرخیز ہے اور پیداوار بکثرت ہوتی ہے لیکن باشندے ایسے ہی ظالم ہیں جیسے شیر، ہاتھی، گینڈے، بھینسے جو یہاں کے جنگلوں میں بکثرت رہتے ہیں۔

سلطنت پیگو

یہ سلطنت کبھی خود مختار تھی اور کوئی بادشاہ نہ تھا۔ یہاں تک کہ ایک قوم اُٹھی جسے برمن کہتے تھے اور جو اپنا نصف بدن رنگین کرتے ہیں یہ اس ملک اور آس پاس کی جگہوں پر قابض ہوگئے۔ اور انہوں نے اپنی فتوحات کو اس قدر وسعت دی کہ اُنکے ملک کی سرحد چین، آسام، اراکان سے جا ملی۔ یہاں یاقوت، زمرد، سونا، لوہا، تانبا، سیسہ، ٹین، لاکھ، شہد، موم، گندک، درختوں کا معدنی تیل، ہاتھی دانت، بکثرت ہوتے ہیں۔ برمن بادشاہ رعایا سے کوئی محصول نہیں لیتا بلکہ بذریعہ سمندر یورپ کی قوموں کے ساتھ تجارت کرتا ہے اسکے پاس جو تحفے آتے ہیں اُنسے دُگنا یہ ہدیہ پیش کرنیوالے کو دیتا ہے اور ہدیہ پیش کرنیوالے کا یہی مطلب ہوتا ہے مذہبی پیشواؤں کی ایک جماعت ہے جنہیں پرتگیزی زبان میں ٹالاپو کہتے ہیں۔ یہ صرف پاکدامنی، تواضع، اور مفلسی کے قائل ہیں۔ یہ زرد رنگ کا چوغہ اور سرخ ٹوپی پہنتے ہیں۔ سب لوگ اُن کی عزت کرتے ہیں اور اُنکی ضروریات کے کفیل ہوتے ہیں۔ برمنوں کی عورتیں قریب قریب برہنہ رہتی ہیں۔ سوائے ایک کپڑے کی نقاب کے سامنے سے بالکل کھلی ہوئی رہتی ہیں اور بےحیائی کے ساتھ چلتی ہیں۔ مرد زوجہ کو مول لیکر شادی کرتا ہے اور جب چاہے اُسے گھر سے نکال کر دوسری شادی کرسکتا ہے۔ عورت کو بھی یہ اختیارات حاصل ہیں۔

یہ مثل خدا کے بادشاہ کی تعظیم کرتے ہیں۔ جب کوئی درباری بادشاہ سے کوئی درخواست کرنی چاہتا ہے تو زمین پر مُنہ کے بل لیٹ کر عرض کرتا ہے۔ اگر اتفاقاً بادشاہ کسی شہزادہ

یا حاکم کے قتل کا حکم دیتا ہے تو شاہی محل سے ایک سپاہی اُس وقت روانہ کیا جاتا ہے جبکہ وہ شہزادہ یا حاکم اپنے دربار میں ہوتا ہے۔ سپاہی ایک جھنڈی لئے ہوئے آکر اُسے سزا کا حکم سُناتا ہے۔ بادشاہ کے دستخط دیکھ کر اُس کے دوست و رشتے دار آکر اُسے اس بات کی مبارکباد دیتے ہیں کہ بادشاہ نے اُسے یاد رکھا پس سپاہی کے نزدیک آکر وہ اپنے ہاتھ سے اپنا گلا کھول دیتا ہے اور سپاہی اُس کا سر قلم کر لیتا ہے۔

اس سلطنت پر صرف قلم کے ذریعہ سے حکومت کیجاتی ہے۔ کیونکہ کوئی شخص ایک گانوں سے دوسرے گانوں میں بغیر تحریر کے نہیں جا سکتا اور اسی وجہ سے سلطنت کرنے میں وہاں بہت آسانیاں ہیں۔ یہ برمن بادشاہ اپنے نام کے ساتھ بہت سے شاندار خطابات شامل کرتے ہیں۔ جیسے شاہ شاہان مغرب و مشرق تکمیل کنندہ عدل و انصاف وغیرہ وغیرہ۔ ہندوستان کی قوموں میں ایک بھی ایسی نہیں جسکے پاس کوئی قانون کی کتاب ہو لیکن برمنوں میں بحث و مباحثہ، سزا، مرافعہ، وغیرہ کی کتابیں موجود ہیں۔ ایک مرتبہ ایک پرتگیز نے بڑا یاقوت خرید کیا اور اُس کا ارادہ تھا کہ اسے نفع کثیر کے ساتھ شاہ سیلون کے ہاتھ فروخت کرے۔ مگر نگینہ ساز نے اُسے دیکھ کر بتایا کہ یہ دو ٹکڑے ملے ہوئے ہیں۔ اور پرتگیز کی اجازت سے اُس نے وہ دونوں ٹکڑے علیحدہ کر کے دکھا دیے اور پھر اُنکو جوڑ دیا۔ پرتگیز نے تمام محکموں کو چھوڑ کر براہ راست بادشاہ کے سامنے دہوکہ دہی کا دعویٰ کیا۔ شاہ پیگو قانون سے بالکل ناواقف تھا اس نے مدعی سے دریافت کیا کہ جو کچھ سزا تجویز ہوگی اُس کو بلا اپیل کئے منظور کر لیگا۔ اور یا کسی دوسری عدالت میں چارہ جوئی کرنیکا بھی قصد ہے؟ پرتگیز نے بادشاہ کو ہوشیار و تعلیم یافتہ سمجھ کر جواب دیا کہ بادشاہ کا جو فیصلہ ہوگا وہ بسر و چشم منظور ہوگا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ جس شخص نے یاقوت دہوکہ دیکر فروخت کیا ہے اُسکی دونوں آنکھیں نکال لی جائیں اور مدعی کی غفلت و بے توجہی کی یہ سزا ہے کہ اُسکی ایک آنکھ نکالی جاوے بادشاہ کے فیصلہ سے ناراض ہو کر پرتگیز نے یاقوت پھینکدیا اور یہ کہتا ہوا باہر نکل آیا کہ ظالم

بادشاہ کی سزا بھی ظالمانہ ہوتی ہے"۔ اس ملک کے متعلق بیشمار باتیں ذکر کے قابل ہیں مگر میں اپنی تاریخ کے مقصد سے بہت دور چلا گیا اس لئے اس ذکر کو چھوڑ کر میں سلطنت مغلیہ کا حال بیان کرتا ہوں جو میرا مطمح نظر ہے۔

شاہ شجاع کے اراکان پہنچنے پر اس ملک کے دستور کے موافق بہت کچھ عزت اور خاطر و مدارات کی گئی۔ کچھ روز بعد شاہ اراکان نے شہر سے باہر ایک محل میں شجاع کو مدعو کیا۔ لیکن شہزادہ اگرچہ پناہ گزیں اور حاجتمند تھا مگر اپنی وقعت و عزت کو خیال کر کے وہ اپنے آپ کو شاہ اراکان سے کہیں زیادہ سمجھتا تھا۔ اور شاہ اراکان عادات و خصائل، عزت و وقعت میں مغلوں کے ایک ادنیٰ فوجی افسر سے بھی برابری نہیں کر سکتا تھا۔ شجاع نے اس کے پاس جانا اور بیٹھنا ناپسند کر کے اپنے فرزند سلطان بنگ کو اسکے پاس بھیجدیا اور بیماری کا عذر کر کے اپنے نہ آنے کی معافی چاہی۔ ماگھہ سلطان بنگ کے آنے سے اس لئے خوش ہوا کہ وہ قیمتی جواہرات اور کپڑے کے تھان اُس کو نذر دیگا۔

جب دونوں اپنی اپنی جگہ بیٹھ چکے تو متعدد کھانوں کی رکابیاں انکے سامنے آئیں منجملہ انکے ایک بڑے اور لمبے برتن میں بھینس کا کچا تازہ خون بھی نہایت تکلف کے ساتھ لایا گیا۔ شہزادہ اُسے دیکھ کر متغیر ہوا اور ناک بند کر لی۔ شاہ اراکان نے اُسے اپنے سامنے رکھ لیا اور دونوں ہاتھوں سے اُسے بڑی رغبت سے کھانا شروع کیا۔

شاہ اراکان یہانتک بیباک ہوا کہ اپنے پسر کی زوجیت کیلئے شاہ شجاع کی دختر کی خواستگاری کی۔ شاہ شجاع کو سوائے اسکے اور کچھ انتظار نہ تھا کہ موسم ٹھیک ہو جائے تو ایران یا مکہ کو روانہ ہو۔ مگر اس میں ابھی عرصہ تھا اور شجاع شاہ اراکان کی ناشائستگی اور مغرورانہ حرکات سے مشتعل ہوا کہ اُس نے اُس کی دختر کی خواستگاری کی۔ اُسے اندیشہ ہوا کہ اُس کے ساتھ سختی اور بے عزتی کا برتاؤ نہ کیا جائے۔

اگرچہ اسکے ساتھ مسلح سپاہی کم تھے مگر اراکان میں جو مغل اور پٹھان رہتے تھے وہ

اسکی طرف بہت مائل تھے۔ اسلئے اس نے یہ ارادہ کیا کہ بغاوت کرکے اور راجہ کو قتل کرکے اس ملک پر قبضہ کرلیا جائے۔ اور ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کے لئے بنگالہ جانا چاہئے اور اس طرح پہلے سے ایسی جگہ قبضہ میں آجائے گی کہ بصورت ناکامیابی جہاں پناہ مل سکے گی۔

اس نے اپنے معتمدین سے مشورہ لیا لیکن یہ راز پوشیدہ نہ رہ سکا۔ چونکہ یہ عرصہ تک مقیم رہے لہذا شاہ اراکان کے کانوں تک اس سازش کی خبر پہنچے بغیر نہ رہی۔ اور شاہ اراکان نے شجاع اور اُس کے ہمراہیوں کے قتل کا ارادہ کرلیا۔ اُس نے فوج کے چاروں افسروں کو طلب کیا جن میں ہر ایک کی ماتحتی میں تین تین ہزار مسلح سپاہی تھے اور ان چاروں پر اُسے اعتماد تھا۔ ہر افسر مع اپنے تین ہزار سپاہیوں کے آٹھ روز تک شاہ کی حفاظت کرتا تھا۔ اسکے بعد دوسرا افسر مع سپاہیوں کے آٹھ روز تک رہتا۔ اسی طرح چاروں باری باری پہرہ دیتے۔ اور اسکے بعد پھر پہلا افسر آجاتا اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہتا۔ شاہ اراکان نے انہیں حکم دیا کہ ایک روز علی الصباح سب جمع ہوکر یہ نعرہ لگائیں کہ "شاہ اراکان کی عمر دراز اور شاہ شجاع اور تمام دغابازوں کو موت آئے" اور اسکے بعد وہ سب کو قتل کردیں۔ ان افسروں نے حکم کی تعمیل کی اور شجاع کے ہمراہیوں میں جس کسی کو پایا قتل کردیا۔ جب یہ خبر شاہ شجاع کو پہنچی تو وہ اپنی جان بچانیکے لئے ہاتھی پر سوار ہوگیا اور اُسے اُمید تھی کہ اُسکی ذاتی وقعت و عزت کے خیال سے اُسے کچھ نقصان نہ پہنچے گا لیکن ماگھ ایسا غضبناک تھا کہ ہر چیز جو اُسکے سامنے آتی اُسے پھینکدیتا تھا۔ اور بار بار یہ آواز بلند پکارتا تھا کہ "شاہ شجاع کی موت" کچھ لوگ کہتے تھے کہ "اُسکی بیٹے سلطان بنگ کو موت آئے" ایک گروہ چلا رہا تھا کہ "اُن مکار و دغاباز مغلوں کو قتل کردو جو بنگالہ سے بھاگ کر یہاں آئے ہیں"۔ سلطان بنگ گرفتار ہوگیا اور شاہ شجاع معہ چند آدمیوں کے جنگل میں بھاگ گیا اس موقع پر شاہ شجاع نے بہت سے موتی اور جواہرات ان وحشیوں کو اس امید پر دیئے کہ شاید اسی ذریعہ سے انکا غصہ فرو ہو اور اُسے بھاگنے کا موقع مل جائے مگر انہوں نے اسکی دولت کی طرف کچھ توجہ نہ کی اور گرسنہ بھیڑیوں کی طرح تعاقب کرکے اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے۔ اُسکی لاش پر لباس تک نہ چھوڑا

اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا۔ غریب شہزادہ شجاع کا اس غم انگیز طریقہ سے خاتمہ ہوا۔ اسی نے سب سے پہلے اپنے باپ شاہجہاں سے بغاوت اختیار کی اور یہی ان تمام لڑائیوں کا باعث ہوا جن کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔ اور بحد مصیبتیں نازل ہوئیں۔ یہ اپنی رائے کا فریفتہ اور اپنے خیالات کا غلام تھا۔ افسوس! اراکان کی دلدل اس کا میدان جنگ ہوئی۔ شیروں اور بھیڑیوں کے شکموں کی اسے قبر نصیب ہوئی۔ شہزادہ بنگ کچھ عرصہ تک قید رہا۔ مگر پھر آزاد کر دیا گیا لیکن اس نے پھر ایک چالاکی اور فریب کرنا چاہا اور ماگھ کے حکم سے اسکا سر تیرسے کاٹ دیا گیا۔ شاہ شجاع کی عورتوں اور بیٹیوں کو شاہ نے اپنے محل میں بھیج دیا۔ مگر محل کی دیگر عورتوں کے شبہ کرنے کی وجہ سے ماگھ نے انہیں محل سے نکال دیا۔ وہ خراب و خستہ در بدر پھرتی رہیں یہاں تک کہ ایک ایک کرکے سب مر گئیں۔

ان شہزادوں کی بے عزتی اور انجام کی خبریں ڈچوں کے ذریعہ سے سلطنت مغلیہ میں پہنچیں جنہیں سنکر اورنگزیب نہایت خوش ہوا لیکن نہ تو اس خبر کی تصدیق ہوئی اور نہ کوئی شہادت تھی اس لئے شاہ شجاع کی موت کا اسے پورے طور پر یقین نہ تھا۔ اور اندیشہ تھا کہ اس خبر کے پردہ میں ممکن ہے کہ کوئی چال یا فریب ہو۔ لہذا اس خبر کی تصدیق کے لئے اس نے تمام اہل یورپ کو جو شہر میں تھے طلب کرکے دریافت کرنا شروع کیا۔ سب نے یہی بیان کیا کہ شاہ شجاع نے مع اپنے فرزند کے دنیا سے رحلت کی۔ کیونکہ ایک ڈچ مسمی بہ جن ٹک (Jan Tak) کے پاس اراکان سے دوسرے ڈچ کا خط آیا ہے جس میں اول سے آخر تک شاہ شجاع کا حال لکھا ہے۔ خط مذکور بغرض اطمینان فارسی میں ترجمہ کرکے اورنگزیب کے سامنے پیش کیا گیا۔ جب وہ ترجمہ کو ملاحظہ کر چکا تو دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اس نے یہ فقرہ کہا کہ "تکبر چنان است کہ آخر کار پشیمان است تواضع چیزے است کہ در عرش عزیز است" (غرور کا انجام پشیمانی ہے۔ تواضع ایسی چیز ہے جو خدا کو پسند ہے) اسکے بعد جلسہ فاتحہ خوانی کیا گیا جس میں خیرات تقسیم کی گئی۔ خصوصاً

مذہبی علما کو بہت کچھ دیا گیا اور اُنسے کہا گیا کہ شجاع کے لئے دعائے مغفرت کریں جس نے ایک بت پرست اور کافر کی عملداری میں مقام اراکان وفات پائی ہے۔ اور حکم دیا گیا کہ تمام سلطنت کے خاص خاص شہروں میں اسی قسم کے جلسے کئے جائیں۔ اس چالاک شخص نے یہ کاروائی مرحوم شجاع کی محبت یا ہمدردی سے نہ کی تھی بلکہ اُس کا منشا یہ تھا کہ شاہ شجاع کی موت کی خبر سنکر سب لوگ اُسے سلطنت مغلیہ کا واحد مالک تسلیم کرلیں۔ باوجود ان پیش بندیوں اور احتیاطوں کے شجاع کی موت کی نسبت تمام سلطنت میں عرصہ تک لوگوں کو شبہ رہا۔ کچھ کہتے تھے کہ وہ فقیر کا بھیس بدلکر ایران چلا گیا۔ بعضوں کا قول تھا کہ اُنہوں نے خود اُسے سلطنت مغلیہ کی سرحد پر دیکھا ہے۔ اور ایسے واقعات و علامات بیان کرتے تھے کہ زیادہ حصہ اُسکی زندگی کا قائل ہو کر اُسکی آمد اور بادشاہ ہونیکا منتظر تھا۔ ایک عہدہ دار نے افغانوں کے ملک میں جاکر اپنے آپ کو شجاع ظاہر کر کے بہت آدمی اپنے طرفدار بنائے جسکا حال میں جلد دویم میں بیان کرونگا۔ ان قیاسوں اور افواہوں کا اُس وقت خاتمہ ہوا جب چند آدمی اراکان سے آئے اور شہزادہ کی موت کی نسبت چشم دید حالات بیان کئے۔

اورنگ زیب اپنے عزیزوں کے خون کا ایسا پیاسا تھا کہ دونوں بھائیوں اور اُنکے ساتھیوں کا خون بہا کر بھی اسے تسکین نہ ہوئی اور اب یہ سلیمان شکوہ ابن دارا کی گرفتاری کی فکر کرنے لگا جو راجہ سری نگر کے علاقہ میں پناہ گزیں تھا۔ اورنگ زیب کو خوب یقین تھا کہ راجہ اُسکے وعدوں، انعامات، تحائف اور خوف دلانے پر کچھ توجہ نہ کریگا۔ لہذا اُس نے راجہ جے سنگھ کی معرفت یہ کام لینا تجویز کیا کہ یہ اپنی طرف سے راجہ سری نگر کو خط لکھکر سمجھائے کہ وہ سلیمان شکوہ سے دست بردار ہو جائے۔

چنانچہ راجہ جے سنگھ نے راجہ سری نگر کو اس مضمون کا خط لکھا کہ "تمہارے لئے سلیمان شکوہ کو اورنگ زیب کے حوالہ کر دینا کچھ مشکل نہ تھا۔ اور اس ذریعہ سے وہ تمہارا دوست بن جاتا جس سے جلد یا دیر میں فائدہ پہنچنے کی امید ہو سکتی ہے۔ لیکن سلیمان شکوہ ایک غریب

شہزادہ ہے جسکے باپ کا سر قلم ہو چکا جسکے تمام ذرائع برباد ہو چکے۔ اب اس سے کسی بات کی امید رکھنا فضول ہے۔ اسکے برخلاف اورنگ زیب باشرکت غیرے فتحمند اور اور ذی قوت بادشاہ ہے اور وہ ہر قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ اگر تم اپنے ایک دوست کی صلاح نہیں سُننا چاہتے تو تمہیں یہ کبھی فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ اورنگزیب کے قبضہ میں خزانہ سپاہ اور متعدد سپہ سالار ہیں اور وہ انکو موقع مناسب پر کام میں لا سکتا ہے۔ جو اسکے دشمن کو پناہ دیگا وہ بھی اُس کا دشمن ہے۔ میری غرض اس لکھنے سے کچھ اور نہیں سوائے اسکے کہ تمہارے ملک میں امن رہے۔ اور وہ محبت اس کا باعث ہوئی جو مجھے بوجہ ہم مذہب ہونیکے تم سے اور تمہارے خاندان سے ہے" راجہ سری نگر نے راجہ جے سنگھ کو یہ جواب دیا کہ "اگر میرا دشمن بھی میرے یہاں پناہ لے تو اُسے بھی حوالہ کرکے میں اپنی نیک نامی اور شہرت کو نقصان پہنچانا نہیں چاہتا میں آپ کی دوستی اور محبت کا تو مشکور ہوں مگر مجھے اورنگ زیب کے نہ وعدوں کا اعتبار اور نہ دھمکانے کا خوف ہے۔ تمہیں اُسے آگاہ کر دینا چاہیئے کہ اُسکی فتوحات اور فوج کی میرے دل میں ذرا بھی وقعت نہیں ہے۔ کیا اُسے وہ موقع یاد نہیں کہ جب اُس کے باپ شاہجہاں نے تیس ہزار سواروں اور ایک لاکھ پیدلوں کا مختصر لشکر سری نگر بھیجا تھا جن میں سے اکثر اس پہاڑ میں سے نکٹے ہو کر گئے اور باقی مارے گئے۔ آپ اُسے مطلع فرما دیں کہ جو شخص ناکیں کاٹ سکتا ہے وہ سر بھی قلم کر سکتا ہے۔ اس معاملہ میں اورنگزیب جو چاہے کرے مگر پناہ گزیں شہزادہ کو نہ میں خود حوالہ کرونگا اور نہ کسی کو ایسا کرنے دونگا"

یہ جواب سُنکر اورنگزیب نے خیال کیا کہ وہ خود تو اُسے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ لہذا یہ تجویز کی کہ کسی ترکیب سے راجہ سری نگر کے ہمسایہ راجوں کو اُس سے لڑا دیا جائے۔ یہ سوچکر اُس نے راجہ جے سنگھ کے پاس حکم بھیجا کہ بڑے بڑے وعدوں اور قیمتی تحائف و خوش تقریری کے ساتھ ان راجوں کو ترغیب دیکر راجہ سری نگر سے جنگ کرا دی جائے۔

اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ سے بھی یہ وعدہ کیا کہ اگر وہ راجہ سری نگر سے سلیماں شکوہ کو حوالہ کرادیگا تو اُس کے علاقہ میں بھی اضافہ کیا جائیگا۔

راجہ سری نگر تو بوڑھا تھا مگر اُسکے ایک جوان لڑکا تھا جسے جلد راجہ ہونیکی امید تھی۔ اس لئے اورنگزیب کی عنایت و اشفاق کا متمنی ہوکر اُسنے اپنے باپ کی خواہش اور رائے کے خلاف سلیماں شکوہ کو حوالہ کرنے کا معاہدہ کرلیا۔ اُس کا منشا یہ تھا کہ سلیماں شکوہ کو خفیہ طور سے دامنِ کوہ میں اورنگ زیب کے آدمیوں کے سپرد کر دیا جائے۔ سلیماں شکوہ کو راجہ کے لڑکے کا یہ ارادہ معلوم ہوگیا اور سری نگر سے چلا جانا چاہا۔ موقع پاکر وہ حسب معمول شکار کے لئے روانہ ہوا اور اُس کا ارادہ تھا کہ وہ تبت کو چلا جائے جو مملکت چین کا صوبہ ہے۔

جب راجہ کے لڑکے کو اسکی روانگی کی اطلاع ہوئی تو وہ اپنے باپ کی بلا اطلاع کافی آدمی لیکر اُسکے پیچھے روانہ ہوا۔ کچھ فاصلہ پر اس نے سلیماں شکوہ کو جا پکڑا اور اُسے اورنگزیب کے آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ انہیں آدمیوں کی معرفت اس نے یہ پیام بھیجا کہ "یہ فعل میں نے اپنے باپ کی مرضی کے خلاف محض بادشاہ کی دوستی اور رحمت کے لئے کیا ہے۔ اگر کچھ روز بعد اُسے شاہی امداد کی ضرورت پڑی تو کامل امید ہے کہ بادشاہ کو انکار نہ ہوگا"

بیچارہ سلیماں شکوہ کو پا بہ زنجیر دہلی روانہ کیا گیا۔ جہاں وہ رات کو پہنچا۔ جب اورنگزیب کو اطلاع ہوئی تو اُسے قلعہ سلیم گڑھ میں بند کرنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن اُس نے ہدایت کی کہ بیڑیاں پاؤں سے علیحدہ کرلی جائیں اور پیتل کی ہتکڑیاں ہاتھوں میں ڈال کر اُس کے سامنے لایا جائے۔ ان ہتکڑیوں کو بعض آدمی طلائی خیال کرتے تھے۔ سلیماں شکوہ کو اُسنے اس لئے اپنے سامنے بُلایا کہ اول تو اس امر کا اطمینان منظور تھا کہ واقعی وہ سلیماں شکوہ ہے یا نہیں۔ دوسرے اُس نے سنا تھا کہ یہ نہایت خوبصورت ہے اور قدرت نے اس کی صورت بنانے میں اپنی انتہائی صنعت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ اس ظالم نے سلیماں شکوہ

کو بڑے شوق سے دیکھا کیونکہ یہ آخری کانٹا تھا جو اسکی آنکھوں میں کھٹکتا تھا اور جسے وہ نکالنا چاہتا تھا۔ ورنہ باقی یا قتل کر دیئے گئے تھے یا قید میں تھے۔ بدنصیب سلیمان شکوہ رونے لگا اور یہ بجائے جان بخشی کی استدعا کی اور عرض کیا کہ اسکی رگوں میں بھی وہی خون ہے جو خود بادشاہ کی رگوں میں ہے۔ مگر اورنگزیب کا دل ایسا نرم نہ تھا جو آنسوؤں سے پسیجتا۔ اس نے تمام امرا و حاضرین دربار سے اُسے شناخت کرایا اور سب نے بالاتفاق اُسے سلیمان شکوہ بتایا۔ تب اورنگزیب نے اُسی قلعہ گوالیار روانہ کرنے اور پوست کا پانی دینے کا حکم دیا جیسے مراد بخش اور سلطان محمد کو دیا جاتا تھا۔ اسکے وہاں پہنچنے کے ایک ماہ بعد حکم پہنچا کہ زہر دیکر اُس کا کام تمام کر دیا جائے۔ چنانچہ اسکی تعمیل کے بعد قلعہ مذکور کے اندر ہی لاش دفن کر دیگئی۔ سلیمان شکوہ دارا کا فرزند اکبر اور اعلیٰ درجہ کا حسین تھا۔ سب سے پہلے اس نے شاہ شجاع پر فتح پائی تھی۔ مگر اورنگزیب کی خوش قسمتی نے اسے پہاڑوں میں جلاوطن ہونے پر مجبور کیا۔ اس نے اُن ناہموار دشوار گذار پہاڑوں میں سفر کرنے سے بڑی مصیبتیں اور سختیاں اُٹھائیں۔ کبھی اسے پیدل اور کبھی بکروں پر سوار ہو کر سفر کرنا پڑا جیسا کہ اُس ملک کا دستور ہے کئی مرتبہ اسے اپنی جان بچانے کے واسطے پہاڑ کے ایک ٹیلہ سے دوسرے ٹیلہ پر کود کر بیٹھ کر جانا پڑا جسے رسوں سے کھینچا جاتا تھا۔ سامان خوراک نہ ہونے کی وجہ سے اسے کئی کئی روز جنگلی پھل اور جڑیں کھا کر بسر کرنا پڑی۔

جب بوڑھے راجہ سری نگر کو اپنے اکلوتے بیٹے کی اس حرکت ناشائستہ کا علم ہوا تو اسکو ایسا رنج و صدمہ ہوا کہ تھوڑے عرصہ کے بعد مر گیا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اُسکی دولت و سلطنت کا چلا جانا بہتر تھا بجائے اسکے کہ اسکے پسر سے اُس خلاف انسانیت فعل کا ظہور ہوتا۔ یہ راجہ عیسائی پادریوں کا بڑا دوست تھا اور انہیں اپنے ملک میں گرجا بنانے کی اجازت دیدی تھی۔ اور عام طور سے اعلان کر دیا تھا کہ جسکی مرضی ہو وہ مذہب عیسوی قبول کرے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک اٹلی کے دو پادری فادر اسٹینلو مال پکیو (Father Stanilao Malpique) اور فادر چیسکو (Father Chesco) اس کے

بڑے دوست تھے۔

اب اورنگزیب کو اس بات کی ضرورت باقی رہ گئی تھی کہ وہ مجرمین کو سزا دہی و معافی کر اختیارات کے ساتھ بادشاہ تسلیم کرلیا جائے جس کیلئے قاضی القضاۃ کے فتوے کی ضرورت تھی۔ مگر قاضی القضاۃ و دیگر قاضی شاہجہاں کے بقید حیات ہونیکی وجہ سے ایسا فتویٰ نہ دیتے تھے۔ اور ابھی تک اورنگزیب کے بھائیوں کے غموں سے اُنکے سینے فگار تھے۔ اس لئے اس نے ایک اور شخص عبدالوہاب[1] کو قاضی القضاۃ مقرر کیا۔ جو ادنیٰ درجہ کا آدمی تھا اور اس عہدہ اور عزت کے ملنے سے اورنگزیب کا ممنون احسان ہوگیا۔ اُس نے اورنگزیب کے وارث تخت و تاج ہونیکا فتویٰ دیدیا۔ کسی کو مستحق سلطنت قرار دینے کیلئے ایسے شخص کا فتویٰ کب قابل وقعت ہوسکتا ہے جو اپنا فائدہ چاہتا ہو اور اُس شخص کا دست نگر بھی ہو۔

اورنگزیب کو اسکا بڑا خیال تھا کہ تخت شاہی حاصل کرنیکے لئے اگرچہ اُس نے بڑی محنتیں اُٹھائیں۔ مگر ہنوز ایک مشکل باقی ہے۔ وہ یہ کہ مرادبخش ابھی زندہ ہے اور اکثر امرا اس کے طرفدار ہیں اور اسکی بہادری و سخاوت کی وجہ سے اُسی کا بادشاہ ہونا چاہتے ہیں۔ اس لئے اورنگزیب ہر ماہ اُسکی تصویر تیار کراکر ملاحظہ کرتا تاکہ معلوم ہو کہ افیون کے پانی نے اُس کی تندرستی پر کچھ اثر کیا یا نہیں۔ یا ایسی علامات پیدا ہوئیں جن سے معلوم ہو کہ اسکی موت نزدیک ہے۔ مگر اُسے دریافت ہوا کہ اُس کی قوت اندامی نے زہر کا کچھ اثر نہیں ہونے دیا۔ لہذا اُس نے انصاف کے پردہ میں اُسکی جان لینی چاہی۔ میں پہلے بیان کرچکا ہوں کہ مرادبخش جب صوبہ گجرات میں تھا تو اُس نے اپنے دیوان کو نیزے سے

---

[1] عبدالوہاب ایک گجراتی بوہرہ تھا۔ ۱۰۷۹ھ (۶۹-۱۶۶۸ء) سے پہلے قاضی القضاۃ تھا۔ (ماثر عالمگیری) مگر اس کے تقرر کی تاریخ درج نہیں۔ اس نے ۱۰۸۶ھ (۷۶-۱۶۷۵ء) میں وفات پائی۔ ماثر الامرا میں اسکی مفصل سوانح عمری تحریر ہے۔

مار ڈالا تھا۔ اورنگزیب نے اس گذشتہ واقعہ کو اپنے تکمیل مقصد کا ذریعہ بنانا چاہا اور خیال کیا کہ اگر انصاف کے بہانہ سے اُسے قتل کیا گیا تو کوئی شخص الزام نہیں دیسکتا۔ لہذا خفیہ طور سے اُس نے مقتول کے رشتہ دارونکو طلب کیا اور تیسرے شخص کی معرفت اُنہیں ترغیب دی کہ وہ مقتول کے بدلے میں محبوس شہزادہ کی جان طلب کریں۔ اُنہیں یقین دلایا کہ اس معاملہ میں انصاف کے علاوہ معاوضہ میں روپیہ بھی دیا جائیگا مقتول کے رشتہ داروں نے جواب دیا کہ "اب جبکہ شاہزادہ مرادبخش تباہ و برباد ہوچکا تو گذشتہ واقعات کو وہ روشنی میں لانیکے خواہشمند نہیں" ظاہر ہے کہ اس جواب سے اورنگزیب کب خوش ہوسکتا تھا جو اُسکی خواہش کے بالکل خلاف تھا۔ آخر بعد تلاش معلوم ہوا کہ مقتول کا ایک بھتیجا ہنوز زندہ ہے جو طامع اور مفلس ہے۔ لہذا وہ طلب کیا گیا اور بہت سے وعدے کرکے اُسے بھی وہی ترغیب دی گئی۔ وہ راضی ہوگیا اور اعلیٰ عدالت میں جاکر مرادبخش کے خلاف اپنے چچا کے قتل کا دعویٰ دائر کردیا۔ قاضی کو پہلے ہی سے ہدایت کردیگئی تھی۔ مدعی نے بطلب انصاف اپنے چچا کے قصاص میں مرادبخش کے قتل کئے جانیکی استدعا کی۔ چونکہ مقتول سید اولاد رسول تھا اس لئے مرادبخش کی شہزادگی اُسے اس جرم سے بری نہیں کرسکتی تھی۔

قاضی نے حسب ہدایت مرادبخش کے قتل کا حکم دیدیا۔ اور اُسکی تعمیل کیلئے بادشاہ نے کچھ سپاہی مع اپنے غلاموں کے روانہ کئے۔ اُنہوں نے گوالیار پہنچکر مدعی اور دوسرے گواہوں کے سامنے مرادبخش کا سر قلم کرلیا اور اس طرح شاہی نسل کا خاتمہ ہوگیا۔ اور اب سوائے سپہر شکوہ ابن دارا اور مرادبخش کے لڑکے کے کوئی باقی نہ رہا جن کا حال میں جلد دوئم میں بیان کرونگا۔ اب اورنگزیب تمام سلطنت کا واحد مالک ہوگیا۔ ان دعویداران تاج کا خون بہاکر اُس کے دل کو اب کلی اطمینان نصیب ہوا۔

اب صرف یہ بیان کرنا باقی رہ گیا ہے کہ اورنگزیب نے اُن لوگوں سے کس طرح انتقام لیا جو شاہزادوں کے قتل میں شریک تھے جس شخص نے مرادبخش کا سر قلم کیا اور انعام

لینے کی امید میں قلعہ سے باہر نکلا اُوسے اب تک نہ کسی نے دیکھا اور نہ یہ معلوم ہوا کہ وہ کہاں گیا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ جن غلاموں نے دارا اور مراد بخش کو قتل کیا وہ باہر نکلنے نہ پاسے اُسی روز وہیں مار دیئے گئے۔ صرف نذر بیگ اور مقبولا افسران غلامان باقی رہ گئے وہ بھی بہت دنوں تک زندہ نہ رہ سکے۔ اورنگزیب نے ایک روز تخلیہ میں مقبولا افسر دویم غلامان کو طلب کرکے کہا کہ میں تمہارے حق میں کیا کروں اور تمہیں مجھ سے کیا امید ہے؟ میں تمہیں غلاموں کا افسر اعلیٰ بنانا چاہتا ہوں مگر اس بدتمیز نذر بیگ کی وجہ سے جسے مطلق عقل و شعور نہیں ایسا نہیں کر سکتا۔ کیونکہ چند وجوہات اور مصلحتوں سے اُس کا اس عہدہ سے ہٹانا مناسب نہیں۔ اگر تم افسر اعلیٰ ہونا چاہتے ہو تو یہ تمہارے اختیار میں ہے۔ تم اُسے قتل کردو کیونکہ وہ غیر منصفانہ اس عہدہ پر رہکر تمہارا حارج ہے کل میں جب دربار میں موجود ہوں تو تم میرے سامنے اُسے قتل کردینا اس کے بعد میں تم کو اسکی جگہ افسر اعلیٰ کردونگا۔" حریص اور لالچی مقبولا نے بادشاہ کا اعتبار کیا اور اُسے معلوم نہ تھا کہ اسکا کیا انجام ہوگا۔ مکان پر جاکر اُس نے خوش خوش اپنی زوجہ سے اس وعدہ کا اظہار کیا جو بادشاہ نے کیا تھا۔ دوسرے روز خنجر لیکر حاضر دربار ہوا اور بادشاہ کی موجودگی میں اُس نے نذر بیگ کے سینہ میں ایسا کاری خنجر لگایا کہ وہ وہیں زمین پر گرکر مر گیا اورنگزیب نے اس واقعہ سے اظہار لاعلمی کیا جسکی اُس نے خود ہدایت کی تھی۔ اُسکے اشارہ پر حاضرین نے فوراً تلواروں سے اُسکے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ زبان سے کوئی لفظ نکال سکتا۔ اورنگزیب نے اپنی ظالمانہ حرکت کو مخفی رکھنے کے لئے ایسا کیا۔ اور یہ بہانہ کافی تھا کہ مقبولا نے آداب شاہی کو نظر انداز کرکے خود بادشاہ کی موجودگی میں اپنے افسر کو قتل کردیا۔

دارا کے قتل کرنیکے بعد اورنگزیب نے سرمد دہریہ کو اپنے سامنے طلب کیا جس سے دارا بہت اعتقاد رکھتا تھا۔ اُس سے دریافت کیا کہ اب تمہارا معتقد کہاں ہے؟ سرمد

سے جواب دیا کہ "وہ موجود ہے مگر تم اُسے نہیں دیکھ سکتے۔ تم نے اپنے ہی کنبہ والوں پر ظلم کئے اور سلطنت غصب کرنیکے لئے اپنے بھائیوں کو قتل کرنیکے علاوہ بہت سی ظالمانہ و بیرحمانہ حرکتیں کیں"۔ یہ سنکر اورنگزیب نے اُسے قتل کرا دیا۔

اب چونکہ کوئی بات باقی نہ رہی تھی لہذا اورنگزیب نے مورخین کو حکم دیا کہ اُسکی لڑائیوں کا حال شان و شوکت کے ساتھ لکھا جائے اور جن جن مخالفوں کو شکست دی گئی اور جو مشکلات تخت شاہی کے حاصل کرنے میں پیش آئیں اُن سب کے مفصل واقعات درج تاریخ کئے جائیں۔ مورخین نے عرض کیا کہ شاہجہاں کے قید کرنے اور شاہ شجاع و مراد بخش اور دارا کے قتل کے کیا وجوہات تحریر کریں۔ یہ سنکر اورنگزیب نے مسکرا کر اور حیرت زدہ ہو کر کہا کہ "کیا تم ایسے ناواقف ہو کہ ان مشہور واقعات کے اسباب نہیں جانتے ہو کیا تم اس کو معلوم نہیں کر سکتے کہ میرے باپ شاہجہاں کے عہد حکومت میں تمام سلطنت میں اس وجہ سے بغاوت پھیلی ہوئی تھی کہ وہ سلطنت دارا کو سپرد کرنی چاہتا تھا جو مذہب اسلام کا دشمن تھا۔ دارا کا ذبح کو مار ڈالنا اور شاہجہاں کو بوجہ ناقابلیت زیر حراست رکھنا مناسب تھا۔ شاہ شجاع اس لئے سلطنت سے بیدخل کیا گیا کہ حرص کی وجہ سے اُس نے تخت کا دعویٰ کیا جس کا وہ مستحق نہ تھا۔ اور اُس نے دوسری مملکت میں جا کر پناہ لی اور ناشکر گذاری کر کے اُس نے اپنے محسن کے مقابلہ میں بغاوت کرنی چاہی اور اپنی جان دیکر وہ سزا پائی جسکے وہ لائق تھا۔ مراد بخش میں عمدہ خصائل ہونیکے علاوہ وہ بڑا بہادر سپاہی تھا اُسے انصافانہ سزا ملی اور اسکی موت کے معاملہ میں گناہگار نہیں ہوں وہ اس لئے قابل سلطنت نہ تھا کہ حقیقتاً وہ بدعتی[۱] تھا۔ خداوند عالم نے مجھے محض اس لئے بادشاہ بنا دیا کہ میں ہمیشہ سے حامی اسلام و قرآن ہوں۔ میری تمنا تو یہ تھی کہ ایک غریب درویش کی طرح زندگی بسر کروں۔ مگر اسی

---

[۱] غالباً اس سے شیعہ مراد ہے۔ کیونکہ اس سے قبل لکھا ہے کہ مراد بخش شیعہ تھا۔ دوسرے عالمگیر بوجہ تعصب ایرانیوں کو بوجہ شیعہ ہونیکے اسی لفظ سے یاد کیا کرتا تھا۔ جیسا دوسری جلد سے معلوم ہوگا۔

خواہش کے خلاف میرا رتبہ اور آدمیوں سے زیادہ بلند کیا گیا۔ کیونکہ خدائے عادل کا یہی قاعدہ ہے کہ اپنے فرمانبرداروں کو ترقی دیتا ہے اور مغروروں کا سر کچلتا ہے "

مجھے خوب معلوم ہے کہ اگر میں کہوں کہ اورنگزیب نے شہباز خواجہ کو مار ڈالا تو بعض تعلیم یافتہ ناظرین میری اس تاریخ کو غلط اور جھوٹی خیال کریں گے۔ میں اس پر ناظرین کو کچھ الزام دینا نہیں چاہتا کیونکہ کچھ مورخین نے لکھا ہے کہ شہباز خواجہ سرا زندہ رہا اور بنگالہ چلا گیا۔ میں ان مورخین کی بھی تردید کرنی نہیں چاہتا کیونکہ صورت واقعات کو دیکھ کر انکی یہی رائے قایم ہوئی۔ اس کے متعلق میں مختصر لکھنا چاہتا ہوں۔

اپنے غلط اور ناواجب کاموں کے پورا کرنے میں اورنگزیب ہمیشہ عیاری سے کام لیا کرتا تھا۔ جب وہ بادشاہ ہوگیا اور شاہ شجاع کا خاتمہ ہو چکا تو اُس نے اپنے خواجہ سرا فہیم کو کچھ خاص احکامات دیئے۔ یہ خواجہ سرا صوبہ بنگالہ میں جاکر رہنے لگا اور اپنے آپ کو شہباز کے نام سے مشہور کیا۔ زمین جو اُسے معافی دی گئی تھی اُس کی آمدنی اس قدر کافی تھی کہ یہ آرام کے ساتھ زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ شراب پیتا اور لہو ولعب میں عیش کے ساتھ وقت گذارتا۔ یہ شکار اور اہل یورپ وغیر ملک کے باشندوں کے ساتھ گفت گو کرنیکا بہت شایق تھا۔ یہ ہمیشہ مرادبخش کی شجاعت و دلیری کی تعریف کیا کرتا تھا

اورنگزیب نے یہ تدبیر صرف اس لئے کی تھی کہ غیر قومیں اُسے اس بات کا الزام نہ دیں کہ اُس نے ایک خواجہ سرا کو جو ایسا دوراندیش تھا اور جو اپنے آقا کا ایسا وفادار اور نمک حلال تھا قتل کر دیا۔ ناظرین کو واضح ہو کہ یہ خواجہ سرا بنگالہ اس وجہ سے بھیجا گیا کہ وہاں غیر ملک کے سوداگر وغیرہ بکثرت تھے۔ اگر وہ گجرات یا دکن روانہ کیا جاتا تو وہاں سکے شناخت ہونے کا خوف تھا اور پھر کوئی اُسکی باتوں کا یقین نہ کرتا۔ یہ ممکن ہے کہ وہ کابل یا کشمیر بھیجا جاتا مگر وہاں مثل بنگالہ دوسری قوموں اور ملکوں کے سوداگر وغیرہ نہ تھے۔ لہذا وہ بنگالہ روانہ کیا گیا اور اب تک وہیں مقیم ہے اور اورنگزیب کی تائید کرتا رہتا ہے

یہ جھگڑے جو بھائیوں میں شروع ہوئے اور خرابی سلطنت مغلیہ کا باعث قرار پائے ۱۶۵۵ء (صحیح ۱۶۵۸ء) سے شروع ہو کر ۱۶۵۸ء میں تمام ہوئے۔ اس عرصہ میں رعایا کی بے شمار جانیں کھو کر اور اپنے بھائیوں کا خون بہا کر اورنگ زیب تمام سلطنت کا مالک ہوا۔

اگرچہ یہ سلطنت جو اس کے قبضہ میں تھی خاص وسیع تھی مگر اورنگ زیب کی ہوس اب بھی ختم نہ ہوئی۔ جیسا کہ جلد دوم کے ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔ یہ مثل بالکل ٹھیک ہے کہ "شرابی جس قدر شراب زیادہ پیتا ہے اسی قدر اس کی خواہش زیادہ ہوتی ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں جتنی چیزیں ہیں وہ انسانی خواہشات کو کبھی پورا نہیں کر سکتیں۔ اورنگ زیب کا باقی حال جلد دوم میں بیان کیا جائیگا۔

تمت

بقلم سید مظفر علی شاہ۔ جانسٹھ ضلع مظفر نگر

۱۲ر دسمبر ۱۹۲۰ء

OSMANIA UNIVE[RSITY]
LIBRARY
HYDERABAD